حدیثِ نو

پروفیسر سیدہ سکندر زہرا زیدی

کراچی یونیورسٹی کے بی۔اے (پاس) بی۔اے (آنرز) سال اوّل کے مجوزہ

جدید نصاب کے مطابق

اسلامک اسٹڈیز

حدیثِ نَو

از

سیّدہ سِکندر زہرا زیدی

(ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی)

پروفیسر گورنمنٹ اپوا گرلز کالج کراچی

مکتبہ زہرا۔ B-535 بلاک نمبر 13 الیف۔بی ایریا۔ کراچی

فون: 674812

٧٨٦

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون

محمد حسین رجسٹریشن تصحیح محکمہ اوقاف کراچی

میں نے کتاب (حدیثِ نو) میں مندرج
سُورَۃُ النُّور اور سُورَۃُ الدَّھر کے متنِ عربی
قرآن کے الفاظ و آیات کو حرفاً حرفاً بغور
پڑھا۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ الفاظ
میں کوئی کمی بیشی اور اعراب میں
زیر و زبر و پیش کی کوئی غلطی نہیں ہے

محمد حسین
25/10/85
امام نائب جامع مسجد
ڈاکخانہ لیاقت آباد کراچی

نام کتاب ______ حدیثِ نو
مؤلفہ ______ پروفیسر سیدہ سکندر زہرا زیدی
ناشر ______ مکتبۂ زہرا۔ کراچی
کتابت ______ احسان کاتب (مرحوم)
سرورق ______ معظّم علی
طابع ______ افریشیا پریس، ناظم آباد۔ کراچی
قیمت ______ ۵۵ روپے

طبع اوّل ایک ہزار ______ ۱۹۸۳
طبع دوئم " " ______ ۱۹۸۵
طبع سوئم " " ______ ۱۹۸۸
طبع چہارم " " ______ ۱۹۹۱

اہتمام طباعت: ایس ایس پرنٹنگ سروس - 1021/20
ایف بی - ایریا - کراچی

اِنتساب

اپنے پیارے بھائی مطلوب حسین زیدی مرحوم ابن مولانا سیّد توقیر حسین زیدی کے نام۔ جن کی یاد کبھی ختم نہ ہوگی۔

مدتیں گزری ہیں بچھڑے ہوئے تجھ سے لیکن
اپنے ہی آپ میں میں تجھ کو نہاں پاتی ہوں

سیّدہ سکندر زہرا زیدی
(ایم اے۔ ایل ایل بی)

۷۸۶

تعارف

حُسنِ اتفاق سے کراچی یونیورسٹی میں اسلامیات کے اختیاری نصاب بی۔اے سال دوئم میں شیعہ طلبار و طالبات کے لئے ان کی اپنی فقہ و تفسیر و حدیث وغیرہ کے لئے نصاب الگ ہے۔ لیکن سوءِ اتفاق یہ ہے کہ جو موضوعات داخلِ نصاب ہیں ان پر ہمارے عظیم علمار، مصنّفین و مؤلفین کی ضخیم سے ضخیم تر کتابیں تو موجود ہیں جو ظاہر ہے کہ وہ طلبار و طالبات کے احاطۂ انضباط سے باہر ہیں لیکن کوئی ایسی کتاب جو نصاب اسلامیات کے مطابق ہو جس سے انھیں حصولِ درس و امتحان میں آسانی میسر ہو سکے موجود نہیں ہے۔ اگرچہ ایسا نہیں ہے کہ خدانخواستہ ہمارے یہاں تصنیف و تالیف کا سلسلہ بند ہو چکا ہے یا مصنّفین یا مؤلفین موجود نہیں ہیں یا ہم قحط الرّجال میں مبتلا ہیں۔ لیکن بوجوہ ان بزرگانِ دین نے توجہ اس طرف مبذول نہیں کی اب وہ وجوہ کیا ہیں؟ اس سے میں واقف تو ہوں مگر اس کا اظہار مناسب نہیں سمجھتا اس لئے اس کا ملزم کسی حد تک میں خود بھی ہوں کہ بیس سال تک میں اسی درس و تدریس کے سلسلے میں خود منسلک رہا اور اس کم مائیگی علمی پر اپنے طلبا و طالبات کے اضطراب کو بھی دیکھتا رہا اور خود بھی شرمندگی محسوس کرتا رہا مگر یہ ہمت نہ کر سکا کہ اس کمی کو پورا کردں۔

اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ میری طرف سے اور تمام شیعہ اساتذہ معارف اسلامیہ بلکہ تمام حصولِ درس اسلامیات کرنے والے شیعہ طلبار و طالبات کی طرف سے بھی لائقِ صد شکر گذاری ہے (میری لائق شاگردہ سیدہ سکندر زہرا سلمہا لیکچرار معارف اسلامیہ اپوا کالج کراچی جو ماشار اللہ نہ یہ کہ خود ایک لائقِ فخر علمی استعداد کی مالکہ ہیں بلکہ ایک متقدر عالم یعنی مولانا توقیر حسین زیدی صاحب مدظلہ کی دخترِ نیک اختر ہونے کی وجہ سے وراثتِ علمی بھی رکھتی ہیں) کہ سلمہا نے اپنی اس قوی کمی کو محسوس کیا۔ نہ صرف محسوس کیا بلکہ اس کے پورا کرنے کی عملی جد و جہد کی ہمت کی۔ نہ صرف ہمت کی بلکہ ایسی کامیاب جد و جہد کی ہے جسے دیکھ کر میرا سر فخر سے بلند ہو گیا اور مجھے یقین ہے کہ کتاب کے مطالعہ کے بعد آپ بھی میری صد فیصد تائید کریں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ کسی کتاب کی تالیف یا کسی کتاب کی تصنیف دو علیحدہ علیحدہ موضوعات ہیں تصنیف کے لئے تو مصنّف کو انتہائی جد و جہد کرنی پڑتی ہے جب کہ تالیف میں صرف مختلف کتابوں سے بعد مطالعہ اپنے حسب منشار اقتباسات جمع کرلئے جاتے ہیں اسی لئے تالیف کو آسان اور تصنیف کو مشکل شمار کیا جاتا ہے۔ یقیناً زیر نظر کتاب سلمہا کی تصنیف بلکہ تالیف ہے۔

مگر میں عرض کروں گا کہ اس تالیف میں سلمہا نے جو طریقۂ کار اختیار کیا ہے اس نے اس کارِ تالیف کو تصنیف سے زیادہ مشکل بنا دیا ہے اس لئے کہ صرف چند کتابوں سے چند اقتباسات لے کر انھیں جمع کر کے کتاب بنا دینا اور بات ہے

مگر اس طرح کا اقتباس کہ اس میں حق تحقیق نمایاں نظر آ رہا ہو اور بات ہے۔ سلمہا نے جب میرے سامنے اس کتاب کا مسودہ پیش کیا کہ میں اسے دیکھ لوں تو چونکہ میں خود کافی عدیم الفرصت ہوں اس لئے بالاستیعاب تو مطالعہ نہ کر سکا البتہ مختلف مقامات سے کافی حد تک دیکھا۔ خصوصیت سے سورۂ نور کی تفسیر کرنے میں سلمہا نے جو کاوش کی ہے اسے دیکھ کر میرا جی چاہا کہ میں کہوں کہ بیٹی اگر اس طرح پورے قرآن حکیم کی تفسیر تو لکھ ڈالے تو ایسا کارنامہ ہو جائے کہ جس پر آنے والی نسلیں بھی فخر کرتی رہیں لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ ابھی تو سلمہا کا اس میدانِ تالیف و تصنیف میں ابتدائی دورِ سفر ہے۔ ابھی پہاڑ جیسی زندگی میں ہماری لائق بیٹی کو نہ جانے کتنے مراحل سے اور گذرنا ہے۔ معلوم نہیں قدرت یہ موقع بھی دے یا نہ دے کہ کم از کم اس سلسلہ ہی کو جاری رکھ سکے۔ البتہ میری دعا ہے کہ خداوند عالم سلمہا کی توفیقات میں بہ تصدق معصومین علیہم السلام مزید اضافہ کرامت فرماتا رہے۔

ہونا تو یہ چاہیئے تھا اور جیسا کہ دستور بھی یہی ہے کہ میں اس کتاب کے مختلف مقامات سے اقتباس کر کے اپنی گذارشات کو تقویت پہنچاتا لیکن میں اس کی ضرورت اس لئے نہیں سمجھتا کہ جب کتاب آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے اور آپ خود ملاحظہ فرما کر میری حرف بہ حرف تائید کر سکتے ہیں تو اقتباسات کیوں نقل کرنے کی زحمت کروں۔ مثل مشہور ہے کہ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔

اس لئے میں تو ان چند تعارفی کلمات کے بعد اس گذارش کے ساتھ اپنی گفت گو ختم کر رہا ہوں کہ آپ دعا فرمائیں خداوند جل شانہٗ ہماری اس نو خیز مؤلفہ کو بتصدق باب العلم علیہ السلام اپنی مساعی علمی جاری رکھنے کی کامل توفیق مرحمت فرماتا رہے۔ وما توفیقی اِلّا باللہ۔

سید جواد الاصغر نقوی

ریٹائرڈ لکچرار معارف اسلامیہ سراج الدولہ کالج کراچی

"مجھے کہنا ہے کچھ"

السلام علیکم۔

تمام حمد و ثنا اس خالقِ مطلق کے لئے ہے کہ جس نے اس کائنات کو تخلیق کیا ہے۔ اس کی نعمتوں کا شمار انسان کی استطاعت سے باہر ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے حکم کے تابع ہے۔ وہ ظاہر اور باطن کو جاننے والا ہے۔ اس کی صفات کی حد معین کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ اس کی رحمت لامحدود ہے۔ اس مالکِ کل کا ہزار شکر کہ اس نے ہماری ہدایت کے لئے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو بھیجا۔ ہمیں ہدایت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی اور صدقے ہیں محمدؐ و آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجھ جیسی حقیر کو یہ حوصلہ بخشا کہ میں کلام الٰہی کی تفسیر اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ پر اپنا قلم اُٹھا سکوں۔ یہ صرف اس کا کرم اور احسان ہے۔

میری کتاب کے دو حصے ہیں اول حصے میں مقدمہ قرآن مجید اور ترجمہ و تفسیر سورہ النور و سورہ الدھر ہے اور دوسرے حصے میں سیرت طیبہ ہے۔ ترجمہ و تفسیر سورہ النور اور سورہ الدھر لکھنے میں مجھے کافی مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ میں چاہتی تھی کہ یہ ترجمہ و تفسیر اس طرح سے ہو کہ گھر پر پڑھنے والے طلبہ و طالبات کو کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے۔ اور وہ صحیح معنوں میں علم حاصل کر سکیں۔ چنانچہ ان کی دشواری کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میں نے کوشش کی ہے کہ ایک ایک لفظ کے معنی الگ الگ لکھوں۔ اور بامحاورہ ترجمہ الگ لکھوں۔ میں اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوں اس کا فیصلہ قاری پر چھوڑتی ہوں۔ میں نے تفسیر لکھنے میں بھی اپنی ذاتی رائے کو داخل نہیں ہونے دیا۔ بلکہ مستند تفاسیر (شیعہ و سنی) اور معتبر احادیث (شیعہ و سنی) کی کتابوں سے مدد لی۔

میری کتاب کا دوسرا حصہ سیرتِ طیبہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشتمل ہے۔ اس کتاب سے پہلے بھی میں نے سیرتِ طیبہ پر ایک مختصر کتاب صرف طلبا و طالبات کے لئے لکھی تھی جس کو میرے بہت سے معزز اساتذہ کرام نے سراہا۔ اور اپنے مشوروں سے بھی نوازا۔ جس کے لئے میں ان تمام حضرات کی شکر گذار و ممنون ہوں۔

ہر تاریخ پڑھنے والا یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ مؤرخ کا قلم عصبیت سے پاک ہوتا ہے۔ وہ ماضی کی دبیز تہوں میں ننگی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور جو کچھ وہ بین بٹور کر لاتا ہے قاری کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ سچی سچی اور کھری کھری باتیں۔ صرف حقائق کو جاننے کی کوشش کرتا ہے اور قطعی غیر جانب دار ہو کر بغیر کسی کدورت و نفرت و تعصب کے وہ اپنے قلم کو اٹھاتا ہے۔ اس کا مقصد صرف تاریخ کو بیان کرنا ہوتا ہے۔ میں نے اس کتاب کو لکھنے میں بڑے بڑے مؤرخین اور محدثین کا سہارا لیا ہے۔ اور حتی الامکان یہ کوشش کی ہے کہ میں تاریخ کو صحیح طور پر پیش کر سکوں اس لئے جہاں کوئی واقعہ پیش کیا ہے وہاں احادیث کی مستند کتابوں (سنی و شیعہ) اور تاریخ کی معتبر کتابوں (شیعہ و سنی) کے حوالوں سے اس طرح پیش کیا ہے کہ کسی کی دلآزاری نہ ہو۔

آخر میں مَیں محترم پروفیسر جناب جواد الاصغر نقوی صاحب کی ممنون ہوں کہ آپ نے اپنا قیمتی وقت مجھے دیا اور اپنی رائے سے نوازا۔ میں تمام اساتذہ کرام سے اور اپنے ہونہار طلبہ و طالبات سے بھی گذارش کروں گی کہ وہ اپنی قیمتی رائے سے مجھے نوازیں۔ اور اس کتاب کی خامیوں سے مجھے آگاہ کریں۔

بہت بہت شکریہ۔

از

سیّدہ سکندر زہرا زیدی

ایم۔اے۔ایل ایل بی۔

پروفیسر گورنمنٹ اپوا گرلز کالج۔کراچی

اسلامک اسٹڈیز بی-اے سال اول کے نصاب میں نمبروں کی ترتیب

حِصّہ اوّل۔

مقدمہ قرآن مجید اور متن قرآن مجید

سُورہ نُور
سُورہ دھر } 50 نمبر

حِصّہ دوئم۔

سیرتِ طیبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔ 20 نمبر

حِصّہ سوئم۔

عربی 30 نمبر

فہرست مضامین

حصہ اوّل

حصہ دوم

"سیرت طیبہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم"

حصہ سوئم

○

حصّہ اوّل

مقدمۂ قرآن مجید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآنِ مجید کے معنیٰ و مفہوم

قرآن مجید کا تلفظ دو طرح سے کتابوں میں ملتا ہے۔ ایک قران اور دوسرا قرآن۔ قران اسمِ جامد ہے اور قرآن اسم مشتق ہے۔

اسم مشتق اسے کہتے ہیں جو کسی دوسرے لفظ سے بنایا گیا ہو۔ اس کے بارے میں مختلف خیالات پائے جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ (قرآن مجید) یہ مشتق ہے ق ر ن سے یعنی قرن سے۔ جس کے معنی ہیں نزدیکی کے اور چونکہ قرآن مجید میں الفاظ ایک دوسرے کے متصل ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کو قرآن کہا گیا ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ (قرآن مجید) ق ر ء (قرء) سے مشتق ہے اور قرء کے معنی ہیں پڑھنے کے۔ اس لئے قرآن مجید کے معنی ہوئے پڑھی جانے والی کتاب۔

قرآن مجید کے کئی نام ہیں۔ قرآن، فرقان، ذکر کتاب، مبین، تنزیل وغیرہ وغیرہ۔

قرآن مجید کا تعارف:

قرآن مجید نام ہے اس کتاب النظیر کا جو نوعِ انسانی کے جملہ کمالاتِ علمیہ وعملیہ کے لئے ضامن ہے اور زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے لہٰذا سے ارشاداتِ خداوندی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس میں خداوند تعالےٰ نے انسانی سعادت کے جملہ علوم جمع کردیئے ہیں۔ طہارت سے لے کر تہذیب، اخلاق، عبادات، معاملات، تمدن و معاشرت، سیاست و مملکت اور تزکیۂ نفوس تک تمام اسرار و حقائق اس طرح بیان کردیئے ہیں کہ پھر کسی اور ہدایت کی ضرورت نہیں رہتی اور نہ پھر اس میں کسی وہم اور آمیزش کی گنجائش رہتی ہے۔

قرآن شریف ایک ایسا معجزہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندے پر بذریعہ وحی نازل کیا اور اس کی حفاظت کی خود ذمہ داری لی۔ قرآن شریف کے معجزہ ہونے کا ثبوت آج تک ہے اور وہ یہ ہے

کہ قرآن مجید ہی وہ واحد کتاب ہے جو ابتدا سے لے کر آج تک اسی صورت میں موجود ہے، جس صورت میں نازل ہوئی تھی۔ یہی وہ کتاب ہے جس کی آیات نے فصحائے عرب کے دانت کھٹے کر دیئے تھے اور اُن عربوں کی گردنیں جھکا دیں تھیں جو اپنے آپ سے زیادہ کسی کو قابل اور عاقل نہیں سمجھتے تھے غیر عرب کو عجم یعنی گونگا سمجھتے تھے۔ قرآن شریف کا نزول ایسے وقت میں شروع ہوا، جب عرب میں فصاحت و بلاغت کا دَور دَورہ تھا۔ اور یہ لوگ فصاحت و بلاغت کو گھر کی لونڈی سمجھتے تھے۔ انھیں اس بات پر ناز تھا کہ وہ تمام دُنیا میں سب پر بلندی حاصل کر چکے ہیں، لیکن جب قرآن مجید نازل ہوا اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کا سب سے چھوٹا سورہ "سورۃ الکوثر" پیش کیا اور وہ سبعہ معلقہ پر لٹکا دیا تو شعرائے عرب گھبرا گئے اور کہہ اٹھے کہ "مَا هٰذَا كَلَامُ الْبَشَرِ" (یہ انسانی کلام نہیں ہو سکتا)

یہاں پر سبعہ معلقہ کی تشریح کرتی چلوں۔ اُس زمانے میں بازارِ عکاظ میں سالانہ میلہ لگا کرتا تھا اور اس میلے میں عرب کے اہلِ زبان جمع ہو کر اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ شعراء کی محفل بھی ہوتی تھی۔ تمام شعراء اپنا اپنا کلام پیش کرتے تھے۔ جو کلام سب سے بہترین ہوتا تھا اسے لکھ کر (خانۂ کعبہ کے دروازے) سبعہ معلقہ پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ یہ تمام عرب والوں کے لیے چیلنج ہوتا تھا کہ "اگر تم اس سے بہتر کلام لکھ کر لا سکتے ہو تو لاؤ" اس قصیدے کو تمام عرب پوجتے تھے۔ اُس وقت جب قرآن مجید نازل ہوا، سات یا آٹھ قصیدے لٹکا دیئے گئے تھے۔ یہ قصیدے آج بھی مشہور ہیں)

قرآن شریف وہ کلام ہے جس کی شان نرالی، اندازِ بیان انوکھا، اسلوب استدلال اچھوتا ہے۔ اس کتاب کی ظاہری اور باطنی دونوں صورتیں الگ الگ معلوم ہوتی ہیں۔

یہ (قرآن مجید) ایک ایسا نور ہے جس کی شمع ہدایت کبھی ٹھنڈی نہ ہوگی۔ ایسا روشن ستارہ ہے جس کی جگمگاہٹ کبھی ماند نہیں پڑے گی۔ ایک ایسا گہرا سمندر ہے جس کی تہ کبھی ختم نہیں ہوگی۔ اور ایسا چوڑا راستہ ہے جس پر چلنے والا کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا اور یہ ایسی نورانی شمع ہے جس کی روشنی میں حق و باطل میں فرق کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے جو مخالف کی زبان کو بے مثل ہتھیار سے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیتی ہے۔

نزولِ قرآنِ مجید

قرآنِ مجید وہ کلام ہے جو لوحِ محفوظ پر نازل کیا گیا۔ اس طرح قرآن کے نزول کی سب سے پہلی منزل لوحِ محفوظ ہے اور پورا قرآنِ مجید شبِ قدر میں نازل ہوا۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ:

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (ہم نے اسے شبِ قدر میں نازل کیا) اور لوحِ محفوظ سے حضرت جبرئیل علیہ السّلام کے ذریعے قلبِ حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر آیت آیت کرکے نازل ہوا۔ یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السّلام سیّد المرسلین کے پاس موقع محل سے لاتے رہے۔ یہ لفظ اور معنی دونوں طرح سے اللہ کا کلام ہے۔ یعنی اس میں جو الفاظ ہیں وہ بھی اللہ تعالےٰ کے اور جو اس کے معنی ہیں وہ بھی خداوند تعالیٰ کے ہیں۔ اس کے ایک نقطے میں اور ایک لفظ میں بھی فرق نہیں آیا اور نہ قیامت تک آئے گا۔

قرآن مجید ۲۳ برس کی مدّت میں آہستہ آہستہ نازل ہوا ہے۔ اس کا نزول اس وقت شروع ہوا جب حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کی عمر چالیس (۴۰) سال کی ہوچکی تھی۔ آپؐ غارِ حرا میں مصروفِ عبادت تھے کہ وحی آنے کا سلسلہ شروع ہوا۔

اس میں اختلاف ہے کہ قرآن مجید کا سب سے پہلا نازل ہونے والا سورہ کونسا ہے۔ چنانچہ اس میں چار اقوال مشہور ہیں۔

۱۔ سورۂ اقراء سب سے پہلے نازل ہوا ہے۔

۲۔ بعض مفسّرین نے سورۂ المدثر کو پہلا نازل ہونے والا سورہ کہا ہے۔

۳۔ بعض کہتے ہیں سورۂ فاتحہ سب سے پہلے نازل ہوا۔

۴۔ ایک روایت ہے کہ قرآن مجید کا سب سے پہلے اُترنے والا حصہ آیت "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" ہے۔

پہلے قول کو ماننے کے ثبوت میں علامہ سیوطی نے الاتقان میں کتب صحاح سے حضرت عائشہؓ کی روایت نقل کی ہے۔

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ "پہلے پہل جب حضرت جبرائیل علیہ السّلام کا نزول ہوا تو انھوں نے حضرت رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے خواہش کی کہ "اِقْرَاْ" یعنی پڑھو۔ آپؐ نے جواب دیا کہ "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔" تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپؐ کو ڈھانپ لیا اور خوب دبایا، پھر چھوڑ دیا اور کہا "پڑھو" تو پھر آپؐ نے حسبِ سابق جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ چنانچہ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپؐ کو ڈھانپ کر خوب دبایا اور جب چھوڑا تو کہا کہ پڑھو لیکن آپؐ نے پھر بھی وہی جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پس حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تیسری دفعہ پھر ڈھانپ لیا اور خوب دبایا اور چھوڑنے کے بعد پھر پڑھنے کو کہا تو آپؐ نے پھر فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ تو اب کی بار حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پڑھا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ سے مَا لَمْ یَعْلَمْ تک اور حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس کو دھرایا جب کہ آپؐ کے اعضاء میں کپکپی طاری تھی۔"

دوسرے قول کا مدرک کتب صحاح سے الاتقان میں بروایت حضرت جابر بن عبداللہ انصاری منقول ہے کہ حضور سرورِ کائنات نے فرمایا کہ میں غارِ حرا سے نکل کر وادی کے درمیان میں تھا کہ میں نے ہر چہار سو دیکھ کر آسمان کی طرف نظر بلند کی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام دکھائی دیئے۔ پس میرے جسم میں کپکپی طاری ہوگئی۔ چنانچہ گھر پہنچ کر میں نے حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ "دَثِّرُوْنِی" یعنی میرے اوپر لحاف ڈال دو۔ پس اللہ نے نازل فرمایا:

"یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ"

شیعہ عقیدے کی رُو سے، حضرت رسالتمآبؐ کا نزولِ وحی کے وقت حضرت جبرائیل سے خوف زدہ ہونا بعید از قیاس و عقل ہے اور اسی طرح ہر وہ روایت جس میں شانِ رسالتؐ میں بے ادبی یا گستاخی کا پہلو ہو وہ لائق تاویل یا قابلِ رد ہے۔ اور ایسی حدیثوں کو شیعہ تسلیم نہیں کرتے۔

شیعہ عقیدے کے مطابق سب سے پہلے نازل ہونے والا سورہ، سورۂ اقراء ہے اور اسکی تائید میں اہل بیت علیہم السلام کی روایات موجود ہیں۔

چنانچہ الاتقان میں حضرت امام علی ابن الحسین زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ مکہ میں سب سے پہلے نازل ہونے والا سورۂ اقراء ہے۔ جب کہ آخر میں نازل ہونے والا سورہ المومنون ہے (اور بعضوں نے عنکبوت کہا ہے) اور مدینہ منورہ میں سب سے پہلے اُترنے والا سورہ وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ ہے۔ اور آخری سورہ برأت ہے۔ اور بعض مفسرین نے مدینہ میں پہلا اترنے والا سورہ البقرہ اور بعض نے سورۂ القدر قرار دیا ہے۔

بہر حال یہ ثابت ہے کہ زیادہ تر مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ سب سے پہلے سورہ جو نازل ہوا وہ سورۂ القراء نازل ہوا ہے۔ یعنی سورہ اقراء کی پانچ آیات۔

پہلی وحی نازل ہونے کے بعد کچھ دنوں کے لیے وحی آنے کا سلسلہ بند ہو گیا تھا۔ اس کے بعد دوبارہ نزولِ قرآنِ مجید شروع ہوا تو اس دفعہ سب سے پہلے سورۂ المدثر نازل ہوا۔

اس لیے اگر ہم یوں کہیں کہ سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی تو وہ سورۂ اقراء کی پانچ آیات ہیں اور پھر جب دوبارہ نزولِ قرآن مجید کا سلسلہ شروع ہوا وہ سورہ المدثر ہے۔ پورا قرآن شریف بیس۲۰ یا تیئس۲۳ سال کے عرصے میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا کہنا ہے کہ "قرآنِ مجید دفعۃً واحدۃً کل کا کل ایک ہی مرتبہ لوحِ محفوظ میں آ گیا تھا لیکن وقتاً فوقتاً اسے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تیئس۲۳ سال کی مدت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

تک پہنچایا ہے"۔

علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ:

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن مجید رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر تدریجی حیثیت سے موقع محل کے اقتضاء کے مطابق نازل ہوتا تھا اور اسی اعتبار سے اس میں ماضی مستقبل اور حال کے واقعات کی تفریق ہوئی ہے یعنی پہلے ہو چکنے والے واقعات ماضی کے الفاظ سے اور بعد میں ہونے والے مستقبل کی حیثیت میں اور موجودہ حالت کا تذکرہ حال کی صورت میں کیا گیا ہے اور روز وقوع واقعہ آنے والی آیت میں (الیوم) یعنی "آج" کے لفظ اور آئندہ کے تذکرہ میں سین اور سوف کے ساتھ قریب اور بعید کے حدود قائم کرتا ہے۔ اس اعتبار سے قرآن مجید کے نزول کی کوئی تاریخ مقرر کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ بیس برس کے عرصے میں آہستہ آہستہ اترا ہے۔

لیکن جب ہم قرآن شریف پڑھتے ہیں تو اس میں ہمیں نزول قرآن مجید کی تاریخ ملتی ہے قرآن شریف میں ارشاد ہے کہ "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے"۔

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ "إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ" "ہم نے اس کو مبارک شب میں نازل کیا۔ تیسری آیت میں ہے کہ "إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ" ہم نے اس کو شب قدر میں نازل کیا"۔

ان تینوں آیات سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن مجید رمضان کے مہینے میں اور پھر کسی مبارک شب کو نازل کیا گیا اور پھر شب قدر کا بھی ذکر ہے۔ ان تمام باتوں سے ہم کسی خاص دن یا وقت کو مقرر نہیں کر سکتے کہ کس وقت اور کتنے عرصے میں پورا قرآن نازل ہوا۔ صرف یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن شریف بیس یا تیئیس ۲۳ سال میں ان شب کو نازل ہوا اور یہی شب قدر یا شب نزول قرآن مجید کی بنیاد ہیں۔

مکی اور مدنی آیات

آئمہ تفسیر نے آیاتِ قرآنی کے نزول کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک حصہ وہ جو مکے میں نازل ہوا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیرہ (۱۳) سالہ مکی زندگی کے دوران۔ اور دوسرا حصہ ہجرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یعنی دس سالہ مدنی زندگی کے دوران نازل ہوا۔

اس طرح جو حصہ مکے میں نازل ہوا اس کو مکی آیات کہا جاتا ہے اور جو مدینہ منورہ میں نازل ہوا اس کو

مدنی آیات کہا جاتا ہے۔ مکی سورتوں کی تعداد چھیاسی (۸۶) اور مدنی سورتوں کی تعداد اٹھائیس (۲۸) ہے۔
لیکن بعض مفسرین نے مکی سورتوں کی کل تعداد ۸۷ اور مدنی سورتوں کی ۲۷ بتائی ہے۔
چنانچہ قرآن کریم کی تمام سورتوں کی مجموعی تعداد ایک سو چودہ (۱۱۴) اور آیتوں کی تعداد چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) ہے۔

فضائلِ قرآن شریف

قرآن شریف اللہ کا کلام ہے اور وہ مقدس کتاب ہے کہ جو نوعِ انسانی کے لیے راہ ہدایت ہے اسی لیے اس کے بہت فضائل ہیں۔
قرآن مجید کے فضائل کی حد مقرر کرنا انسان کی کوتاہ بینی اور نافہمی ہے۔ کیونکہ اس مقدس کلام کو عام کلام سے وہی نسبت ہے جو خالق کو مخلوق سے ہے۔ جب کہ انسان خداوند تعالیٰ کی نعمتوں احسانات اور انعامات میں سے ایک ادنیٰ احسان اور نعمت کا احصا نہیں کر سکتا۔ تو پھر وہ کلام الٰہی کے احسانات اور اس کے فضائل کا کیا شمار کر سکتا ہے؟ اس مقام پر ہم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آئمہ معصومین علیہم السلام سے کچھ روایات نقل کرتے ہیں جس کے ذریعے قرآن مجید کی عظمت و فضیلت واضح ہو جاتی ہے۔

عن امیرالمومنین قال فی خطبتہٖ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ هُوَ النَّاصِحُ الَّذِیْ لَا یَغُشُّ وَالْهَادِیْ الَّذِیْ لَا یُضِلُّ وَالْمُحَدِّثُ الَّذِیْ لَا یَکْذِبُ وَمَا جَالَسَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ اَحَدٌ اِلَّا قَامَ مِنْهُ وَبِهٖ زِیَادَةٌ اَوْ نُقْصَانٌ زِیَادَةٌ فِیْ هُدًی اَوْ نُقْصَانٌ مِنْ عَمًی وَاعْلَمُوْا اَنَّهٗ لَیْسَ عَلٰی اَحَدٍ بَعْدَ الْقُرْاٰنِ مِنْ فَاقَةٍ وَلَا لِاَحَدٍ قَبْلَ الْقُرْاٰنِ مِنْ غِنًی فَاسْتَشْفُوْهُ مِنْ اَدْوَائِکُمْ وَاسْتَعِیْنُوْا بِهٖ عَلٰی لَاْوَائِکُمْ فَاِنَّ فِیْهِ شِفَاءً مِنْ اَکْبَرِ الدَّاءِ وَهُوَ الْکُفْرُ وَالنِّفَاقُ وَالْغَیُّ وَالضَّلَالُ فَاسْئَلُوا اللّٰهَ بِهٖ وَتَوَجَّهُوْا اِلَیْهِ بِحُبِّهٖ وَلَا تَسْاَلُوْا بِهٖ خَلْقَهٗ اِنَّهٗ مَا تَوَجَّهَ الْعِبَادُ بِمِثْلِهٖ وَاعْلَمُوْا اَنَّهٗ شَافِعٌ

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ تحقیق یہ قرآن وہ خیر خواہ ہے جو کبھی دھوکا نہیں کرتا، ایسا ہادی ہے جو کبھی راہ گم نہیں کرتا اور ایسا بیان کنندہ ہے جو جھوٹ نہیں کہتا جو قرآن سے ہم مجلس ہوا، وہ زیادتی یا کمی لے کر اٹھا، یعنی ہدایت میں زیادتی اور گمراہی میں کمی اور یقین جانئے کہ قرآن حاصل کر لینے کے بعد کوئی فقر نہیں اور قرآن حاصل کر لینے سے پہلے کوئی دولت مندی نہیں۔ اس سے اپنی بیماری کی شفا حاصل کرو اور دفع مصائب کے لئے اس سے مدد طلب کرو تحقیق یہ سخت سے سخت امراض کفر، نفاق، غی اور ضلال کا واحد علاج ہے۔ اللہ سے اسی کے ذریعے دعا مانگو اور اسی کی محبت لے کر بڑھو اور اس کے ذریعے

مُشَفَّعٌ وَقَائِلٌ مُصَدَّقٌ وَاَنَّهُ مَنْ شَفَعَ لَهُ الْقُرْاٰنُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُفِّعَ فِيْهِ

نهج البلاغة خطبه ١٧١

قَالَ فِيْ خُطْبَتِهٖ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ نُوْرًا لَا تُطْفَأُ مَصَابِيْحُهٗ وَسِرَاجًا لَا يَخْبُوْ تَوَقُّدُهٗ وَبَحْرًا لَا يُدْرَكُ قَعْرُهٗ وَمِنْهَاجًا لَا يَضِلُّ نَهْجُهٗ وَشُعَاعًا لَا يُظْلِمُ ضَوْءُهٗ وَفُرْقَانًا لَا يُخْمَدُ بُرْهَانُهٗ وَتِبْيَانًا لَا تُهْدَمُ اَرْكَانُهٗ وَشِفَاءً لَا تُخْشٰى اَسْقَامُهٗ وَعِزًّا لَا تُهْزَمُ اَنْصَارُهٗ وَحَقًّا لَا تُخْذَلُ اَعْوَانُهٗ فَهُوَ مَعْدِنُ الْاِيْمَانِ وَبُحْبُوْحَتُهٗ وَيَنَابِيْعُ الْعِلْمِ وَبُحُوْرُهٗ وَرِيَاضُ الْعَدْلِ وَغُدْرَانُهٗ وَاَثَافِيُّ الْاِسْلَامِ وَبُنْيَانُهٗ وَاَوْدِيَةُ الْحَقِّ وَغِيْطَانُهٗ وَبَحْرٌ لَا يَنْزِفُهُ الْمُنْتَزِفُوْنَ وَعُيُوْنٌ لَا يُنْضِبُهَا الْمَاتِحُوْنَ وَمَنَاهِلُ لَا يَغِيْضُهَا الْوَارِدُوْنَ وَمَنَازِلُ لَا يَضِلُّ نَهْجَهَا الْمُسَافِرُوْنَ وَاَعْلَامٌ لَا يَعْمٰى عَنْهَا السَّائِرُوْنَ وَاٰكَامٌ لَا يَجُوْزُ عَنْهَا الْقَاصِدُوْنَ جَعَلَهُ اللّٰهُ رِيًّا لِعَطَشِ الْعُلَمَاءِ وَرَبِيْعًا لِقُلُوْبِ الْفُقَهَاءِ وَمَحَاجَّ لِطُرُقِ الصُّلَحَاءِ وَدَوَاءً لَيْسَ بَعْدَهٗ دَاءٌ وَنُوْرًا لَيْسَ مَعَهٗ ظُلْمَةٌ وَحَبْلًا وَثِيْقًا عُرْوَتُهٗ وَمَعْقِلًا مَنِيْعًا ذِرْوَتُهٗ وَعِزًّا لِمَنْ تَوَلَّاهُ وَسِلْمًا لِمَنْ دَخَلَهٗ وَهُدًى لِمَنِ ائْتَمَّ بِهٖ وَعُذْرًا لِمَنِ انْتَحَلَهٗ وَبُرْهَانًا لِمَنْ تَكَلَّمَ بِهٖ وَشَاهِدًا لِمَنْ خَاصَمَ بِهٖ وَفَلْجًا لِمَنْ حَاجَّ بِهٖ۔

نهج البلاغة خطبه ١٩٣

اس مخلوق کے آگے دگر گڑا کر دیکھو کیونکہ بندوں کی (خالق کی طرف) توجہ کے لئے اس جیسا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ یقین رکھو یہ وہ شفاعت کرنے والا ہے جس کی شفاعت مقبول ہے۔ اور یہ وہ بولنے والا ہے جس کی بات تصدیق شدہ ہے۔ بروز محشر جس کی قرآن نے شفاعت کردی اس کی شفاعت قبول ہوگی۔

جناب رسالتمآبؐ کے فضائل بیان کرتے ہوئے آپؑ نے ارشاد فرمایا! کہ پھر اللہ نے ان پر وہ کتاب اُتاری جو ایک نور ہے جس کی قندیلیں خاموش نہیں ہوتیں اور جس کے چراغوں کی روشنی مدھم نہیں ہوتی اور ایسا بحر ہے جس کی تہہ ناقابل رسا ہے اور ایسا راستہ ہے جس کا چلنے والا بھٹکتا نہیں۔ وہ ایسی شعاع ہے جس کی روشنی پر تاریکی کا غلبہ نہیں ہو سکتا۔ ایسا فرقان ہے جس کی دلیل مغلوب نہیں، ایسا بیان ہے جس کی طاقت کمزور نہیں۔ ایسی شفا ہے جس کے بعد بیماری خطرہ نہیں، ایسا غلبہ ہے جس کے انصار ہارتے نہیں۔ ایسا حق ہے جس کے معاون چھوڑ نہیں جاتے وہ ایمان کا قلب و جگر علم کے چشمے اور سمندر عدل کے باغات و آبشار اسلام کی اساس و بنیادیں اور حق کی وادیاں اور قرارگاہیں ہیں ایسا بحر ہے جس کو استفادہ کرنے والے ختم نہیں کر سکتے ایسا گھاٹ ہے جسے فائدہ پانے والے خشک نہیں کر سکتے ایسا گھاٹ ہے جو پینے والوں سے کم نہیں ہوتا ایسی منازل ہیں کہ مسافران کا راستہ بھولتے نہیں۔ ایسے نشان ہیں کہ جن کو رہ گذر گم نہیں کرتا اور ایسی بلندیاں ہیں جن سے قصد کرنے والے تجاوز نہیں کر سکتے۔ خدا نے اس کے علماء کی پیاس کی سیرابی فقہا کے دلوں کی بہار اور نیکو کے چلنے کا رستہ قرار دیا یہ وہ دوا ہے جس کے ساتھ بیماری نہیں رہتی وہ نور ہے جس کے ساتھ ظلمت نہیں رہتی یہ مضبوط جوڑ والی رسی اور محفوظ چار دیواری والا قلعہ ہے اور محب کے لئے عزت آنے والے کے لئے امن مقتدی کے لئے ہدایت اور نسبت حاصل کرنے والے کے لئے عذر ہے اور جو اس کے ساتھ بولے اس کے لئے برہان اور اس کے بل بوتے پر کسی سے مقابلہ کرے اس کے لئے شاہد اور جو اس کے ذریعہ سے مناظرہ کرے اس کے لئے باعثِ کامیابی ہے۔

عن ابی عبید اللہ ینبغی للمؤمن ان لا یموت حتی یتعلم القرآن او ان یکون فی تعلیمہ۔

عن النبی معلم القرآن و متعلمہ یستغفر لہ کل شیء حتی الحوت فی البحر عنہ القرآن افضل کل شیء دون اللہ فمن وقر القرآن فقد وقر اللہ ومن استخف بالقرآن فقد استخف بحرمۃ اللہ یفئی نورہ من مسیرۃ عشرۃ آلاف سنۃ و یکسیان حلۃ لا یقوم لاقل سلک منہا مائۃ الف ضعف ما فی الدنیا بما یشتمل علیہا من خیراتہا و الی ان قال فاذا نظر والداہ الی حلیتہما و تاجیہما قال ربنا انی لنا ھذا الشرف ولم تبلغہ اعمالنا فیقول لہما کرام ملائکۃ اللہ عن اللہ عزوجل ھذا لکما بتعلیمکما ولدکما القرآن۔

عنہ القرآن غنی لا غنی دونہ ولا فقر بعدہ عنہ افضل العبادۃ قراۃ القرآن۔

عنہ اشرف امتی حملۃ القرآن واصحاب اللیل۔

امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ مومن کو چاہئے کہ اگر اس پر موت آئے تو وہ قرآن پڑھا ہو یا پڑھنے میں مشغول ہو۔

جناب رسالتمآب نے فرمایا کہ قرآن پڑھنے اور پڑھانے والے ہر دو کے لئے ہر چیز حتی کہ دریائی مچھلیاں بھی استغفار کرتی ہیں نیز آپ نے فرمایا کہ قرآن اللہ کی ہر شے سے افضل ہے جس نے قرآن کی عزت کی گویا اس نے اللہ کی عزت کی اور جس نے قرآن کی عزت نہ کی گویا اس نے اللہ کی توہین کی۔

نیز آپؐ نے فرمایا کہ قرآن پڑھنے والے کے والدین کو تاج کرامت عطا ہوگا جس کا نور دس ہزار سال کی راہ سے ظاہر ہوگا اور ان کو ایسے حلہ ہائے بہشت عطا ہوں گے کہ تمام دنیا اور اس کی جملہ خوبیوں کا لاکھ گنا اس کی ادنیٰ تار کے برابر نہ ہو سکے گا۔

یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا جب اس کے والدین یہ حلے اور تاج دیکھیں گے تو عرض کریں گے اے اللہ ہمیں یہ شرف کیسے ملا حالانکہ ہمارے اپنے اعمال تو اس قابل نہ تھے تو خداوندہ کریم کی طرف سے فرشتے جواب دیں گے کہ یہ شرف تم کو اس لئے ملا ہے کہ تم نے اپنے بچوں کو قرآن شریف پڑھایا تھا۔

نیز فرمایا کہ قرآن کے بغیر کوئی دولت مندی نہیں اور قرآن کے ساتھ کوئی فقر نہیں۔ قرآن کا پڑھنا بہترین عبادت ہے۔

فرمایا میری اُمت کے شرفاء قرآن خواں اور شب خیز لوگ ہیں۔

آپ نے فرمایا جو شخص اپنے لڑکے کو قرآن کی تعلیم دلوائے تو اس کے والدین کو تاج اور حلہ ہائے بیش بہا عطا ہوں گے۔ نیز فرمایا کہ معلم بچے کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھاتا ہے تو بچے اور اس کے والدین اور استاد کے لئے خدا آتش جہنم سے آزادی فرض کر دیتا ہے۔

آپ نے فرمایا جو شخص اپنے لڑکے کو قرآن کی تعلیم دلوائے اس کے والدین کو تاج اور حلہ ہائے بیش بہا عطا ہوں گے۔ نیز فرمایا کہ معلم بچے کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھاتا ہے تو بچے اور اس کے والدین اور استاد کے لئے خدا آتش جہنم سے آزادی فرض کر دیتا ہے۔

نیز جناب رسولِ خدا سے مروی ہے کہ جو شخص بیٹے کو قرآن شریف پڑھائے تو گویا اس نے دس ہزار حج اور دس ہزار عمرے ادا کیے اور اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام سے دس ہزار غلام آزاد کئے اور دس ہزار جہاد کئے اور دس ہزار بھوکے مسکینوں کو کھانا کھلایا اور گویا اس نے دس ہزار برہنہ مسلمانوں کو لباس پہنایا اور ہر ہر حرف کے بدلے میں اس کے نامہ اعمال میں دس دس نیکیاں درج ہوں گی اور دس دس گناہ معاف ہوں گے۔ قبر سے حشر تک قرآن مجید اس کے ہمراہ ہوگا۔ اور اس کو پل صراط سے مثل بجلی کے پار کرے گا۔ اور قرآن شریف اس سے جدا نہ ہوگا جب تک کہ اس کو منازل کرامت میں ایسی منزل پر نہ لے جائے جسے وہ چاہتا ہوگا۔

ایک اور جگہ پر آپؐ نے فرمایا کہ "خدا اس دل کو عذاب نہ کرے گا جو قرآن کا مسکن ہوگا"۔

یہ تمام احادیث مجمع البیان وسائل اور مستدرک سے نقل کی گئی ہیں۔ قرآن مجید کی بڑی فضیلت ہے اور یہ کتاب مکمل راہِ ہدایت ہے اسی لئے جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ کی عظمت و جلال سے ہے کہ تین قسموں کے لوگ اس کی بارگاہ میں نہایت مکرم ہیں ۱۔ مسلم سفید ریش ۲۔ امام عادل ۳۔ حامل قرآن۔ جو معنی قرآن میں رد و بدل نہ کرے اور اسے تجاوز بھی نہ کرے"۔

حاملین قرآن کی فضیلت آپؐ نے اس طرح فرمائی "قیامت کے روز نور کے منبر نصب کئے جائیں گے اور ہر منبر کے پاس ایک نور کی سواری ہوگی پھر اللہ کی طرف سے منادی ندا کرے گا کہاں ہیں کتاب اللہ کے حامل دکھا جائے گا کہ جب تک خدا خلائق کے حساب سے فارغ نہ ہو تم بلا خوف و حزن ان منبروں پر بیٹھو اس کے بعد اپنی سواریوں پر سوار ہو کر جنت کی طرف چلے جاؤ"۔

ان تمام احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید کی عظمت کے تو کیا کہنے بلکہ حاملین قرآن مجید کو بھی اللہ تعالیٰ نے بلند رتبہ پر فائز کیا ہے اور اس کی بڑی قدر و منزلت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید خالق و مخلوق کے درمیان ایسا گہرا رشتہ ہے جس کو کبھی زوال نہیں اور یہ رشتہ رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ قرآن مجید کی محبت ہی ہمیں تلاوت پر مجبور کرتی ہے گویا جب ہم تلاوت کرتے ہیں تو اپنے خالق سے ہمکلام ہوتے ہیں اور جب ہم ہمکلام ہوتے ہیں تو اس کی فضیلت کا اعتراف کرتے ہیں اپنے آپ کو حقیر جان کر اس میں ڈوبنے کی کوشش کرتے ہیں اور جتنا زیادہ اس میں ڈوبتے ہیں اتنا ہمیں سکون و اطمینان ہوتا ہے یہ قرآن مجید کی فضیلت ہے کہ اتنے برس ہونے کے باوجود مسلمان ہر لمحہ اس کو یاد کرتے ہیں اور خدا کے اس وعدہ کے مطابق عمل کرتے ہیں کہ تو مجھے یاد کر، میں تجھے یاد کروں گا۔ تو میرے قریب آ میں تیرے قریب آؤں گا۔ تو میری نعمت کو یاد رکھ میں تیری نعمت کو یاد کروں گا۔ غرضیکہ قرآن مجید کی فضیلت کو چھونا اور اس تک پہنچنا انسان کی استطاعت سے باہر ہے۔

قرآن مجید کی فضیلت کا اندازہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی اس روایت سے بھی کیا جاسکتا ہے جو آپؑ نے

حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمائی ہے۔

۱۔ جو شخص ہر شب قرآن مجید کی دس آیات کی تلاوت کرے گا اس کا شمار غافلین سے نہ ہوگا۔

۲۔ جو شخص ہر رات قرآن مجید کی پچاس آیتیں پڑھتا ہو وہ ذاکرین میں شمار ہوگا۔

۳۔ جو شخص ہر رات کو ایک سو آیات پڑھے گا تو وہ قنوت کرنے والوں میں لکھا جائے گا۔

۴۔ اور جو شخص ہر شب دو سو آیات کی تلاوت کرے وہ خشوع کرنے والوں میں شمار ہوگا۔

۵۔ جو شخص ہر شب تین سو آیات پڑھے وہ کامیاب ہونے والوں میں شمار ہوگا۔

۶۔ جو شخص ہر رات پانچ سو آیات پڑھے وہ مجتہدین یعنی کوشش کرنے والوں میں شمار ہوگا۔

۷۔ اور جو ایک ہزار آیت ہر رات پڑھے اس کے نامۂ اعمال میں ایک قنطار سونے کا درج ہوگا۔ (جو راہِ خدا میں خرچ کیا گیا ہو) ایک قنطار ہزار مثقال کے برابر اور ہر مثقال چوبیس قیراط کے برابر کہ ہر قیراط کم از کم کوہ احد اور زیادہ سے زیادہ زمین کے اور آسمان کے مابین فاصلے کے برابر ہوگا۔

اعجاز قرآن مجید

اس سے پہلے کہ ہم قرآن مجید کو معجزہ ہونا ثابت کریں یہ ضروری ہے کہ پہلے معجزہ کی تعریف کریں کہ معجزہ کہتے کس کو ہیں۔

لفظ معجزہ اعجاز سے مشتق ہے جس کے معنی عاجز کر دینے کے ہیں اصطلاح اور عرف شریعت میں ہر اس خارق عادت امر وہ بات جو قدرتی قاعدے سے بالاتر ہو معجزہ۔ کرامت کو کہا جاتا ہے جو نبی کے ذریعہ ظاہر ہو۔ اس طرح کہ قدرت بشریہ اس جیسی چیز پیش کرنے سے قاصر رہے اور جس کو دیکھتے ہی لوگ کہہ اٹھیں کہ یہ کام مادی طاقت اور انسانی قوت سے بالاتر ہے اور انسان کے اختیار سے باہر ہے اس لئے یہ قدرت خداوندی کا کرشمہ ہے اس لئے ہم معجزے کی تعریف یوں کر سکتے ہیں کہ معجزہ وہ غیر معمولی چیز ہے کہ جو کسی نبی کو دعویٰ نبوت کے ثبوت میں خداوند عالم کی جانب سے عطا ہوا اور جس کے مقابل لانے سے اس کی مخاطب دنیا کی تمام طاقتیں عاجز ہوں۔

دنیا میں بہت سے باکمال ہو گئے ہیں اور اب بھی ہیں جو خارق عادات بہت سی چیزیں لوگوں کو دکھلاتے ہیں جیسے جادوگر، شعبدہ باز، وغیرہ۔ لیکن چونکہ وہ دعویٰ نبوت نہیں کرتے لہٰذا وہ معجزہ نہیں کہلاتا۔ بلکہ ذاتی کمال کہلاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص کوئی کمال دکھائے اور اس کو معجزہ کہے اور لوگوں کو اس کے ذریعہ گمراہ کرے تب خداوند تعالیٰ اس کے دعویٰ کو باطل کر دیتا ہے۔ جیسے مسیلمہ کذاب کے دعوے کو خداوند تعالیٰ نے باطل کیا تھا۔ اس کا مشہور واقعہ ہے کہ جب اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تو لوگوں نے اس سے کہا کہ اگر تم نبی ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ، اس نے کہا کہ بتاؤ کیا کروں؟ لوگوں نے کہا کہ اس کنوئیں کا پانی

میٹھا کر دہ۔ کیونکہ اس کنوئیں کا پانی کھاری ہے۔ چنانچہ اس نے اپنا لعاب دہن اس میں ڈالا۔ لعاب دہن کا ڈالنا تھا کہ وہ کنواں خشک ہو گیا۔ اسی طرح سجاعہ کو خداوند تعالیٰ نے جھٹلایا کیونکہ یہ بھی مدعیٔ نبوت تھی اور اس نے بھی معجزہ دکھانا چاہا تھا۔ ایک کالی عورت کو گوری کرنے کے لئے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو وہ نہایت بدشکل بوڑھی عورت بن گئی تھی اور خداوند تعالیٰ نے اس کے دعویٰ نبوت کو باطل کر دیا۔

معجزہ اور جادُو میں فرق

جادُو اسے کہتے ہیں کہ جس میں کوئی شخص سفلی عمل کرنے کے بعد جادُو میں کمال حاصل کرے اور لوگوں کو اس سے نقصان پہنچائے اور خوف زدہ کرے۔ جب کہ معجزہ لوگوں کو نہ صرف خوف زدہ کرتا ہے اور نہ نقصان پہنچاتا ہے۔ پھر معجزہ پر کسی جادو کا عمل غالب نہیں آسکتا۔ جب کہ معجزہ اس پر غالب آسکتا ہے۔ ایک جادُوگر کے جادُو کا اثر دوسرا جادُوگر ختم کر سکتا ہے لیکن معجزہ کے لئے ایسا نہیں۔ جادُو ریاضت سے آتا ہے لیکن معجزہ نما کے لئے کسی ریاضت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہاتھ سے گرتے ہی سانپ بن جاتا تھا۔ جادُو شیطانی عمل ہے اور معجزہ خداوند تعالیٰ کا عطا کردہ ہوتا ہے۔

معجزہ اور کرامت و کرشمہ میں فرق

ریاضتِ نفس کے بعد اکثر اولیائے کرام سے خدائی کرامتوں و کرشموں کا ظہور ہوتا ہے جو خارق عادت ہوتی ہیں لیکن ان کو معجزہ نہیں کہا جاتا۔ کیونکہ معجزہ کے لئے دعویٰ نبوت کی شرط ہے۔ کرامت و کرشمہ ریاضت نفس کا نتیجہ ہوتا ہے۔ معجزہ نبوت کا ثبوت ہوتا ہے۔

معجزہ اور جادُو و کرامات و کرشمہ میں بہت فرق ہے۔ معجزات دلائل نبوت ہوتے ہیں۔ اس لئے خداوند تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو معجزات دے کر مبعوث فرماتا ہے۔ تاکہ قدرتِ خداوند تعالیٰ کی یہ نشانیاں دیکھ کر لوگوں کی گردنیں انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کے لئے خم ہو جائیں۔

ہر نبی کو اس زمانے اور ماحول کے حساب سے معجزات عطا ہوئے۔ انبیاء بنی اسرائیل کو وہ معجزات دیئے گئے جو محسوس اور مشاہد تھے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ عصا و ید بیضاء۔ عصا زمین پر مارتے تو سانپ بن جاتا۔ سمندر میں مارتے تو بارہ راستے کا پیدا ہو جانا اور پتھروں سے بارہ چشمے کا نکل جانا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ کہ مادر زاد نابیناؤں کی بینائی واپس آجانا۔ کوڑھیوں کو تندرست کرنا۔ مُردوں کو زندہ کرنا۔ پرندوں کی صورت بنا کر انہیں اُڑا دینا۔ اور یہ بتا دینا کہ لوگوں کے گھروں میں کیا ہے اور وہ کل کیا کھائیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے دہکتی ہوئی آگ کا بَرد و سلام ہو جانا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں میں لوہے کا نرم موم ہو جانا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا پرندوں و درندوں سے باتیں کرنا وغیرہ۔ یہ سب معجزات حسّیہ بنی اسرائیل کو عطا کئے گئے۔ کیونکہ ان قوموں میں جہالت و بے وقوفی اور حماقت غالب تھی۔ ان میں بصیرت نام کو نہ تھی۔ اس لئے انھیں ایسے معجزات عطا کئے گئے۔ کہ وہ آنکھوں سے دیکھیں اور کند ذہن سے کند ذہن شخص بھی کسی پس و پیش میں نہ پڑے۔

ان معجزات کے برعکس ہمارے نبی رسالت مآب حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جو معجزات عطا کئے گئے وہ عقلیہ تھے۔ کیونکہ جن لوگوں میں آپ مبعوث ہوئے تھے یا یوں کہیئے کہ اہل عرب جو وحی کے اولین مخاطب تھے وہ عقل و دانائی اور بصیرت میں اور فکر و تدبر میں کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ اور اپنے علاوہ دوسروں کو عجمی یا گونگا کہا کرتے تھے۔ اس لئے ان کو جو معجزے دکھائے گئے وہ معنوی اور روحانی دونوں قسم کے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شریعت قیامت تک کے لئے ہے۔ اور آپؐ کا دین ہمیشہ کے لئے اُتارا گیا ہے۔ اس لئے آپ کو ایسے معجزات عطا کئے گئے جو قیامت تک باقی رہیں گے۔

قرآن مجید نے آپؐ کے معجزات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا ذکر بھی کیا ہے۔ ان معجزات اور دلائل نبوت کو جنہیں انبیاء علیہم السلام پیش کرتے تھے آیات اور بینات کے نام سے پیش کیا ہے۔ مثلاً:

والیٰ ثمود اخاھم صالحا قال یاقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ قد جاءتکم بینۃ من ربکم ھٰذہ ناقۃ اللہ لکم اٰیۃ فذروھا تاکل فی ارض اللہ ولا تمسّوھا بسوٓء فیاخذکم عذاب الیم۔

قبیلۂ ثمود کی طرف ہم نے بھیجا اُن کے بھائی صالحؑ کو انھوں نے کہا اے میری قوم والو! عبادت کرو خدا برحق کی اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ تمہارے رب کی جانب سے "بینہ" آگیا ہے یہ خدا کا خاص (پیدا کردہ) ناقہ ہے جو تمہارے لئے "آیت" (نشانی) ہے اس کو چھوڑے رکھنا کہ یہ خدا کی زمین میں اپنی غذا حاصل کرے اور تم اسے کوئی برائی نہ پہنچانا جس سے تم عذاب دردناک میں مبتلا ہو۔

اس میں ناقۂ صالحؑ کو "بینہ" اور اُسی کو "آیت" کہا گیا ہے۔

ثم بعثنا من بعدھم موسیٰ باٰیٰتنا الیٰ فرعون وملائہ فظلموا بھا فانظر کیف کان عاقبۃ المفسدین وقال موسیٰ یافرعون انی رسول

پھر ہم نے ان انبیاء کے بعد مبعوث کیا موسیٰؑ کو اپنی آیتوں کے ساتھ فرعون اور اس کے گروہ کی طرف مگر ان لوگوں نے آیتوں کے ساتھ ناانصافی کی۔ اب ذرا دیکھو کہ فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہے اور موسیٰ۔

من رب العلمين حقيق على ان لا اقول على الله الا الحق قد جئتكم ببينة من ربكم فارسل معى بنى اسرائيل قال ان كنت جئت باية فأت بها ان كنت من الصادقين فالقى عصاه فاذا هى ثعبان مبين و نزع يده فاذا هى بيضاء للناظرين۔

نے کہا تھا کہ اے فرعون یقیناً میں خداوند عالم کی طرف سے فرستادہ ہوں اور میرے اوپر لازم ہے کہ میں سوائے سچی بات کے خدا کی طرف کسی بات کی نسبت نہ دوں۔ میں تمہاری طرف "بینہ" لے کر تمہارے رب کی طرف سے آیا ہوں۔ تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ روانہ کر دے۔ فرعون نے کہا اگر تم کوئی "آیت" لائے ہو تو اُسے پیش کر دو، اگر سچے ہو، یہ سن کر موسےٰ نے اپنا عصا پھینک دیا جو ایک مرتبہ صاف اژدھے کی شکل میں نمودار ہو گیا اور انھوں نے اپنا ہاتھ نکالا جو تمام دیکھنے والوں کی نظر میں چمکدار اور روشن نظر آیا۔

یہاں عصائے حضرت موسیٰؑ اور یدِ بیضا کو "بینہ" اور "آیت" قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد ساحرانِ فرعون کی آواز نقل کی گئی کہ انھوں نے معجزات کے سامنے اپنی شکست کا اعتراف کرتے ہوئے فرعون سے کہا:

وما تنقم منا الا ان امنا بايات ربنا لما جاءتنا ربنا افرغ صبرا و توفنا مسلمين۔

تو ہم سے کس بات پر ناراض ہوتا ہے سوائے اس کے کہ ہم اپنے پروردگار کی "آیتوں" پر ایمان لائے۔ جب کہ وہ ہمارے سامنے آئیں۔ پروردگارا ہم پر صبر کی افزایش کر دے اور ہمیں ایمان کی حالت میں دُنیا سے اٹھا۔

(اس کے بعد)

وقالوا مهما تأتنا به من اية لتسحرنا بها فما نحن لك بمؤمنين فارسلنا عليهم الطوفان والجراد و القمل والضفادع والدم ايات مفصلات فاستكبروا وكانوا قوما مجرمين۔

ان لوگوں نے کہا کہ جو بھی چاہو تم "آیت" ہمارے سامنے پیش کرو کہ ہم پر اس کے ذریعہ سے جادو کرو۔ ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں تو اس وقت ہم نے ان پر بھیجا طوفان اور ٹڈیوں کا لشکر اور جوئیں اور مینڈک اور خون، کھلی ہوئی آیتیں، مگر انھوں نے ہٹ دھرمی سے کام لیا اور وہ گنہگار لوگ تھے۔

اس میں پہلے جز سے صاف ظاہر ہے کہ "آیت" اس نوعیت کی چیز کو کہا گیا ہے جس میں کفار سحر و جادو کی

صورت پاتے تھے اور آخر آیت میں طوفان۔ جراد۔ قمل۔ ضفادع۔ دم ان مصائب کو جو غیر معمولی حیثیت سے ظہور پذیر ہوئے تھے "آیاتِ مفصّلات" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ثمّ بعثنا من بعدہ رسلا الی قومھم فجآء وھم بالبیّنات فما کانوا لیؤمنوا بما کذبوا بہ من قبل۔

پھر ہم نے بھیجے ان کے بعد کچھ رسول ان کی طرف اور وہ رسول ان کے سامنے لائے "بینات" کو مگر وہ کب ایمان لانے والے تھے اس چیز پر جس کی پہلے تکذیب کر چکے تھے۔

اس میں نوحؑ کے بعد مبعوث ہونے والے رسولوں کے ساتھ ظاہر ہونے والے امور کو اجمالی طور پر "بیّنات" سے تعبیر کرتے ہوئے پھر ارشاد ہوا ہے۔

ثمّ بعثنا من بعدھم موسٰی و ھٰرون الی فرعون وملائہ بآیٰتنا فاستکبروا و کانوا قوما مجرمین فلمّا جآءہم الحق من ربھم قالوا انّ ھٰذا السحر مبین۔ قال موسٰی اتقولون للحق لمّا جآءکم اسحر ھذا و لا یفلح السّاحرون۔ قال فرعون ائتونی بکل ساحر علیم فلمّا جآء السحرۃ قال لھم موسٰی القوا ما انتم ملقون فلمّا القوا قال موسٰی ما جئتم بہ السحر ان اللہ سیبطلہ ان اللہ لا یصلح عمل المفسدین و یحق الحق بکلماتہ ولو کرہ المجرمون۔

پھر ہم نے بھیجا ان کے بعد موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے گروہ کی طرف اپنی "آیتوں" کے ساتھ۔ انھوں نے ہٹ دھرمی کی اور وہ بڑے گنہگار لوگ تھے جب ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے سچی حقیقت پیش ہوئی تو انھوں نے کہا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔ موسیٰ نے کہا تم سچی بات کو جو تمہارے پاس آئی ایسا کہتے ہو۔ کیا یہ جادو ہو سکتا ہے حالانکہ جادوگر کامیاب نہیں ہوتے۔ فرعون نے کہا میرے پاس ہر کامل جادوگر کو بلا کر لاؤ۔ جب سب جادوگر جمع ہوئے تو موسیٰ نے کہا دکھاؤ جو کرتب تم دکھا سکتے ہو۔ جب انھوں نے پھینکا اپنی رسیوں کو تو موسیٰ نے کہا کہ جو تم نے پیش کیا ہے وہ سحر ہے۔ خدا یقیناً اس کو ابھی باطل کر دے گا۔ خدا مفسدہ پردازوں کے کام کو سرسبز نہیں کرتا اور یہ حق بات ہے، اس کو وہ اپنے حکم سے پورا کرتا ہے۔ اگرچہ گنہگار لوگ اس کو برا سمجھیں۔

ان آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس مظاہرۂ قدرت کو جسے "آیت" اور "بیّنہ" کہا گیا ہے دلیلِ نبوت اور معیارِ صداقت کی صورت میں پیش کیا ہے۔

اسی طرح ہمارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو معجزات عطا ہوئے ان کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے۔ اور ان معجزات کا ذکر قرآن مجید میں ۲۸ مقام پر واضح اور صاف الفاظ میں ہے جیساکہ سورۂ بقرہ میں ہے کہ:

"ولقد انزلنا الیك آیات بیّنات وما یکفر بها الّا الفاسقون" o (پ بقرہ)

ترجمہ: یقیناً ہم نے اُتارے ہیں آپ پر روشن معجزات اور نہیں انکار کرسکتے ان کا مگر فاسق لوگ۔

وقال الّذین لا یعلمون لولا یکلمنا الله و تاتینا آیة کذلك قال الّذین من قبلهم مثل قولهم تشابهت قلوبهم قد بینا الایات لقوم یوقنون (پ بقرہ)

ترجمہ: "جو لوگ علم نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کیوں ہم سے خدا بات نہیں کرتا یا کوئی خاص معجزہ کیوں نہیں آتا ایسا ہی کہا تھا ان لوگوں نے جو ان کے پہلے تھے۔ ایسا ہی قول یقیناً ہم نے معجزات ظاہر کئے ان لوگوں کے لئے جو یقین لانے پر آمادہ ہیں۔"

(۵) وما تاتیهم من آیة من آیات ربهم الّا کانوا عنها معرضین (پ انعام)

ان لوگوں کے سامنے جو بھی معجزہ ان کے پروردگار کی طرف سے آتا ہے یہ اس سے رُوگردانی ہی کرتے ہیں۔

(۶) قد نعلم انه لیحزنك الّذی یقولون فانهم لا یکذبونك ولکن الظّالمین بآیات الله یجحدون (پ انعام)

ہمیں معلوم ہے کہ تمہیں ان لوگوں کی باتوں سے رنج ہوتا ہے۔ یہ لوگ تمہاری ذات کو تھوڑی جھٹلاتے ہیں بلکہ وہ ظالم خدا کے معجزوں کا جان بوجھ کر انکار کرتے ہیں۔

(۷) والّذین کذّبوا بآیاتنا صم وبکم فی الظلمات (پ انعام)

جنہوں نے جھٹلایا ہمارے معجزوں کو یہ بہرے ہیں اور گونگے ہیں۔ تاریکی میں مبتلا ہیں۔

(۸) واذا جاءك الّذین یؤمنون بآیاتنا فقل سلام علیکم کتب ربکم علی نفسه الرّحمة" (پ۷ انعام)

جب آئیں تمہارے پاس وہ لوگ جو ہمارے معجزوں پر ایمان لاتے ہیں تو کہو کہ سلامتی تمہارے واسطے ہے۔

(۹) واذا جاءتهم آیة قالوا لن نؤمن حتی نؤتی مثل ما اوتی فضل الله ط الله یعلم حیث یجعل رسالته (پ ۸ انعام)

جب ان کے پاس کوئی معجزہ آتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ویسی ہی باتیں نہ آئیں جو اور پیغمبروں کو ملی تھیں۔ خدا خوب بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنا پیغام کس طرح بھیجے۔

(۱۰) فقد جاءکم بیّنۃ من ربکم و
ھدی و رحمۃ فمن اظلم ممن کذّب
بآیات اللہ و صدف عنھا
(پ ۸ انعام)

(۱۱) واذا بدلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ
واللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت
مفتر بل اکثرھم لا یعلمون
(پ ۱۴ النحل)

(۱۲) ان الذین لا یؤمنون بآیات اللہ
لا یھدیھم اللہ ولھم عذاب
الیم (پ ۱۴ نحل)

(۱۳) ونحشرھم یوم القیامۃ علٰی
وجوھھم عمیا وبکما وصمّا ذٰلک
جزاؤھم بانھم کفروا بآیاتنا (پ ۱۵ بنی اسرائیل)

(۱۴) ومن اظلم ممن ذکر بآیات
ربہ فاعرض عنھا۔
(پ ۱۵ کھف)

(۱۵) افرأیت الذی کفر
بآیاتنا (پ ۱۶ مریم)

(۱۶) وکذلک انزلناہ اٰیات بیّنات و
ان اللہ یھدی من یرید (پ ۱۷ حج)

(۱۷) والذین ھم بآیات ربھم
یؤمنون (پ ۱۸ مومنون)

(۱۸) وانزلنا فیھا اٰیات بیّنات (پ ۱۸ نور)

(۱۹) ولقد انزلنا الیکم اٰیات مبیّنات

یقیناً آیا تمہارے پاس معجزہ تمہارے پروردگار کی
جانب سے اور ہدایت و رحمت، تو پھر کون شخص زیادہ
ظالم ہوگا اس سے کہ جو خدا کی طرف کے معجزات کی تکذیب
کرے اور ان سے رُوگردانی کرے۔

جب ہم کسی ایک معجزہ کے بجائے بدل کر دوسرا معجزہ
بھیج دیتے ہیں اور خدا زیادہ واقف ہے اس چیز کے
متعلق جسے وہ اُتارتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ تم تو اپنے دل سے
گڑھتے ہو۔ بلکہ اکثر ان میں سے علم نہیں رکھتے۔

وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے خدا کے معجزات پر خدا
ان کو جبرًا راہ راست تک نہیں پہنچائے گا۔ اور ان کے
لئے دردناک سزا مقرر ہے۔

ہم ان کو روز قیامت اندھا۔ بہرا محشور کریں گے
یہ ان کا بدلا ہے کہ انھوں نے ہمارے معجزات
کا انکار کیا۔

اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس کو اس کے
پروردگار کی طرف کے معجزات کے ذریعہ سے
یاد دہانی کی گئی مگر اس نے رُوگردانی کی۔

کیا دیکھا تم نے اس شخص کو جس نے انکار کیا ہمارے
معجزات کا۔

ہم نے اس کو اُتارا ہے روشن معجزوں کی حیثیت
سے اور خدا ہدایت کرتا ہے جس کی چاہتا ہے۔

وہ لوگ جو اپنے پروردگار کی طرف کے معجزات
پر ایمان لاتے ہیں۔

اور ہم نے اس میں معجزات اُتارے کہ جو روشن ہیں۔

یقیناً ہم نے تمہاری طرف اُتارے واضح معجزات

ومثلاً من الذين خلوا من قبلكم (پ۱۸ نور)

(۲۰) لقد انزلنا ایات مبینات واللہ یھدی من یشاء الی صراطٍ مستقیم (پ ۱۸ نور)

(۲۱) وقل الحمد للہ سیریکم ایاتہ فتعرفونھا (پ ۲۰ نحل)

(۲۲) واذا رأوا ایۃ یستسخرون وقالوا ان ھذا الا سحر مبین (پ۲۳ صافات)

(۲۳) ویریکم ایاتہ فای ایات اللہ تنکرون (پ ۲۴ مومن)

(۲۴) واذا علم من ایاتنا شیئا اتخذھا ھزوا اولئک لھم عذاب مھین (پ ۲۵ جاثیہ)

(۲۵) واذا تتلی علیھم ایاتنا بینات قال الذین کفروا للحق لما جاءھم ھذا سحر مبین (پ ۲۶ احقاف)

(۲۶) ھوالذی ینزل علی عبدہ ایات بینات (پ۲۷ حدید)

(۲۷) واذ قال عیسی بن مریم یابنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد فلما جاءھم بالبینات قالوا ھذا سحر مبین۔

(پ ۲۸ صف)

(۲۸) وما تفرق الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ما جاءتھم البینۃ (پ ۳۰ بینہ)

اور ویسی ہی باتیں، جو پہلے زمانے والوں کو ملی تھیں۔

ہم نے اتارے ہیں روشن معجزات اور خدا جس کو چاہتا ہے راہ راست کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

کہو الحمد للہ عنقریب ہم تمہیں معجزات دکھائیں گے جنھیں تم پہچانتے ہوگے۔

جب وہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نہیں ہے مگر کھلا ہوا جادو۔

دکھلا رہا ہے وہ اپنے معجزات پس خدا کے کن کن معجزات کا تم انکار کروگے۔

جب ہمارے معجزات میں ان کو کسی کا علم ہوتا ہے تو یہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں ان کے لئے ذلت آمیز سزا ہے۔

جب ان کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں ہمارے روشن معجزات تو جو لوگ انکار کرتے ہیں وہ حق کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ کھلا ہوا جادو ہے۔

وہ اتارتا ہے اپنے بندوں پر روشن معجزات۔

کہا عیسیٰ بن مریم نے کہ اے بنی اسرائیل میں خدا کا رسول ہوں تمہاری جانب تصدیق کرنے والا اس توریت کی جو میرے قبل تھی۔ اور بشارت دینے والا ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہوگا۔ اب جب وہ آیا ان کی طرف معجزات کے ساتھ تو انہوں نے کہا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔

نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے کہ جنہیں کتاب عطا ہوئی ہے مگر بعد اس کے کہ ان کی طرف معجزہ آگیا۔

غرضیکہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کے بارے میں واضح نشانیاں ہیں۔ معجزاتِ عقلیہ کے علاوہ آپؐ کو معجزاتِ حسیہ بھی عطا ہوئے مثلاً ماہتاب کا شق ہونا۔ آفتاب کا پلٹنا۔ سنگریزوں کا تسبیح کرنا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن آپؐ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن پاک ہے جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ بعثت میں اہلِ عرب کو اپنے علم پر بڑا ناز تھا۔ فصاحت و بلاغت میں وہ کمال حاصل تھا کہ اپنے مقابلہ میں تمام دُنیا والوں کو عجم یعنی گونگا سمجھتے تھے۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ اس زمانے میں اقوامِ عالم کے مقابلے میں عرب قوم شجاعت وسیاست وسیاحت اور تجارت کے اعتبار سے مہذب ترین قوم شمار ہوتی تھی۔ لہٰذا اس دور کے مہذب اور متمدن طبقے کو پیغامِ خدا پہنچانے کے لئے ایک ایسے مافوق العادۃ کلام کی ضرورت تھی جو فصحاء و بلغاء کی گردنیں جھکا دے۔ اور وہ اس کلام کے آگے گنگ نظر آئیں۔ پس اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن مجید عطا ہوا۔ تاکہ دستورِ بعثت کے مطابق موجودہ دور کے اعلیٰ مفکرین کو مقصد تبلیغ کے تسلیم کرانے میں زیادہ سے زیادہ مؤثر ثابت ہو۔ لہٰذا یہ کلام بصورت معجزہ نازل ہوا اور قیامت تک تمام آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے ہادی قرار دیا گیا۔ اور اس میں متعدد خارق العادۃ اعجازی پہلو سمو دیئے گئے۔

قرآن مجید کا سب سے بڑا معجزہ تو یہ ہے کہ اس وقت کی قوم کے لئے چیلنج بنا کہ کوئی ہے۔ جو اس کے مقابل لا سکے لیکن وہ اس کے متقابل نہ لا سکے۔

اس زمانہ میں بازار عکاظ میں سالانہ میلہ لگا کرتا تھا جس میں لوگ قصیدے اور تقاریر کیا کرتے تھے اور ان کی زبان میں فصاحت وبلاغت کی وہ چاشنی تھی کہ لوگ ان کا کلام سُن کر مدہوش ہو جاتے تھے۔ ایک ایک شعر فصاحت وبلاغت کا وہ مستحکم قلعہ تھا کہ کوئی اس میں سے ایک اینٹ نہیں ہلا سکتا تھا۔ چنانچہ جو کلام سب سے افضل ہوتا اس کو (سبعہ معلقہ) خانہ کعبہ کی دیوار پر اس دعویٰ کے ساتھ لٹکا دیا تھا کہ ہے کوئی جو اس کا جواب لا سکے۔ جس وقت نزولِ قرآن مجید ہوا اس وقت سات یا آٹھ قصیدے سبعہ معلقہ پر لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ کسی صحابی نے سورہ "انا اعطینٰک الکوثر" لکھ کر دیوار کعبہ سے لگا دی۔ اور اس کاغذ پر نیچے کچھ لکھنے کے لئے جگہ چھوڑ دی۔ ہر سال بڑے بڑے شعراء اس کو پڑھتے اور جواب دینے کی کوشش کرتے پھر قرآن مجید نے بھی ان کو چیلنج کیا کہ اے رسولؐ ان سے کہہ دیجئے کہ دس سورے بنا لائیں پھر اس میں کمی کرتے ہوئے کہا کہ ایک سورہ ہی بنا لاؤ۔ جیسا کہ سورہ بقرہ میں ہے کہ:

"جو کچھ ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے اگر اس کے کلامِ خدا ہونے میں شک ہے تو تمام جن و انس مل کر ایک سورہ ہی بنا لاؤ"

لیکن تمام سہولتوں کے باوجود بھی وہ جواب دینے سے عاجز رہے۔ اور آخر میں کہہ اُٹھے کہ مَا ھٰذَا کَلَامُ الْبَشَر۔

(کہ یہ بشر کا کلام نہیں ہو سکتا)۔

قرآن مجید کو خداوند تعالیٰ نے باعجاز خاص نازل فرمایا اور دلیلِ نبوت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرار دیا۔ اور تمام دُنیا کے لبوں پر مہر سکوت لگی رہی۔ اور کسی کو اس دعویٰ کے خلاف زبان کشائی کی مجال نہیں ہوئی۔ قرآن مجید نے بلند آواز سے اپنی سچائی کا ثبوت اس طرح دیا کہ:

"ام یقولون تقولہ بل لا یؤمنون فلیأتوا بحدیث مثلہ ان کانوا صدقین"

"کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اسے رسولؐ نے اپنے دل سے بنالیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو ایمان لانا نہیں ہے اس لئے ایسی باتیں بناتے ہیں۔ اچھا تو پھر ایسا کلام یہ بھی بنا لائیں اگر یہ سچ کہتے ہیں۔"

اسی طرح ایک جگہ اور قرآن مجید نے عقل والوں کو چیلنج کیا کہ:

"وَاِن کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ اِن کنتم صادقین" ٥

"اے رسولؐ کہہ دیجئے کہ اگر تم کو اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو پھر اس کی مانند ایک سورت بنالاؤ اور اپنے ہم نواؤں کو ملالو اگر تم سچے ہو۔"

اسی طرح ایک جگہ اور ارشاد ہوتا ہے کہ:

"قل لئن اجتمعت الانس والجن ان یأتوا بمثل ھذا القراٰن لا یأتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا۔"

"کہہ دیجئے اے رسول کہ تم کیا ہو؟ اگر تمام انس و جن جمع ہو کر یہ چاہیں کہ اس قرآن کا مثل پیش کریں تو ہرگز اس کا مثل نہ لائیں گے چاہے وہ باہم ایک دوسرے کے پشت پناہ اور معین و مددگار بن گئے ہوں۔"

یہ تمام اعلانات تھے جس کو سُن کر عرب کی گردنیں جھکی رہیں اور ذہنوں میں قفل لگے رہے اور کسی کی طرف سے کوئی آواز نہ آسکی۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ بلکہ یہ قرآن کا اعجاز تھا کہ منکرین بھی اس کے آگے نہ بول سکے۔ غرضیکہ قرآن مجید تاریخی حیثیت سے۔ استدلالی حیثیت سے۔ تشریعی حیثیت سے اور اخلاقی حیثیت سے مکمل اعجاز ہے اور اس میں مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں جو قرآن مجید کو اعجاز ہونے کی دلیل ہیں۔

۱۔ الفاظ و معنی کے نظم و نسق اور مقتضائے حال و مقام کی مطابقت کے اعتبار سے وہ کمال کہ باوجود ببانگ دہل اعلانیہ چیلنج اور تحدی کے کسی کو مقابلہ کی جرأت نہ ہو سکی اور ایک چھوٹے سے چھوٹے سورہ الکوثر کو پڑھ کر مَا ھٰذَا کَلَامُ الْبَشَر کے اعتراف پر مجبور ہو گئے۔

۲۔ سلاستِ کلام اور روانی کے علاوہ مرغوبیت اور حلاوت کا وہ عالم کہ کبھی عارف طبیعتیں۔ تلاوت سے

ملول کا شکوہ نہ کریں۔ بلکہ جس قدر تلاوت میں اضافہ ہو اسی قدر لطف اندوزی میں زیادتی ہو۔ چنانچہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام اپنے والد ماجد سے روایت فرماتے ہیں کہ "حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ قرآن مجید باوجود زیادہ نشر و اشاعت اور درس و تدریس کے زیادہ تازہ ہوتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپؑ نے فرمایا وجہ یہ ہے کہ خداوند کریم نے اس کو صرف ایک زمانہ اور ایک قوم کے لئے تو نہیں بھیجا بلکہ ہر زمانہ اور ہر قوم کے لئے ہے) لہذا ہر زمانہ میں نیا اور ہر قوم کے لئے تازہ ہے اور رہے گا۔"

۳ — بیانِ احکام میں اس قدر استدلال اور غیر متزلزل کہ سیاست دانانِ عالم اور دانایانِ ہر دور تاقیامت اس میں نقص و عیب جوئی کی جرأت نہ کر سکیں۔

۴ — اُمم سابقہ اور قرونِ حالیہ کے وہ مفصل حالات و واقعات اور تاریخی مفید حقائق و معلومات کا خزینہ جس کا واقعیت سے سرِ مُو فرق نہ ہو اور ایسے نبی کی وساطت سے جو علل و اسباب کی ظاہری دنیا میں اُمم سابقہ اور قرونِ ماضیہ کے بقایا افراد خصوصاً ان کے علماء سے مجالست و مصاحبت کا کوئی ربط نہ رکھتا ہو۔ حتیٰ کہ ظاہر بین لوگ اس کو آن پڑھ سے تعبیر کرتے ہوں۔

۵ — معرفتِ خدا کے متعلق وہ ناقابلِ تردید براہین جن کو سُن کر مشرکین کے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور جواب میں دم بخود ہو جائیں۔

۶ — حشر و نشر اور موت و حیات کی وہ جزوی تفصیلات بمع استدلالات کہ فلاسفہ دور سر پکڑ لیں۔

۷ — الفاظ و معنی میں وہ توازن کہ ہر دور کے ماہرین علوم عربیہ میں ایک حرف و حرکت کی اونچ نیچ یا کمی بیشی کا فرق نہ نکال سکیں۔

۸ — لسانیت کے لحاظ سے وہ کمال کہ باوجود بعد میں آنے کے پورے کلام عرب کی اصل و اساس تسلیم کی جائے۔ حتیٰ کہ اہلِ لسان کے نزدیک بھی کلام کی تصحیح کا معیار قرار پائے۔ اور علمائے عربیت کلام عرب کی صحت و خطار کو اسی مقدس کلام سے جانچنے پر مجبور ہوں۔

(انوار النجف حجۃ الاسلام علامہ حسین بخش قبلہ)

جمع و تدوین قرآن مجید:

قرآن مجید تقریباً بیس یا تیئیس برس کے عرصے میں متفرق اوقات میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے۔ مختلف حالات و واقعات کی مناسبت سے آیات اور کبھی مستقل سورے آپؐ پر نازل ہوئے اور آپؐ ان کی تبلیغ فرما دیتے تھے۔ جس قدر قرآن مجید آپ پر نازل ہوتا اس کو لکھنے کا حکم کاتبینِ وحی کو فرما دیتے۔ اور کاتبینِ وحی آپؐ کے حکم سے جو آیت نازل ہوتی اس کو کتابت کر لیتے۔

یہ کتابت مرتب طریقے سے کسی ایک صحیفہ یا مجموعہ میں نہیں ہوتی تھی بلکہ متفرق اوراق، کھجور کی چھالوں، جانوروں کی کھالوں یا پتھر وغیرہ پر ہوتی تھیں۔ کتابانِ وحی کی تعداد روضۃ الاحباب میں ہمیں چالیس ملتی ہے جن میں مشہور اصحاب یہ ہیں:-

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ۔ حضرت علی علیہ السلام۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ وغیرہ۔ ان کاتبانِ وحی کی جو فہرست دی گئی ہے اس میں سے بعض اصحاب تو وہ ہیں جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے۔ ہمارے نقطہ نظر سے کاتبِ وحی کے فرائض عموماً حضرت علی علیہ السلام دیا کرتے تھے کیونکہ آپ ہمہ وقت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔

ابوخالد واسطی روایت کرتے ہیں کہ حضرت زید بن علی سے مروی ہے کہ "حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب فرمایا کرتے تھے کہ عہدِ رسالتؐ میں کبھی میرے سر میں اونگھ یا نیند نے جگہ نہیں لی جب تک کہ میں نے حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس دن میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی لائی ہوئی آیات کے متعلق حلال و حرام، سنت اور امر و نہی اور مقصدِ نزول اور شانِ نزول دریافت نہ کر لیا ہو۔

راوی کہتا ہے کہ باہر جا کر ہم نے معتزلیوں سے ملاقات کے موقع پر اس چیز کو پیش کیا تو انھوں نے اس پر فوراً اعتراض کر دیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کیونکہ بعض اوقات تو وہ دونوں (حضرت رسالت مآبؐ و حضرت علیؑ) ایک دوسرے سے بہت دور ہوا کرتے تھے۔ پس وہ کس طرح جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب باتیں دریافت کر سکتے تھے۔ معتزلیوں کا یہ اعتراض واپس آ کر ہم نے زید سے بیان کیا تو زید نے جواب دیا وہ تاریخیں نوٹ کر لی جاتی تھیں اور پھر جب بھی ملاقات ہوتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاریخ وار آیات سنا دیا کرتے تھے۔ اور ان کے جملہ گوشوں کے متعلق ارشاد فرما دیا کرتے تھے اور اس طریقے سے ملاقات کے روز تک کی پوری ہو جایا کرتی تھی"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں لوگ اُمی (جاہل) تھے۔ آپؐ جاہل قوم میں مبعوث ہوئے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ قریش میں صرف سترہ (۱۷) اشخاص پڑھے لکھے تھے۔ چنانچہ جب آیات قرآنی نازل ہوتی تو آپؐ لوگوں کو سنا دیتے تھے اور اصحابِ رسولؐ اس کو یاد کر لیتے تھے۔ چنانچہ جب تبلیغِ اسلام کے لئے یہ لوگ جاتے تو اپنے حفظ کئے ہوئے سورے پڑھ کر سناتے تھے۔ علامہ ذہبی طبقات القراء میں بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت تھی کہ اس نے پورا قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ حضرات صحابہ میں سات قرار و حفاظ وہ ہیں جن کی سند تمام عالم میں مسلم ہے۔

۱۔ حضرت عثمان بن عفان۔

۲۔ حضرت علی بن ابی طالب۔

۳۔ حضرت ابی بن کعب۔

۴۔ حضرت زید بن ثابت۔

۵ - حضرت عبداللہ بن مسعود۔

۶ - حضرت ابوالدرداء۔

۷ - ابوموسیٰ الاشعری۔

(طبقات القراء الذہبی)

جمع قرآن مجید کے بارے میں مختلف رائے پائی جاتی ہیں۔ حاکم بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید تین مرتبہ جمع ہوا۔ ایک بار تو خود رسول اللہ کے زمانے میں جیساکہ حضرت زید بن ثابت سے سند صحیح کے ساتھ مروی ہے کہ ہم نے نبی کریم کے سامنے قرآن کریم کو جمع کرلیا تھا اور ہم نے لکھ لیا تھا کپڑوں کے ٹکڑوں اور کھجور کی چھالوں وغیرہ پر)۔

دوسری مرتبہ حضرت ابوبکر کے زمانۂ خلافت میں حضرت عمر کے مشورے سے اور تیسری مرتبہ حضرت عثمان کے زمانے میں۔"

جمع قرآن مجید کے متعلق اہل سنت کے علامہ جلال الدین سیوطی نے الاتقان میں مستدرک حاکم سے بروایت زید بن ثابت نقل کیا ہے کہ پہلی بار قرآن مجید عہد رسالت میں جمع ہوا تھا اور بیہقی نے اس کی توجیہہ یہ بیان کی ہے کہ جمع قرآن مجید سے مراد اس روایت میں جمع آیات قرآنیہ ہے۔ یعنی آیات قرآنیہ مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر مختلف حالات و واقعات کے متعلق نازل ہوا کرتی تھیں تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورتوں کی حدود معین فرمائی اور اس کے بعد جب کوئی آیت اُترتی تو آپ فرمادیا کرتے تھے کہ اس کو فلاں سورہ میں شامل کردو۔ اور پھر اس طریقہ سے تمام نازل شدہ آیات کو حضرت رسالتمآبؐ نے خود ہی علیحدہ علیحدہ سورتوں میں جمع فرمادیا تھا لیکن سورتیں سب یکجا نہیں تھیں۔ بعض پتھروں بعض درختوں کے پتّوں پر اور بعض چمڑوں پر تحریر تھیں۔ (جن کو بعد میں جمع کیا گیا۔)

اس کے بعد بروایت بخاری حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ کو جامع اوّل قرار دیا۔ اور زید بن ثابت نے ان کے حکم سے جمع کیا لیکن خوشی اور رضامندی سے نہیں بلکہ جبر و اکراہ سے۔ چنانچہ سیوطی نے یوں تحریر کیا ہے کہ :۔

موطا ابن وہب نے مالک سے اس نے ابن شہاب سے اس نے سالم بن عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر نے قرآن مجید کو کاغذوں میں جمع کیا۔ چنانچہ انھوں نے زید بن ثابت سے اس کی خواہش کی تھی تو اس نے انکار کردیا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے خلاف حضرت عمر سے مدد لی گئی۔

ایسی حدیث کو صحیح بخاری میں زید بن ثابت سے تفصیل سے مذکور ہے کہ :۔

حضرت زید بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ پیغام بھیجا حضرت ابوبکر نے میری طرف (حاضری کے لئے) اہل یمامہ کے ساتھ قتال کے زمانہ میں (جب کہ مسیلمہ کذاب مدعی نبوت کے ساتھ قبیلہ بنو خلیفہ ہوگیا تھا اور بھی کچھ لوگ اس کی پیروی کرنے لگے تو حضرت ابوبکر نے ان لوگوں سے جہاد کے لئے لشکر روانہ فرمایا دوران مقابلہ سات سو قراء و حفاظ قرآن مجید شہید ہوئے) ناگہاں دیکھا کہ حضرت عمر بن الخطاب حضرت ابوبکر کے پاس موجود ہیں۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ (حضرت

عمر میرے پاس آئے ہیں اور انہوں نے کہا کہ بیشک قتل و خونریزی بہت ہی شدید ہو چکی ہے۔ معرکہ یمامہ میں قرآن مجید کے لئے اور میں خوف کرتا ہوں اس بات کا کہ قتل و خونریزی مختلف جگہوں میں اگر (اسی طرح) شدید رہی تو قرآن مجید کے قاریوں اور حافظ قرآن کے لئے تو ضائع ہو جائے گا بہت سا حصہ قرآن مجید کا۔ اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ حکم فرمائیں قرآن کے جمع کرنے کا (اس پر میں نے حضرت عمر سے کہا کیسے کریں ہم وہ چیز جو نہیں کی ہے رسول اللہ نے۔ حضرت عمر نے کہا یہ چیز خدا کی قسم بہتر (ہی) ہے۔ تو حضرت عمر بار بار مجھ سے (یہی) گفتگو کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس کے لئے کھول دیا اور میں نے (بھی) اس بارے میں وہی چیز (بہتر) سمجھی جس کو (حضرت) عمر نے سمجھا تھا۔ حضرت زید بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے مجھ سے فرمایا یقیناً تم نوجوان سمجھ دار شخص ہو۔ ایسے کہ ہم کسی تہمت کے تمہارے دین و تقویٰ میں تم کو متہم نہیں کر سکتے۔ اور بے شک تم کتابت کرتے تھے۔ وحی (قرآن مجید) کی نبی کریم کے لئے۔ اس لئے تم تلاش کرو قرآن کو۔ جہاں جہاں اس کی آیات لکھی ہوئی ملیں اور اس کو جمع و مرتب کرو۔ حضرت زید بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر یہ حضرات مجھ کو مامور کرتے پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کے منتقل کرنے کا (ایک جگہ سے دوسری جگہ) تو وہ مجھ پر زیادہ گراں نہ ہوتا بہ نسبت اس امر کے کہ جس کا مجھے حکم کیا۔ میں نے عرض کیا کیونکر کریں گے آپ اس چیز کو جو رسول اللہ نے نہیں کی۔ حضرت ابو بکر نے کہا (نہیں) وہ خیر (ہی) ہے۔ تو حضرت ابو بکر مجھ سے اس بارے میں بار بار فرماتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا قلب بھی اسی امر کے لئے منشرح کر دیا جس کے لئے حضرت ابو بکر اور عمر کا قلب منشرح کیا تھا۔ پس تلاش کرنا شروع کیا میں نے قرآن کو اور جمع کرتا تھا (آیات قرآنی) کھجور کی چھالوں اور سفید پتھر کے ٹکڑوں (جن پر وہ آیات لکھ لی جاتی تھیں) اور لوگوں (حفاظ صحابہ) کے سینوں سے یہاں تک کہ پایا میں نے سورہ توبہ کی آخری آیات کو ابو خزیمہ انصاری کے پاس سے کہ بجز ان کے وہ آیت مجھ کو کسی کے پاس نہیں ملی ؛

یہ صحیفے لکھے ہوئے حضرت ابو بکر کے پاس رہے اور ان کے بعد حضرت عمر کے پاس پھر اس کے بعد حضرت حفصہ (حضرت عمر کی صاحبزادی) کے پاس رہے۔

اسی ضمن میں سیوطی نے بروایت ابن سیرین یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے یہ فرمایا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی تو میں نے قسم اٹھائی کہ دوش پر سوائے نماز جمعہ کے ردا نہ لوں گا جب تک قرآن مجید کو جمع نہ کر دوں گا۔ پس میں نے قرآن مجید کو جمع کیا "

سیوطی نے ابن ابی داؤد سے بروایت حسن "حضرت عمر کا پہلا جامع قرآن ہونا ذکر کیا ہے "

نیز بروایت ابن بریدہ حضرت ابو حذیفہ کے غلام سالم کے جامع اول ہونے کا تذکرہ بھی کیا ہے "

سیوطی نے ان تمام روایات کو جمع کرنے کے بعد حارث محاسبی کی رائے یوں نقل کی ہے کہ "لوگوں میں مشہور ہے کہ قرآن مجید کا جامع حضرت عثمان ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ انھوں نے تو لوگوں کو صرف ایک قرأت پر متفق ہونے کے

لئے آمادہ کیا۔ جن کو اپنے حاضر دربار مہاجرین و انصار کے مشورہ سے منتخب کیا۔"

چنانچہ صحیح بخاری کے اُردو ترجمہ میں مرزا حیرت دہلوی یوں تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

انس بن مالک سے مروی ہے کہ حذیفہ بن یمان حضرت عثمان کے پاس آئے اور ان دنوں حضرت عثمان اہل شام اور اہل عراق دونوں کو ساتھ ملا کر فتح آرمینیا اور آذربائیجان میں جہاد و جنگ کر رہے تھے۔ اور حضرت حذیفہ بھی ان میں شریک تھے۔ حضرت حذیفہ کو شامیوں اور عراقیوں کی اختلاف قرأت نے گھبرا دیا تو حضرت عثمان سے آکر کہا کہ ان آدمیوں کی خبر لیجئے۔ اس سے پہلے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف نہ کردیں تو حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کے پاس ایک آدمی کو بھیجا کہ قرآن مجید بھیج دو تاکہ اس سے ہم اور نقل کرلیں۔ اور پھر اصل آپ کے پاس واپس بھیج دیں گے۔ حضرت حفصہ نے اس کو ان کے پاس بھیج دیا تاکہ اس سے نقل کریں۔ یہاں اس کی چند نقلیں کی گئیں۔ اور حضرت زید بن ثابت انصاری و عبداللہ بن زبیر و سعید بن العاص و عبدالرحمن بن حارث بن ہشام کو لکھنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمان نے ان تینوں آدمیوں (قریشیوں) سے کہا کہ جہاں تمہارا زید بن ثابت سے اختلاف ہو تو وہاں قریشی زبان میں لکھنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قریشی زبان میں قرآن شریف نازل کیا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور بہت سے قرآن شریف لکھ لئے۔ اور پھر اصل کو حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کے پاس بھیج دیا۔ اور ہر اسلامی شہر میں ایک ایک نقل بھیج دی اور پہلے کے جو قرآنی مسودات تھے ان کو جلا دینے کا حکم فرما دیا۔ (ترجمہ صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۶۷ حدیث ۲۰۸۹)

اس حدیث سے یہ ایک بات واضح ہوجاتی ہے کہ شیعوں پر جو یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ حضرت عثمان کے لئے کہتے ہیں کہ انھوں نے قرآن مجید کے باقی پاروں کو جلا دیا تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ شیعہ نقطۂ نظر سے قرآن مجید میں کوئی کمی نہیں کرسکتا۔ یہ اہل سنت و جماعت کی مستند کتاب صحیح بخاری اور دوسری مستند کتابوں میں روایت ہے جب کہ ہمارے عقائد کے مطابق خداوند تعالیٰ خود اس کا محافظ ہے۔ اور کسی جن و انس کی مجال نہیں کہ وہ اس میں کمی و بیشی کرسکے۔ اس الزام کے جواب میں میں مشہور محدثین کے اقتباسات پیش کرتی ہوں :۔

علامہ شیخ ابن بابویہ نے رسالۂ اعتقادات میں تحریر فرمایا ہے کہ ہمارا اعتقاد قرآن کے متعلق یہ ہے کہ یہ اللہ کا کلام اور اس کی معرفت کا ذریعہ اس کی تنزیل۔ اس کا قول اور اس کی کتاب ہے۔ اس کے پاس آگے پیچھے سے باطل نہیں آسکتا۔ یہ علیم و حکیم کی نازل کردہ کتاب اور تحقیق یہ بیان حق ہے۔ اور بے شک یہ قول فصل ہے۔ مسخری و مزاح نہیں۔ اور تحقیق اللہ تبارک و تعالیٰ اس کا پیدا کرنے والا نازل کرنے والا اور محافظ و نگہبان اور کلام کرنے والا ہے :۔

ہمارا اعتقاد ہے کہ وہ قرآن جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر نازل کیا وہ وہی ہے جو عام لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے کچھ بھی زیادہ نہیں اور اس کی سورتوں کی تعداد لوگوں کے نزدیک ایک سو چودہ (۱۱۴) ہے اور جو لوگ ہماری طرف اس سے زیادہ نسبت دیتے ہیں پس وہ جھوٹے ہیں۔"

علامہ مجلسی رسالۂ اعتقادات میں فرماتے ہیں: "قرآن کی حقیقت پر ہمارے نزدیک ایمان لانا واجب ہے اور اس میں جو کچھ موجود ہے خواہ تفصیل معلوم ہو یا نہ ہو اس پر اور اس کے منزل من اللہ ہونے پر اور اس کے معجز ہونے پر ایمان لانا ہمارے نزدیک واجب ہے۔ اس کا انکار اور توہین ہمارے نزدیک کفر ہے اور اسی طرح ہر وہ کام جس سے قرآن مجید کی توہین لازم آئے مثلاً اس کو بلا ضرورت رقم کمانے کے لئے پیشہ بنانا یا نجس جگہ میں ڈالنا حرام ہے اور کفر ہے۔"

ان اقوال سے ہمارے عقائد سامنے آگئے اور اب کسی مسلمان کو شک نہیں ہونا چاہیئے۔

علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علی نے عہد رسالت میں قرآن مجید جمع کر کے جناب رسولِ خدا کے سامنے پیش بھی کیا تھا، چنانچہ آپ کی حضرت علی کی تعریف میں اصل الفاظ یہ ہیں۔ واحد من جمع القرآن و عرضہ علی رسول اللہ۔ یعنی "علی ایک شخص ہے جس نے قرآن کو جمع کیا اور حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ کے سامنے پیش بھی کیا۔"

ہمارے نزدیک قرآن مجید کے جامع اول حضرت علی علیہ السلام ہیں کیونکہ آپ ابتداہی سے فرمایا کرتے تھے کہ "قیدوا العلم بالکتابہ۔ علمی فوائد کو کتاب کے ذریعہ محفوظ کر لو۔" اور آپ کا یہ عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عین مطابق تھا کیونکہ آپ بھی قیدالعلم کے قائل تھے۔ اور اس کا ثبوت یہ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی عادت تھی کہ آنحضرتؐ سے جو سنتے تھے لکھ لیا کرتے تھے۔ قریش نے ان کو منع کیا کہ آنحضرتؐ کبھی غیظ کی حالت میں ہوتے ہیں اور کبھی خوشی میں اور تم سب کچھ لکھتے جاتے ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے اس بنا پر لکھنا چھوڑ دیا۔ اور آنحضرتؐ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے دہان مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم لکھ لیا کرو۔ اس سے جو کچھ نکلتا ہے حق نکلتا ہے۔ (ابوداؤد جلد دوم ص۷۷)۔

قیدالعلم کے بارے میں خطیب بغدادی نے تقیید العلم میں روایت کی ہے کہ لوگ کثرت سے حضرت انس کے پاس حدیثوں کے سننے کے لئے جمع ہو جاتے تھے تو وہ ایک جنگ نکال لاتے تھے کہ یہ وہ حدیثیں ہیں جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر لکھ لی تھیں۔"

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ اسی طرح متعدد قبائل کو آپؐ نے جو صدقات اور زکوٰۃ وغیرہ کے احکام بھیجے وہ تحریری تھے اور کتب احادیث میں یقیناً منقول ہیں۔ اسی طرح سلاطین کو دعوتِ اسلام کے جو پیغام بھیجے گئے وہ بھی تحریری تھے۔

(علامہ شبلی نعمانی سیرۃ البنی جلد ا ص۱۶)

صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "مجھ سے جو سنو اس کو قلمبند نہ کرو (بجز قرآن کے) اور کسی نے قلمبند کیا ہو تو اس کو مٹا ڈالنا چاہیئے۔"

علامہ شبلی کہتے ہیں کہ "لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابتدائی زمانے کا ارشاد ہے کیونکہ متعدد صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے زمانے میں بعض صحابہ آنحضرتؐ کی اجازت سے آپ کے ارشادات قلم بند کیا کرتے تھے۔" (شبلی نعمانی سیرۃ البنی جلد اول ص۱۵)

صحیح بخاری (باب العلم) میں حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے کہ "صحابہ میں مجھ سے زیادہ کسی کے پاس حدیثیں محفوظ نہیں البتہ عبداللہ بن عمر مستثنےٰ ہیں۔ کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا"

ان تمام احادیث سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کتابت کے قائل تھے اور یہ روایت بالکل درست ہے کہ کچھ صحابہ نے آپؐ کے سامنے ہی قرآن مجید کو ہی تحریر نہیں کیا تھا بلکہ احادیث بھی تحریر کرلی تھیں جن میں حضرت علیؑ اور حضرت عبداللہ بن عمر کا نام سرِ فہرست آتا ہے۔

کتاب رجال میں ذکر ہے کہ صحابہ میں صرف ایک حضرت علی ہی تھے جو کتابت اور تحریر احکام و احادیث کے کھلم کھلا قائل تھے اور فرماتے تھے کہ قیدالعلم بالکتابۃ "علم کو لکھ کر ضائع ہونے سے بچاؤ"

بخاری و مسلم میں ہے کہ "یتمی اپنے والد کی زبانی کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے فرمایا "ہمارے پاس پڑھنے کی کتابوں میں قرآن مجید کے بعد اس صحیفہ کے علاوہ اور کوئی کتاب نہیں۔"

تفسیر برہان میں سلیم بن قیس ہلالی سے مروی ہے کہ "میں نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ جناب رسالتمآبؐ پر کوئی آیت ایسی نہیں اتری جو انھوں نے مجھے پڑھائی لکھائی نہ ہو یا میں نے لکھی نہ ہو۔ مجھے انہوں نے تاویل و تفسیر، ناسخ و منسوخ اور محکم و متشابہ کا علم تعلیم فرمایا اور میرے لئے اللہ سے حفظ و فہم کی دعا طلب کی۔ پس اس کے بعد مجھے کتاب اللہ سے کسی آیت کا جناب رسالتمآبؐ کے تعلیم کردہ علمی مطالب میں سے کسی علمی نکتہ کا کبھی نسیان نہیں ہوا۔ حلال و حرام، امر و نہی، گذشتہ و آئندہ کی باتیں اور گناہ و ثواب کے متعلق کوئی ایسا امر نہیں جو انھوں نے مجھے تعلیم نہ فرمایا ہو۔ اور میں نے بھی ان تعلیم کردہ اشیاء کو اس طرح حفظ کیا ہے کہ ایک حرف تک فراموش نہیں ہوا۔ پھر جناب رسولؐ خدا نے میرے سینہ پر ہاتھ رکھ کر دعا مانگی کہ "خدا میرے سینے کو علم و فہم، حکمت سے اور نور سے ایسا پُر کردے کہ کوئی چیز فراموش نہ ہونے پائے۔ اور غیر مکتوبہ مطالب میں سے کوئی چیز فوت نہ ہونے پائے"۔ میں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! کیا آپ کو میرے متعلق نسیاں کا کوئی خطرہ ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا نہیں، مجھے اپنے پروردگار نے خبر دی ہے کہ اس نے میری دعا تیرے متعلق اور تیرے شرکاء کے متعلق قبول فرمائی ہے۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ "جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں پورے قرآن مجید کا جامع ہوں جس طرح کہ وہ اُترا تھا تو وہ جھوٹا ہے۔ بلکہ جس طرح اُترا تھا اسی طرح پورے طور پر اس کو جمع اور حفظ سوائے علی بن ابی طالب کے اور کوئی کر ہی نہیں سکا۔ اور پھر وہ آئمہ علیہم السلام کے پاس ہے جو ان کے اولیاء رہیں"

جناب ام سلمہ سے روایت ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں آپس میں جُدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پہنچیں گے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ قرآن مجید اور حضرت علیؑ ساتھ ہیں۔

اور پھر اس پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ حجۃ الوداع کے موقع پر مسلمانوں کو آگاہ کر دیا کہ میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک قرآن مجید اور دوسرے میرے اہل بیت۔ اور اپنے اہل بیت سے تم کو خبردار کرتا ہوں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت ہے اور روشنی ہے۔ خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہلبیت ہیں۔ میں اپنے اہلبیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔ آخری جملہ کو آپؐ نے تین دفعہ مکرر فرمایا۔"

یہ حدیث مسند امام احمد، نسائی، ترمذی، طبرانی، طبری، حاکم وغیرہ میں بھی ہے۔

اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علیؑ کو اس بات کا اندیشہ ہوا کہ کہیں قرآن شریف میں کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ کیونکہ حفظ کی ہوئی شے میں غلطی کا احتمال رہتا ہے۔ چنانچہ آپ نے عہد کیا کہ آپ اپنی عبا اپنے دوش پر (سوائے نماز کے) اس وقت تک نہیں ڈالیں گے جب تک قرآن مجید کو ترتیب کے ساتھ جمع نہ فرمالیں چنانچہ ایسا ہی کیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے قرآن مجید کو اسی ترتیب سے مرتب کر دیا۔ جس صورت میں قرآن مجید نازل ہوا تھا یہ سب سے پہلا مصحف تھا جو اسلام میں کتابی صورت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے حکومت کے سامنے پیش کیا۔ لیکن حکومت نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔ اس لئے آپ نے اپنا جمع کردہ مصحف کو اپنے خزانۂ خاص میں محفوظ کر لیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ اب اس کو کوئی نہیں دیکھے گا۔ چنانچہ وہ قرآن مجید آئمہ معصومین علیہم السلام کے پاس محفوظ رہا اور آج بھی حضرت امام مہدی علیہ السلام کے پاس موجود ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حکومت نے حضرت علی علیہ السلام کا ترتیب دیا ہوا قرآن مجید کیوں قبول نہیں کیا؟ تو اس کی واضح وجہ یہ تھی کہ حضرت علی علیہ السلام کا قرآن قرآن مفسر تھا۔ یعنی تفسیر کے ساتھ تھا ترتیب تو یہی تھی جو آج ہے۔ لیکن تفسیر کی وجہ سے اسے حکومت نے منظور نہیں کیا۔

ابو نعیم بطریق حضرت ابوبکر بن عیاش رجال سند کا ذکر کرتے ہوئے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ "انہوں نے فرمایا خدا کی قسم کوئی آیت ایسی نہیں اتری جس کا علم مجھے نہ ہو کہ کس کے بارے میں اتری اور کہاں اتری؟ تحقیق میرے اللہ نے مجھے قلب فہیم اور زبان گویا عطا فرمائی ہے۔"

احتجاج طبرسی میں روایت ہے کہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا کہ "میں نے پیش کیا صحابہ کے سامنے مکمل قرآن مجید جس میں تنزیل اور تاویل بھی موجود تھی۔"

اسی کے متعلق محمد بن سیرین کا قول تھا کہ "اگر وہ کتاب لوگوں کے ہاتھ آجاتی تو ایک بڑا علمی ذخیرہ دستیاب ہوتا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۹۴)۔

علم تفسیر کی جامعیت کے متعلق حضرت علی علیہ السلام کا یہ قول مشہور ہے کہ "اگر میں چاہوں تو ستر اونٹوں کا

بار صرف سورہ محمد کی تفسیر سے بھر دوں "۔

اس روایت کو شیعہ سنی علماء نے ہی نہیں مانا بلکہ فرقۂ خوارج اباضیہ کے عالم شیخ جمیل سعدی اباضی نے بھی اپنی کتاب قاموس الشریعۃ جلد ۳ ب ۱۱ (ص۲۶) میں تسلیم کیا ہے اور قرآن مجید کے جامعیت علوم و معارف اور وسعتِ معانی کا ثبوت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

" دیکھو اس حدیث کو جو علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ اگر میں چاہوں تو ستر اونٹ کا بار تفسیر سورہ محمد سے بھر دوں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی اسکی معرفت اتنی حاصل ہے کہ لکھ سکتے ہیں نہ یہ کہ بالفصل اس کا لکھنا ممکن ہے۔ کیونکہ وقت اور زمانہ اتنی گنجائش نہیں رکھتا اور جب کہ یہ مطلب درست ہوگیا اور حقیقت درست ہی ہے۔ اس لئے کہ علیؑ ابن ابی طالب نے ایسا نہیں کیا۔ جب تک کہ ان کی نظر میں سورہ حمد میں اتنے ہی مطالب نہ تھے جو اس حد تک پہنچ جائیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ خود سورۂ حمد میں اتنے مطالب موجود ہیں کہ ستر اونٹ کا بار لکھا جاسکتا ہے اور ممکن ہے کہ اس میں اس سے زیادہ مطالب ہوں کہ اگر وقت مساعدت کرتا تو آپ اس کے علاوہ اور ستر اونٹوں کا بار لکھ دیتے"۔

غرضیکہ جامع اول قرآن مجید ہم صرف حضرت علی علیہ السلام کو تو مانتے ہیں لیکن اس موجودہ قرآن مجید میں کوئی شک نہیں کرتے۔ اور نہ اس میں کمی کو مانتے ہیں۔ کیونکہ حضرت زید بن ثابت نے بڑی جانفشانی سے اس قرآن مجید کو جمع کیا تھا پھر جب یہ قرآن مجید جمع ہوا تھا اس وقت حضرت علی علیہ السلام موجود تھے۔ لیکن آپ نے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ اور اس کو صحیح مانا۔ اگر اس قرآن مجید میں کچھ کمی ہوتی یا غلطی ہوتی تو حضرت علی السلام کبھی خاموش نہیں رہتے۔ کیونکہ یہ احکام الٰہی کا مسئلہ تھا۔ اپنا ذاتی مسئلہ نہیں تھا۔ آپ کا سکوت اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ صحیح قرآن مجید ہے۔ پھر آپ کے ارشادات بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ نے اس قرآن مجید کی دعوت دی اور اس پر عمل کرنے کی ہدایت کی۔ حضرت علی علیہ السلام کے بعد ائمہ معصومین علیہم السلام نے بھی اسی قرآن مجید پر مسلمانوں کو عمل کرنے کا حکم دیا اور اسی کو نورِ ہدایت کہا۔

نہج البلاغہ میں جو آپ کے ارشادات ہیں وہ اس کے واضح ثبوت ہیں کہ آپ نے صرف سکوت ہی نہیں فرمایا بلکہ اسی قرآن مجید کی اتباع کی دعوت دی اور اسے معاش اور معاد کے تمام معاملات میں حجت خدا بتلایا ہے۔ ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ :۔

" خدا کا خوف کرو اے مردم کتاب خدا کے بارے میں جس کی نگہداری کا وہ تم سے طالب ہوا ہے اور اس کے حقوق کا تمہیں امانت دار بنایا ہے۔ خدا نے تم کو عبث نہیں پیدا کیا۔ اور نہ مہمل و بے کار چھوڑا۔ اور نہ جہالت میں تم کو چھوڑ رکھا۔ اس نے تمہارے حالات کو نامزد کر دیا۔ اور تمہارے اعمال پر نشان کھینچ دیئے۔ اور تمہاری عمروں کو لکھ لیا۔ اور تم پر کتاب نازل کی ہے۔ جو ہر شے کے بیان پر مشتمل ہے۔ اور اس نے تمہارے درمیان اپنے نبی کو ایک زمانہ تک زندہ رکھا۔ یہاں تک کہ اس نے ان کے لئے اور تمہارے لئے اس کتاب میں جو نازل کی ہے اپنے اس دین کو مکمل کر دیا جسے اس نے اپنے لئے پسندیدہ قرار دیا ہے"۔

دوسرے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ :-

"قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرو۔ اس لئے کہ وہ بہترین کلام ہے۔ اور اس کے احکام کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس لئے کہ وہ کشت دل کے لئے بہار ہے۔ اور اس کی روشنی سے اپنی بیماریوں کو دور کرو اس لئے کہ وہ سینوں کے لئے شفا ہے اور اس کی تلاوت کرو کیونکہ وہ بہترین واقعات کا تذکرہ ہے۔"

ایک اور خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ :-

"ہم نے انسانوں کو حکم نہیں بنایا تھا بلکہ قرآن کو حکم بنانے پر راضی ہوئے تھے۔ اور یہ قرآن وہی ہے جو دونوں دفتیوں کے درمیان لکھا ہوا تحریر کی صورت سے موجود ہے۔ وہ زبان سے تو بولتا نہیں۔ اس کے لئے ترجمان کی ضرورت ہے۔ انسان وہ ہوتے ہیں جو اس کی ترجمانی کرتے ہیں اور جب ان لوگوں نے ہم کو دعوت دی کہ ہم قرآن مجید کو حکم قرار دیں تو ہم ایسی جماعت نہیں بنے جو قرآن مجید سے رُوگردانی کرنے والی ہو"

حضرت علی علیہ السلام کے ان خطبات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ آپ نے اس قرآن شریف کو مانا اور مسلمانوں کو اس کی دعوت بھی دی۔

غرضیکہ یہ کلام اللہ ہے اور حق پر مبنی ہے۔ ہمارے لئے ہدایت ہے اور موجودہ قرآن مجید حرف بحرف خدا کا کلام ہے۔ اس پورے قرآن مجید پر ہمارا ایمان ہے۔ اور کوئی شیعہ ایسا نہیں جو موجودہ قرآن کے ایک ایک لفظ پر اور ایک ایک حرف پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ اور اس قرآن مجید کو حضرت عثمان نے باضابطہ طور پر جمع کر کے مسلمانوں کے سامنے پیش کیا ہے اور یہ آپ کا بہت بڑا کارنامہ ہے جس کو کوئی فراموش نہیں کرسکتا۔

قرآن شریف اور کتب سماویہ میں فرق و امتیاز :

خداوند تعالیٰ نے بیشمار انبیاء و مرسلین علیہ السلام کو ہدایت و احکام الٰہی پہنچانے کے لئے دنیا میں مبعوث فرمایا کہ جن کی تعداد تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ ان انبیاء علیہم السلام میں سے کچھ کا ذکر ہمیں قرآن مجید میں ملتا ہے اور زیادہ تر انبیاء علیہم السلام کا ذکر نہیں ملتا۔ ہر نبی کو خداوند تعالیٰ نے کتاب وجودی دی۔ وہ نبی خوشخبری بھی سُناتے اور ڈراتے بھی تھے اور اس کتاب وجودی کے ذریعہ وہ اپنی قوم کے جھگڑوں اور اختلافات کا فیصلہ بھی کیا کرتے تھے۔ لیکن یہ کتب و صحیفے بطور معجزہ نازل نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ خداوند تعالیٰ نے محافظ مقرر کئے تھے۔ اور یہ انبیاء علیہم السلام ان کے مفسر تھے۔

قرآن شریف میں جن کتب سماویہ کا تفصیل سے ذکر ملتا ہے وہ یہ ہیں :- (۱) توریت (۲) انجیل (۳) زبور (۴) قرآن مجید۔

قرآن شریف اور دیگر کتب سماویہ کا موازنہ یا اختلاف کا بیان کرنا اب درست نہیں ہے کیونکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ان کتب میں جواب موجود ہیں۔ (توریت، انجیل، زبور) اپنی اصل حالت میں نہیں ہیں کیونکہ یہودی و نصاریٰ نے ان کتب میں اپنی خواہشات اور ضروریات کے تحت اتنی تبدیلیاں کرلی ہیں کہ ہم اب ان کو کتب سماوی نہیں کہہ سکتے۔ بہرحال قرآن مجید اور دیگر سابقہ کتب میں مندرجہ ذیل فرق ہے۔

۱۔ دیگر سابقہ کتب سماوی (توریت، انجیل، زبور) صرف محدود اور وقتی مقاصد کے لئے نازل کی گئی تھیں۔ ان کتب سابقہ کے برخلاف قرآن شریف تمام انسانوں کے لئے ہمیشہ رہنمائی کرنے والی اور ساتھ دینے والی کتاب ہے۔ قرآن شریف وہ کتاب ہے جو مکمل ہے۔ آخری ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

۲۔ توریت، انجیل، زبور میں نورِ ہدایت کی موجودگی کا اعلان تو ہے لیکن تفصیل کے ساتھ تمام سابقہ حالات اور دوسری کتابوں کا ذکر نہیں ہے۔

ان کتب کے برخلاف قرآن مجید مکمل نورِ ہدایت ہے۔ اور تمام سابقہ حالات اور آنے والے واقعات کا ذکر بھی ہے۔ اس کے علاوہ اس بات کا تذکرہ بھی ہمیں قرآن شریف ہی میں ملتا ہے کہ ان دیگر کتب سماویہ میں نورِ ہدایت کی موجودگی تھی۔ کیونکہ اب تو وہ کتابیں موجود نہیں ہیں۔

۳۔ قرآن مجید نے دنیا اور آخرت کی فلاح کے لئے جو معیارِ انسانیت قائم کیا ہے وہ مکمل ضابطہ اور قابلِ عمل ہے کروڑوں انسان اس معیار کے مطابق زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس کے برعکس سابقہ کتب میں ایسا نہیں۔

۴۔ سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ قرآن شریف کی حفاظت کی ذمہ داری خود خداوند تعالیٰ نے لی ہے۔ قرآن شریف کے برعکس سابقہ کتب کی حفاظت کی ذمہ داری خدا نے نہیں لی تھی۔

۵۔ ان تمام باتوں کے علاوہ دیگر سابقہ کتب کی تحدید بھی اس زور سے نہیں کی گئی جس طرح قرآن شریف کی کی گئی ہے اور قرآن شریف کی یہ صداقت آج تک ہے اور قیامت تک رہے گی۔ قرآن شریف میں ہے کہ:۔

ترجمہ:۔

"کہہ دیجئے اے رسول کہ سب لوگ اور کل جن اس بات کے لئے جمع ہو جائیں کہ اس قرآن مجید کی مانند بنا لائیں یا اس کی ایک آیت کے برابر بنا لائیں تو وہ ہرگز نہیں لا سکیں گے اور اگر وہ دونوں ایک دوسرے کے پشت پناہ بھی بن جائیں۔"

اس سے پتہ چلتا ہے کہ کسی کتاب کی ایسی تحدی نہیں کی گئی جیسی کہ قرآن مجید کی کی گئی ہے۔

قرآن شریف کی خود حفاظت کی ذمہ داری بھی لی پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں کو اس کے احکام اور مطالب سمجھانے کے لئے کچھ مقدس وجود بھی مقرر کر دیئے تاکہ وہ لوگوں کو لاف زنی سے بچاتے رہیں۔ خداوند تعالےٰ

نے اس کے لئے ایسے لوگوں کو منتخب کیا جس کو راسخون فی العلم کہا گیا۔ یعنی ان کے اندر علم نہیں کہ محدود ہو بلکہ وہ علم کے اندر ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے علم کی حد بھی خدا ہی جانتا ہے۔

ان تمام باتوں سے قرآن مجید اور دیگر سابقہ کتب سماویہ میں اچھی طرح فرق سمجھ میں آجاتا ہے۔ ان تمام کتب سماویہ پر نظر کرنے سے قرآن مجید میں مندرجہ ذیل خصوصیات سامنے آتی ہیں۔

۱۔ پہلی خصوصیت یہ ہے کہ زمانہ چاہے کتنی ترقی کرے قرآن مجید کی حیثیت میں فرق نہیں آسکتا۔ ہر زمانہ اور ہر دور کے لئے مکمل ہدایت ہے اور ہدایت رہے گا۔ مسلمان اس پر عمل کرتے رہیں گے۔

۲۔ قرآن مجید پر اس بات کی کوئی پابندی نہیں ہے کہ فلاں شخص کے پاس اس کا نسخہ رہے اور فلاں شخص کے پاس نہ رہے۔ بلکہ قرآن مجید کے نسخہ کو ہر شخص رکھ سکتا ہے اور ہدایت بھی لے سکتا ہے۔ اور یہ اس کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہو سکتا ہے۔

۳۔ تیسری خصوصیت قرآن مجید کی یہ ہے کہ اصل زبان میں ہے اور ہمیشہ اصل زبان میں رہے گا۔ سابقہ کتب متنوں کے ساتھ ساتھ زبان میں بھی تبدیل ہو گئی ہیں۔

۴۔ قرآن شریف کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ یہ کتابی شکل میں موجود ہے۔ رسولِ خداؐ کی وفات کے فوراً بعد اس کو کتابی شکل میں کر لیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ آپؐ کی زندگی میں بھی الگ الگ سورتیں یا آیتیں تحریری صورت میں موجود تھیں۔

۵۔ قرآن مجید کے الفاظ بھی خدا کے ہیں اور معنی بھی خدا کے ہیں۔

۶۔ مسلمانوں کے درمیان بہت سے اختلافات ہیں لیکن اس کے باوجود بھی قرآن شریف میں اصل اختلاف نہیں ہے اور نہ اختلاف ہوگا۔

۷۔ قرآن شریف آخرت تک رہنما رہے گا۔ اور صحت و اعتبار کے لحاظ سے وہ خود ہی اپنا معیار رہے گا۔

قرآن شریف کی یہ وہ خصوصیات ہیں جو دوسری آسمانی کتابوں میں نہیں پائی جاتیں۔ اور یہی خصوصیات قرآن مجید کو دیگر سابقہ کتب سے امتیاز بخشتی ہیں۔ خداوند تعالیٰ کا خود ارشاد ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جو دوسری کتابوں کو جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں ختم کرتی ہے۔

"سُورَةُ النُّورِ"

پارہ قد افلح ۱۸

سورہ نمبر ۲۴

"سُورَۃُ النُّورِ"

یہ سورہ مدنی ہے اور اس میں چونسٹھ (۶۴) آیات ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اپنی ذات کو اپنی عورتوں کو اپنی اولاد کو سورۂ نور کی تلاوت سے پاک دامن بناؤ۔ کیونکہ جو شخص شب و روز اس کی تلاوت کرتا ہے تو وہ مرتے دم تک اپنے خاندان میں برائی نہیں دیکھے گا اور مرنے کے بعد ستّر ہزار فرشتے قبر تک اس کے جنازہ کے ساتھ جائیں گے۔ اور قبر میں پہنچنے تک اس کے لئے دعائے مغفرت کریں گے۔

تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ عورتوں کو بالاخانوں میں جگہ نہ دو اور ان کو لکھنا نہیں سکھاؤ البتہ ان کو چرخا کاتنا سکھاؤ اور سورۂ نور کی تعلیم دو۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ جو اس سورہ کو پڑھے گا تمام مومن مردوں اور عورتوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جائیں گی۔

شانِ نزول۔

تفسیر برہان میں بروایت کلینی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ سورۂ نور، سورۂ نساء کے بعد نازل ہوا کیونکہ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۵ میں بدکار عورتوں کی سزا کا حکم تھا کہ اگر چار گواہ عینی شہادت دے دیں تو ان کو گھروں میں قید کر دو یہاں تک کہ ان پر موت آجائے یا یہ کہ خدا ان کے لئے کوئی اور راستہ مقرر فرمائے۔

اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا۔ پس اس سبیل کو اس سورہ میں بیان کیا گیا ہے کہ بدکار مرد و عورت کو سو سو کوڑے لگائے جائیں۔ علمائے امامیہ کے نزدیک یہ سزا کنوارے جوڑے کے لئے ہے۔ شادی شدہ جوڑے کی سزا رجم (سنگسار) ہے۔

سورة النور مدنية وهي اربع وستون اٰية

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ساتھ نام اللہ مہربان رحم کرنے والا

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍ

سورہ ہم نے نازل کیا اسے اور فرض کیا ہم نے اس کو اور نازل کیں ہم نے اس میں آیتیں

یہ سورت ہے ہم نے نازل کیا اسے اور فرض کیا ہم نے اسکو اور ہم نے نازل کیا اس میں [illegible]

بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ

واضح تاکہ تم تم نصیحت پاؤ زنا کرنے والی اور زنا کرنے والا

واضح نشانیاں تاکہ تم نصیحت پاؤ۔ زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد

فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪

پس مارو ہر ایک ان دونوں میں سے سو کوڑے اور

کو کوڑے مارو ہر ایک کو ان میں سے ایک سو کوڑے اور

وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ

نہیں تم کو پکڑے اس کے ساتھ رحم میں دین اللہ اگر تم ہو تم مومن

تم کو ان پر رحم نہیں آنا چاہیے اللہ کے دین میں اگر تم مومن ہو

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ

اللہ پر اور دن آخرت اور حاضر ہوں عذاب ان دونوں پر ایک گروہ

اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور چاہیے کہ حاضر ہو ان کی سزا کے وقت ایک گروہ

مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً

سے مومنین زنا کرنے والا نہیں وہ نکاح کرے سوائے زنا کرنے والی

مومنوں میں سے۔ زانی مرد نہ نکاح کرے سوائے زانیہ

اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ

یا مشرک اور زانیہ نہیں نکاح کرے اسے سوائے زنا کرنے والا

یا مشرک عورت سے اور زانیہ نہ نکاح کرے اسے سوائے زنا کرنے والا مرد یا

مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ

مشرک اور حرام کیا گیا یہ پر مومنین اور وہ لوگ جو وہ تہمت لگاتے ہیں

مشرک کے اور یہ حرام ہوا ہے ایمان والوں پر۔ اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں

الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ

پاک دامنوں کو پھر نہیں وہ لائے چار گواہ پس مارو ان کو

پاک دامنوں پر پھر نہیں لائے چار گواہ پس مارو ان کو

ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَ

اسی کوڑے اور نہیں قبول کرو ان کے لیے شہادت کبھی اور

اسی کوڑے اور نہ مانو ان کی کوئی گواہی کبھی اور

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ

یہی لوگ وہ فاسق سوائے وہ لوگ جو توبہ کرے

یہی لوگ فاسق (نافرمان) ہیں۔ مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی

بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾ وَ

بعد اس کے اور اصلاح کر لی پس بیشک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا اور

اس کے بعد اور اصلاح کر لی اپنی پس اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے اور

الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ

وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں ان کی بیویوں اور نہیں ہوں ان کے لیے گواہ

وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں اپنی بیویوں پر (زنا کی) اور نہ ہوں ان کے پاس گواہ

إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ

مگر اپنی (جان کی) جانوں پس گواہی ان میں سے ایک چار گواہیاں

سوائے اپنے نفسوں کے پس ایسی کسی کی گواہی یہ ہے کہ چار گواہی دے دیوے

بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٦﴾ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ

اللہ کی بیشک وہ البتہ سے سچے اور پانچویں بیشک

اللہ کے نام کی ساتھ کہ بیشک وہ سچا ہے۔ (نسبت زنا میں) اور پانچویں شہادت یہ ہو

لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٧﴾ وَ

لعنت اللہ اس پر اگر ہو سے جھوٹوں اور

بیشک اللہ کی لعنت ہو اس پر اگر وہ جھوٹا ہو (نسبت زنا میں)۔ اور

يَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ أَن تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ

ہٹائے گی اس سے عذاب کہ شہادت چار گواہیاں

ہٹائے گی عورت سے عذاب (سزا) یہ کہ شہادت دے چار شہادتیں

بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٨﴾ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ

اللہ پر بیشک لیے سے جھوٹوں اور پانچویں بیشک

اللہ کے ساتھ کہ بیشک وہ جھوٹا ہے (نسبت زنا میں) اور پانچویں (شہادت یہ ہو) بیشک

غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِن كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٩﴾

غضب اللہ اس پر اگر ہو سے سچوں

اللہ کا غضب ہو اس پر (مجھ پر) اگر وہ سچا ہو (نسبت زنا میں)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ

اور اگر نہیں فضل اللہ تم پر اور اس کی رحمت اور بے شک

اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت۔ اور بے شک

اللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ

اللہ توبہ قبول کرنے والا حکمت والا بیشک وہ لوگ جو لائے جھوٹ (بہتان)

اللہ توبہ قبول کرنے والا حکمت والا ہے۔ بیشک جن لوگوں نے تہمت لگائی وہ تمہیں میں سے

عُصْبَةٌ مِّنكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ

ایک گروہ تم میں سے نہیں تم گمان کرو اس کا برا تمہارے لیے بلکہ وہ

ایک گروہ ہے نہ خیال کرو اس کو برا اپنے لیے۔ بلکہ وہ

خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ

بہتر تمہارے لئے ہر شخص کے لئے ان میں سے جو کمایا سے

بہتر ہے تمہارے لئے، ہر شخص کے لئے ان میں سے اتنا حصہ ہوگا جو کمایا اس نے

الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ

گناہ اور جو وارث (متولی) بنا بڑا ان میں سے اس کے لئے عذاب

گناہ سے اور وہ (اس نے) بڑا حصہ لیا ہے ان میں سے اس کے لئے بڑا

عَظِيمٌ ﴿۱۱﴾ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ

بڑا اگر نہیں جب سنا تھا اس کو گمان کیا مومنوں (مردوں)

عذاب ہے۔ کیوں نہ جس وقت سنا تھا تم نے . . . [illegible] (نیت کرلی) گمان کیا مومن مردوں نے

وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا

اور مومن (عورتوں) ساتھ اپنے نفسوں کے بہتر اور کہتے یہ

اور مومن عورتوں نے اپنے نفسوں پر اچھائی کا اور کہتے کہ یہ

إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿۱۲﴾ لَّوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ

(بہتان) جھوٹ کھلا ہوا کیوں نہیں لائے اس پر چار گواہ

صاف بہتان ہے کیوں نہیں لائے اس پر چار گواہ

فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ

پس جب نہیں لائے ساتھ گواہ پس یہی لوگ نزدیک اللہ

پس جب گواہ نہیں لائے تو وہ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں

هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ

وہ جھوٹے اور اگر نہیں فضل اللہ تم پر

اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر

وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا

اور اس کی رحمت بیچ دنیا اور آخرت پہنچ لیتا تم کو بیچ جو

اور اس کی رحمت دنیا و آخرت میں تو پہنچ لیتا تم کو اس وجہ سے جس میں

أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۴﴾ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ

تم پڑ گئے اس میں عذاب بڑا جب تم پکڑ لے رہے تھے اس کو

تم پڑے تھے بڑا عذاب ہے۔

بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم

ساتھ زبان اپنی اور تم کہتے تھے اپنے منہ سے جو نہیں تمہارے لئے

جب زبان در زبانی تم نقل کرتے تھے اور اپنے منہ سے بیان کرتے تھے جس کا تم کو کوئی

بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ اللَّهِ

ساتھ اس کے علم اور تم اس کو خیال کرتے آسان اور وہ پاس اللہ

علم نہیں تھا اور تم اسے ایک خیال کرتے تھے معمولی حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک

عَظِيمٌ ﴿١٥﴾ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا

بڑا اور اگر نہیں جب اس کو سنا تھا تم نے کہا نہیں لائق ہمارے لئے

بڑا ہے۔ اور کیوں نہیں جب اس کو سنا تھا تم نے کہا کہ نہیں

أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴿١٦﴾ يَعِظُكُمُ

کہ ہم کلام کریں ساتھ اس کے تو پاک ہے یہ بہتان بڑا وہ نصیحت کرتا ہے

ہمیں پہنچتا کہ ایسی باتیں کریں پاک و پاکیزہ ہے (اے اللہ) یہ زبردست بہتان ہے اللہ تم کو

اللَّهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧﴾

اللہ کہ دوبارہ اس کی مانند کبھی اگر تم ہو مومنین

نصیحت کرتا ہے کہ دوبارہ ایسی بات مت کرنا زندگی بھر اگر تم مومن ہو۔

وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٨﴾ إِنَّ

اور وہ بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے نشانی اللہ جاننے والا حکمت والا بیشک

اور وہ بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے نشانیاں اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ بیشک

الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ

وہ لوگ جو وہ دوست رکھتے ہیں کہ ظاہر ہو جائے بدکاری (بے حیائی) میں وہ لوگ جو

وہ لوگ جو اس بات کو دوست رکھتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں بے حیائی کی باتیں پھیلیں ہو

آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ

ایمان لائے ان کے لئے عذاب دردناک میں دنیا اور آخرت اور اللہ

ان کے لئے عذاب ہے دردناک دنیا میں اور آخرت میں بھی اور اللہ

يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ

وہ جانتا ہے اور تم ہو نہیں تم جانتے اور اگر نہیں فضل اللہ

(اسکو) خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل

عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٠﴾ يٰاَيُّهَا

تم پر اور اس کی رحمت اور بیشک اللہ مہربان رحم کرنے والا اے

اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو وہ تم پر جلد عذاب نازل کرتا) اور بے شک اللہ مہربان بخشنے والا ہے (اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ وَمَنْ

وہ لوگ جو ایمان والے نہیں پیروی کرو قدموں شیطانی اور جو

جو ایمان لائے ہو نہ پیروی کرو شیطان کے نقش قدم کی اور جو

يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ

وہ پیروی کرے گا قدموں شیطان پس بے شک وہ حکم کرتا ہے بے حیائی

اتباع کرے گا نقش قدم شیطان کا تو وہ پس بے شک حکم دیتا ہے بدکاری

وَالْمُنْكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا

اور برائی اور اگر نہیں فضل اللہ تم پر اور اس کی رحمت

اور برائی کا اور اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تم پر اور اس کی رحمت

زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاءُ

پاکیزہ ہوتا تم میں سے کوئی کبھی لیکن اللہ پاک کرتا ہے جو چاہے

تو پاکیزہ ہوتا تم میں سے کوئی کبھی لیکن اللہ پاکیزہ کرتا ہے جسے چاہے

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢١﴾ وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ

اور اللہ سننے والا جاننے والا اور نہیں قسم کھائیں صاحبان فضل کی تم میں سے

اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور تم میں سے مالدار اور صاحب مقدور لوگ یہ قسم

وَالسَّعَةِ أَنْ يُّؤْتُوْا أُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَ

اور وسعت والے کہ وہ دیں صاحب قرابت اور مسکین اور

نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں کو اور مسکینوں اور راہ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو

الْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا

مہاجرین میں راہ اللہ اور معاف کریں اور درگزر کریں

کچھ نہیں دیں گے اور ان کو چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں

أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢﴾

کیا نہیں تم پسند کرتے کہ وہ بخشے اللہ تمہارے اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا

کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہارے گناہ بخش دے اور اللہ بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ

بیشک وہ لوگ جو وہ تہمت لگاتے ہیں پاکدامنوں بے خبر ایمان والیوں کو

بیشک جو لوگ تہمت لگاتے ہیں پاک دامن بے خبر ایمان والیوں پر

لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾

لعنت کیے گئے بیچ دنیا اور آخرت اور ان کے لیے عذاب بڑا

ان پر لعنت کی گئی ہے دنیا اور آخرت اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ

دن گواہی دے گی ان پر ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں

جس دن گواہی دیں گی ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں

بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ

اس سبب سے تھے وہ کرتے۔ اس دن وہ پورا دے گا ان کو اللہ ان کی جزا حق

جو کچھ وہ کرتے تھے۔ اس دن وہ پوری دے گا اللہ ان کو جزا و سزا ٹھیک

وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾ الْخَبِيثَاتُ

اور وہ جان لیں گے بے شک اللہ وہ حق ظاہر ہے۔ خبیث عورتیں

اور جان لیں گے کہ بیشک اللہ ہی حق مبین ہے۔ خبیث عورتیں

لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ

واسطے خبیث مردوں کے اور برے لوگ ناپاک عورتیں اور پاک عورتیں

خبیث مردوں کے لئے اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے۔ اور پاکیزہ عورتیں

لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ

واسطے پاک مردوں کے اور پاک مرد واسطے پاک عورتوں کے یہی لوگ بری پاک ہیں

پاکیزہ مردوں کے لئے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لئے۔ وہ بری ہیں ان (اتہامات)

مِمَّا يَقُولُونَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٢٦﴾ يَا أَيُّهَا

جو کچھ وہ کہتے ہیں ان کے لئے بخشش اور روزی نیک۔ اے

سے جو کہتے ہیں (لوگ) ان کے لئے (آخرت میں) بخشش اور رزق با کرامت ہے۔ اے لوگو

الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ

وہ لوگ جو ایمان لائے نہیں داخل ہو گھروں میں سوائے تمہارے گھر یہاں تک

جو ایمان لائے ہو نہ داخل ہو اپنے گھروں کے سوائے یہاں تک

تستانسوا وتسلموا على اهلها ذلكم

تم اجازت لے لو اور تم سلام کرو وہاں رہنے والے ان کے یہ تمہارا طریقہ

کہ اجازت لے لو اور سلام کرو اس کے اہل پر یہ (طریقہ)

خير لكم لعلكم تذكرون ﴿٢٧﴾ فان لم تجدوا

بہتر تمہارے لئے تاکہ تم نصیحت پاؤ پس اگر نہیں تم پاؤ

بہتر ہے تمہارے لئے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ پس اگر نہ پاؤ اس میں

فيها احدا فلا تدخلوها حتى يؤذن لكم

اس میں کسی کو پس نہیں تم داخل ہو اس میں۔ یہاں تک کہ اجازت دی جائے تمہارے لئے

کسی کو تو اندر نہ جاؤ اس کے یہاں تک کہ تم کو اجازت دی جائے۔

وان قيل لكم ارجعوا فارجعوا هو ازكى

اور اگر کہا جائے تمہارے لئے لوٹ جاؤ پس پلٹ جاؤ وہ پاکیزہ ہے

اور اگر تم کو کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ یہ (طریقہ) بہتر ہے

لكم والله بما تعملون عليم ﴿٢٨﴾ ليس عليكم

تمہارے لئے اور اللہ ساتھ جو تم کرتے ہو جاننے والا۔ نہیں تم پر

تمہارے لئے اور اللہ جاننے والا ہے جو تم کرتے ہو۔ اس بارے میں تم پر کوئی الزام (گناہ)

جناح ان تدخلوا بيوتا غير مسكونة فيها

گناہ کہ تم داخل ہو گھروں بغیر آباد ان میں

نہیں ہے کہ تم ایسے گھروں میں جاؤ جس میں کوئی رہتا نہ ہو اور ان میں

متاع لكم والله يعلم ما تبدون وما تكتمون ﴿٢٩﴾

سامان تمہارے لئے اور اللہ وہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو

تمہاری کچھ چیزیں ہوں اور اللہ اس کو خوب جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو

قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم

کہہ دیجئے واسطے مومنوں بند رکھیں سے اپنی آنکھیں

(اے رسول) مومنوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی آنکھوں کو بند رکھیں اور

ويحفظوا فروجهم ذلك ازكى لهم ان

اور وہ حفاظت کریں اپنی شرمگاہ یہ پاکیزہ ان کے لئے بیشک

اپنی شرمگاہوں کو بچائیں ۔ یہ ان کے لئے بہتر ہے۔ بیشک خدا ان چیزوں سے

اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ

اللہ باخبر ساتھ جو وہ کرتے ہیں اور کہہ دیجئے مومن عورتوں سے

واقف ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں - (اے رسول) کہہ دیجئے مومن عورتوں سے

يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ

وہ نیچی کریں سے اپنی آنکھوں اور وہ بچائیں اپنی شرمگاہوں کو

کہ وہ اپنی آنکھوں کو نیچے رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کو (غیروں کی نظر سے)

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ

اور نہ ظاہر کریں اپنا بناؤ سوائے جو ظاہر ہو اس سے اور چاہیے وہ ڈالیں

بچائیں اور اپنے بناؤ سنگھار کو سوائے اس کے جو خود بخود ظاہر ہو نہ ظاہر کریں

بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ

اپنی اوڑھنیاں پر گریبانوں اپنے اور نہ ظاہر کریں وہ اپنا بناؤ

اور ان کو لازم ہے کہ اپنے سینوں پر دوپٹے ڈالیں اور اپنا بناؤ سنگھار کسی پر ظاہر ہونے نہ دیں۔

اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ

سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپوں یا باپ اپنے شوہروں کے

سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپ دادا کے یا اپنے شوہروں کے باپ دادا کے

اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ

یا اپنے بیٹوں یا بیٹوں اپنے شوہروں کے یا اپنے بھائیوں

یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے

اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ

یا بیٹے اپنے بھائیوں کے یا اولاد اپنی بہنوں کی یا اپنی عورتوں

یا اپنے [illegible] یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی (ہم مذہب) عورتوں

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ

یا مالک جن کے (غلام) اپنی کنیزوں یا ساتھ رہنے والے خدمت گار بغیر

یا اپنے غلاموں کنیزوں کے یا ایسے خدمت گاروں کے جو ہوں کے عورتوں

اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ

حاجت والے (خواہش) سے مردوں اور لڑکوں وہ لوگ جو

کی ضرورت نہ ہو یا ایسے لڑکوں کے جو کبھی عورتوں کے

لم يظهروا على عورت النساء ولا يضربن

نہیں واقف ہوئے اوپر عورت عورتوں کی اور نہیں وہ ماریں

بھیدوں سے واقف نہ ہوئے ہوں ۔ اور عورتیں (چلتے میں) اپنے پاؤں

بارجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن

اپنے پیر کہ جانا جائے جو وہ چھپاتی ہیں سے اپنی زینت

اس طرح سے (زمین پر زور سے) نہ ماریں کہ جو زینت وہ چھپائے ہوئے ہے وہ ظاہر ہو جائے۔

وتوبوا الى الله جميعا ايه المومنون لعلكم

اور توبہ کرو طرف اللہ کی سب اے ایمان والو تاکہ تم

اور (اے مومنو) تم توبہ کرو سب کے سب اللہ سے تاکہ تم

تفلحون ﴿٣١﴾ وانكحوا الايامى منكم والصلحين

تم فلاح پاؤ اور نکاح کرو رانڈ (بے شوہر) تم میں سے اور نیک خصلت

تم فلاح پاؤ اور نکاح کردو رانڈوں کا اپنے اندر جو نیک خصلت ہوں

من عبادكم وامائكم ان يكونوا فقراء يغنهم

سے اپنے غلاموں اور اپنی لونڈیوں اگر وہ ہوں گے فقیر وہ غنی کر دے گا ان کو

تمہارے غلام اور لونڈیاں کا اگر وہ نادار ہوں گے تو (اللہ) ان کو غنی کر دے گا

الله من فضله والله واسع عليم ﴿٣٢﴾ وليستعفف

اللہ سے اپنے فضل اور اللہ وسعت جاننے والا اور وہ بچا کر رکھیں

اللہ اپنے فضل سے اور اللہ وسیع قدرت علم والا ہے۔ اور ایسے لوگوں کو چاہئے

الذين لا يجدون نكاحا حتى يغنيهم الله من

وہ لوگ جو نہیں وہ پاتے نکاح یہاں تک وہ غنی کر دے گا انہیں اللہ سے

جو نہیں کر سکتے نکاح (بوجہ ناداری کے) یہاں تک کہ خدا ان کو غنی کر دے۔

فضله والذين يبتغون الكتب مما ملكت

اپنے فضل اور وہ لوگ جو وہ چاہتے ہیں (طلب کرتے ہیں) مکاتبت مالک ہوتے ہیں

اپنے فضل سے اللہ جو لوگ چاہیں مکاتب ہونا تمہارے غلاموں میں سے ان کو

ايمانكم فكاتبوهم ان علمتم فيهم خيرا و

دست راست پس مکاتب کردو ان کو اگر تم جانو ان میں بہتری (بھلائی) اور

مکاتب بنا لو اگر جانتے ہو ان میں خوبی

وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اٰتٰىكُمْ ۗ وَلَا تُكْرِهُوْا

دو ان کو سے مال اللہ جو دیا تم کو اور نہیں زبردستی کرو
اور دو ان کو اللہ کے مال سے جو اس نے تم کو دیا ہے اور نہ مجبور کرو

فَتَیٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا

اپنی لونڈیوں کو پر بدکاری اگر وہ چاہیں پاک دامنی تاکہ حاصل کرو
اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر اگر وہ چاہیں پاک دامن رہنا تاکہ حاصل کرو

عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَمَنْ یُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ

سامان زندگی دنیا اور جو وہ مجبور کرے گا انہیں پس بے شک
فائدہ دنیاوی زندگی کا اور جو ان کو مجبور کرے تو اللہ ان کی اس مجبوری کے بعد

اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَلَقَدْ

اللہ سے بعد ان سے زبردستی بخشنے والا رحم کرنے والا اور البتہ
اللہ بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔ اور

اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِیْنَ

تحقیق نازل کیا تمہاری طرف نشانیاں واضح اور مثال سے وہ لوگ جو
تحقیق ہم نے اتاریں تمہاری طرف واضح آیات اور مثالیں ان لوگوں کی جو

خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝ اَللّٰهُ

گزرے سے تم سے پہلے اور نصیحت کے لئے پرہیزگاروں اللہ
تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور نصیحت ہے متقیوں کے لئے اللہ

نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ

نور آسمانوں اور زمین مثال اس کا نور مانند روشن دان (طاق)
روشن کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال ایسی روشن دان کی

فِیْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ

اس میں چراغ وہ چراغ میں شیشہ قندیل
کی ہے جس میں زبردست روشن چراغ ہے وہ چراغ ایک شیشے کی قندیل میں ہو

كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ

گویا کہ ستارا چمکنے والا جلایا جاتا ہے سے درخت مبارک زیتون
اور وہ قندیل ایسی ہو جیسے ایک چمکتا ہوا ستارہ اور زیتون کے مبارک درخت کے تیل

لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ

نہیں جانب مشرق اور نہیں جانب مغرب قریب ہے تیل اس کا وہ روشن ہو جائے اور اگر نہیں

ہے روشن ہو جو نہ مشرقی ہو اور نہ مغربی قریب ہے کہ اس کا تیل خود بخود روشن ہو جائے گو

تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ

چھوئے گی اس کو آگ نور پر نور وہ ہدایت دیتا ہے اللہ اس کے نور کی

آگ اس کو نہ چھوئے۔ وہ نور بالائے نور ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے نور

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ

جو چاہے اور وہ بیان کرتا ہے اللہ مثالوں کو لوگوں کے لئے اور اللہ ہر

کی راہ بتلا دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر چیز

شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۙ فِىْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ

چیز جاننے والا۔ میں گھر اجازت اللہ کہ بلند کرے اور ذکر کیا جائے

کا (پورا پورا) جاننے والا ہے۔ ایسے گھروں میں ہے جن کی نسبت خدا نے حکم دیا ہے کہ ان کے بلند کرنے کا اور ذکر

فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ

اس میں اس کا نام وہ تسبیح کرتے ہیں اس کے لئے اس میں صبح کو اور شام کو۔

کیا جاتا ہے ان میں اس کا نام تسبیح کرتے ہیں اس کی ان میں صبح اور شام۔

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ

وہ مرد نہیں (غافل) کرتی ان کو تجارت اور نہیں سودا بازی کہ یاد

ایسے بندے کہ نہیں مشغول کرتی ان کو تجارت اور نہ سودا بازی کہ اللہ کے ذکر سے

اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ

اللہ قائم کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ وہ ڈرتے ہیں

اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے۔ ڈرتے ہیں اس

يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۙ لِيَجْزِيَهُمُ

دن الٹ جائیں گے اس میں دل اور آنکھیں تاکہ بدلہ دے

دن سے کہ بدل جائیں گے اس میں دل اور آنکھیں۔ تاکہ جو کچھ انہوں نے کیا

اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ

اللہ بہتر جو عمل کیا اور زیادہ دے انکو اپنے فضل اور

ہے اللہ اس سے اچھا بدلہ دے انہیں اور اپنے فضل سے ان کے لئے

اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِيْنَ

اللہ وہ رزق دیتا ہے جو چاہتا ہے بغیر حساب ۔ اور وہ لوگ

[illegible] اور بڑھا دے ۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے ۔ اور وہ لوگ

كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ

انکار کرتے ہیں ان کے اعمال سراب کے چٹیل میدان اس کو گمان کرتا ہے پیاسا

جو کافر ہوئے ان کے اعمال مثل سراب کے ہیں جیسے چٹیل میدان میں چمکتا ریت جو کہ پیاسا

مَآءً ۚ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ

پانی یہاں تک کہ جب آیا اس کے نہیں وہ پاتا ہے اس کو چیز اور پاتا ہے

اس کو پانی خیال کر لیتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو کوئی چیز نہیں

اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۗ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٣٩﴾

اللہ اس کے پاس پس پورا دے گا اس کو حساب اس کا اور اللہ جلدی کا حساب ۔

پاتا اور اللہ کو اپنے پاس پاتا ہے تو پھر وہ اس کا پورا حساب کر دیتا ہے اور اللہ جلدی حساب لینے والا ہے۔

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ

یا مثل تاریکیوں کے ہیں سمندر گہرے کے ڈھانپ لیتی ہے اس کو موج سے اس کے اوپر

یا مثل ان تاریکیوں کے ہے جو گہرے سمندر میں ہوں۔ جس میں موج پر موج چڑھی

مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۗ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ

موج سے اس کے اوپر بادل تاریکی اس کا بعض اوپر

ہو اور اوپر بادل چھایا ہوا ہو ایک دوسرے کے اوپر تاریکیاں

بَعْضٍ ۗ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۗ وَمَنْ لَّمْ

بعض جب نکالے اپنا ہاتھ نہیں دیکھ پائے اسکو اور جو نہیں

ہوں جب اپنا ہاتھ نکالے تو نہ دیکھ پائے اور جس کو اللہ

يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿٤٠﴾ اَلَمْ تَرَ

کردیا اللہ اس کے لیے نور پس نہیں اس کے لئے نور ۔ کیا نہیں دیکھا

راہ نجات نہ دے اس کے لئے راہ نجات نہیں ہے ۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو

اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

بیشک اللہ تسبیح کرتا ہے اس کے لئے جو ہیں آسمانوں اور زمین

بیشک اللہ کی تسبیح کرتا ہے ہر وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔

وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ

اور پرندے پر کھولے یقیناً جانتا ہے نماز اور اس کی تسبیح

اور پرندے پر کھول کر یقیناً ہر ایک کی تسبیح و نماز کو اللہ جانتا ہے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٤١﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

اور اللہ جاننا ساتھ جو وہ کرتے ہیں - اور اللہ حکومت آسمانوں

اور اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں - اور اللہ کے لئے ہے حکومت آسمانوں اور

وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿٤٢﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ

اور زمین اور طرف اللہ لوٹنے کی جگہ کیا نہیں دیکھتا ہے بیشک اللہ ہانکتا

زمین کی اور اللہ کی طرف پھر کر جانا ہے - کیا نہیں دیکھتے ہو بیشک اللہ ہانکتا ہے

سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى

بادل پھر جوڑ دیتا ہے ان کے درمیان پھر وہ بناتا ہے اس کو تہ بر تہ پس دیکھے

بادلوں کو پھر جمع کرتا ہے اس کے ٹکڑوں کو پھر ان کو کرتا ہے تہ بر تہ پس دیکھتے ہو

الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ

بارش وہ نکلتی ہے درمیان اس کے اور وہ نازل کرتا ہے سے آسمان

بارش کو نکلتی ہے اس کے اندر سے اور اتارتا ہے آسمان سے

مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ

سے پہاڑ اس میں سے اولے پس پہنچاتا ہے ساتھ اس کے جس کو

پہاڑوں سے اس میں اولے ہیں پس ہلاک کرتا ہے اس کے

يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ

چاہے اور پھیر دیتا ہے اس کو جس کو چاہے قریب ہے چمک روشنی اس کی بجلی

ذریعے جسے چاہے اور پھیر لیتا ہے جس سے چاہتا ہے - قریب ہے کہ بجلی کی چمک

يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿٤٣﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَ

لے جائے بصارت کو - تبدیل کرتا ہے اللہ رات اور

ختم کر دے آنکھوں کی بصارت کو - بدلتا ہے رات اور دن کو

النَّهَارَ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿٤٤﴾

دن بے شک بیچ اس کے عبرت صاحبان بصیرت

بے شک اس میں عبرت ہے صاحبان بصیرت کے لئے -

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ

اور اللہ پیدا کیا ہر جانور سے پانی پس ان میں سے جو چلتے ہیں

اور اللہ نے پیدا کیا ہر رینگنے والی چیز (جانور) کو پانی سے پس بعض ان میں سے

عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ

پیٹ اپنے پر اور ان میں سے جو چلتے ہیں پر دو پاؤں اور ان میں سے

ہے چلتے ہیں پیٹ پر اور بعض ان میں سے چلتے ہیں دو پاؤں پر اور بعض ان میں

مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ اِنَّ

جو چلتے ہیں پر چار وہ پیدا کرتا ہے اللہ جو چاہے بے شک

سے چلتے ہیں چار پر پیدا کرتا ہے اللہ جو چاہتا ہے بیشک اللہ

اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (٤٥) لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ

اللہ پر ہر چیز قادر البتہ ہم نے نازل کیا نشانیاں واضح

ہر چیز پر قادر ہے ۔ تحقیق ہم نے اتاریں نشانیاں واضح

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (٤٦)

اور اللہ وہ ہدایت دیتا ہے جو چاہے طرف راستہ سیدھا

اور اللہ ہدایت کرتا ہے جسے چاہے صراط مستقیم کی طرف ۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ

اور وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر رسول پر اور ہم نے اطاعت کی پھر

اور کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر اور ہم نے اطاعت مان لی

يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ

پھر جاتا ہے ایک گروہ ان میں سے بعد یہ اور نہیں یہی لوگ

پھر روگردانی کرتا ہے ایک فریق ان میں سے اس کے بعد اور ایسے لوگ

بِالْمُؤْمِنِيْنَ (٤٧) وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

ایمان والے ۔ اور جب بلائے جائیں طرف اللہ اور اس کا رسول

مومن نہیں ۔ اور جب بلائے جائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ وہ

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (٤٨)

تاکہ حکم دیں ان کے درمیان جب ایک گروہ ان میں سے منہ موڑ لیتے ہیں

ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ایک گروہ ان میں سے منہ موڑ لیتا ہے ۔

وَإِن يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿٤٩﴾

اور اگر وہ ہوں ان کے لیے حق آتے ہیں اس کی طرف مطیع ہو کر

اور اگر فیصلہ ان کے حق میں ہو تو آتے ہیں مطیع بن کر

أَفِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَمِ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَن

کیا میں ان کے دلوں مرض یا وہ دھوکے میں ہیں یا وہ ڈرتے ہیں کہ

کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا شک ہے وہ ڈرتے ہیں کہ اللہ ان پر

يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ

ظلم کرے گا اللہ ان پر اور اس کا رسول بلکہ یہی لوگ وہ

ظلم کرے گا اور اس کا رسول۔ بلکہ یہی لوگ ظالم

الظَّالِمُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا

ظالموں ہیں بیشک جو قول مومنوں جبکہ

ہیں۔ بیشک ایمان والوں کی بات یہ تھی جب بلائے

دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا

بلائے جائیں طرف اللہ اور اس کا رسول تاکہ حکم دیں ان کے درمیان کہ وہ کہتے ہیں

اللہ اور اس کا رسول تاکہ حکم دیں ان کے درمیان تو وہ کہتے ہیں

سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥١﴾ وَ

ہم نے سنا اور ہم نے مانا اور یہی لوگ وہ فلاح پانے والے۔ اور

ہم نے سنا اور ہم نے مانا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں — اور

مَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ

جو اطاعت کرے اللہ اور اس کے رسول اور ڈرے اللہ اور پرہیزگاری

جو اطاعت کرے اللہ اور اس کے رسول کی اور ڈرے اللہ سے اور تقویٰ

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٥٢﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ

پس یہی لوگ وہ کامیاب ہونے والے۔ اور قسم کھائی اللہ کی

اختیار کرے پس وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی

جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۖ قُل لَّا تُقْسِمُوا

سخت قسمیں اپنی (ایمان کی) (البتہ) اگر حکم کرے انکو ضرور نکلیں گے کہہ دیجئے تم قسمیں نہ کھاؤ

سخت اپنی تاکید کی قسمیں کہ اگر تو حکم کرے تو سب کچھ چھوڑ نکلیں گے۔ (اے رسول) کہہ دیجئے قسمیں

طَاعَةٌ مَّعْرُوفَةٌ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٥٣﴾

فرماں برداری طلب کی گئی بیشک اللہ خبردار ساتھ جو تم عمل کرتے ہو

نہ کھاؤ حکم برداری کی بیشک اللہ خبردار ہے جو تم عمل کرتے ہو

قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا

کہہ دیجئے اطاعت کرو اللہ اور اطاعت کرو رسول کی پس اگر پھر جاؤ گے

(اے رسول) کہہ دیجئے اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی پس اگر پھر جاؤ گے

فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُم مَّا حُمِّلْتُمْ وَ

پس بیشک جو اس پر ہے بوجھ اور تم پر جو اپنا بوجھ اور

تو بے شک اس پر اپنا بوجھ ہے اور تمہارے ذمہ تمہارا بوجھ ہے اور

إِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا

اگر تم اطاعت کرو گے اس کی تم ہدایت پاؤ گے اور نہیں پر رسول سوائے

اگر تم اطاعت کرو گے اس کی تو ہدایت پاؤ گے اور نہیں رسول پر سوائے

الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٥٤﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ

پہنچا دینا کھول کر ۔ وہ لوگ جو ایمان لائے تم میں سے

پہنچا دینے کے کھول کر ۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے ان سے جو ایمان لائے تم میں سے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا

اور عمل کئے نیک خلیفہ کروں گا ان کو میں زمین جیسا کہ

اور عمل کئے نیک ان کو ضرور خلیفہ کروں گا زمین میں جس طرح کہ

اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ

خلیفہ کیا وہ لوگ کے ان سے پہلے اور البتہ ثابت کرے گا ان کے لئے

خلیفہ کیا ان سے پہلے لوگوں کو اور ضرور تمکین کروں گا ان کا

دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ

اس کا دین جو اس کے پسند کیا ان کے لئے اور بدل دے گا ان کو سے بعد

وہ دین جو اس نے پسند کیا ان کے لئے اور ضرور تبدیل کروں گا ان کے

خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي

ان کے خوف امن عبادت کریں گے میری نہیں وہ شریک کریں گے کسی

خوف کے بعد امن وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں

شَيْـًٔا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

ٹھہرائیں گے اور جو کفر کریں گے بعد اس کے پس یہی لوگ وہ فاسق ہیں

بنائیں گے اور جو کفر کریں گے اس کے بعد پس وہی لوگ فاسق ہوں گے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

اور قائم کرو نماز اور دو زکوٰۃ اور اطاعت کرو رسول

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اطاعت کرو رسول کی

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

تاکہ تم پر تم پر رحم کیا جائے نہیں تم خیال کرو وہ لوگ کافر ہوئے

نہ خیال کرو ان کا جو کافر ہیں (کہ وہ)

مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۖ وَلَبِئْسَ

عاجز کرنے والے میں زمین اور ان کی جگہ آگ اور برا

عاجز کرنے والے ہیں زمین میں۔ اور ان کا ٹھکانا (دوزخ) آگ ہے اور وہ بری

الْمَصِيْرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ

بازگشت (پھر جانے کی) اے وہ لوگ جو ایمان لائے تم سے اجازت مانگیں وہ لوگ جو

بازگشت ہے۔ اے ایمان والو تم سے اجازت لینی چاہیے ان لوگوں کو

مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ

مالک تمہارے غلام اور وہ لڑکے جو نہیں حد بلوغ کو پہنچے تم میں سے

جن کے تم مالک ہو (غلام) اور وہ (لڑکے) جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے ہوں تم سے

ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۚ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ

تین (بار) مرتبہ سے پہلے نماز فجر اور جس وقت

تین دفعہ نماز فجر سے پہلے اور جب تم

تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ

تم اتار دیتے ہو اپنے کپڑے سے دوپہر اور سے بعد نماز

تم اتار دیتے ہو کپڑے دوپہر کے وقت اور نماز عشاء کے بعد

الْعِشَآءِ ۗ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ

عشاء تین پردے تمہارے لئے نہیں تم پر اور نہیں ان پر

یہ تین پردے (کے اوقات) ہیں تمہارے لئے نہ تم پر اور نہ ان پر

جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى

گناہ ان کے پیچھے پھرتے رہیں ان پر تمہارے بعض پر

کوئی گناہ ہے ان کے علاوہ پھرتے رہیں بعض تمہارے بعض

بَعْضٍ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٥٨﴾

بعض اسی طرح وہ بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے نشانیاں اور اللہ جاننے والا حکمت والا

پر۔ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے آیتیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا

اور جب بالغ لڑکے تم میں سے پہنچ جائیں پس اجازت لینی چاہیئے

اور جب پہنچ جائیں بچے تمہارے سن بلوغ کو تو وہ (بھی) اجازت لیں

كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

جیسا اجازت مانگتے ہیں وہ لوگ جو کہ ان سے پہلے اس طرح وہ بیان کرتا ہے اللہ

جس طرح اجازت لیتے ہیں وہ جو ان سے پہلے (دوسرے بچے) ہیں اسی طرح بیان کرتا ہے

لَكُمْ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٥٩﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ

تمہارے لئے اپنی نشانیاں اور اللہ جاننے والا حکمت والا اور بیٹھی (بوڑھی عورتیں) سے

اللہ تمہارے لئے آیات کو اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور بیٹھی عورتیں

النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ

عورت جو نہیں وہ امید رکھتیں نکاح پس نہیں ان پر

جو نہیں توقع رکھتیں نکاح کی پس نہیں ان پر کوئی گناہ کہ اتار دیں

جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِيْنَةٍ وَ

گناہ کہ وہ اتار دیں برقعہ سوائے ظاہر کرنے والی زینت کو اور

برقعوں کو نہ ظاہر کرنے والی ہوں زینت کو اور

اَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٦٠﴾

کہ وہ بچیں بہتر ان کے لئے اور اللہ سننے والا جاننے والا

وہ اگر بچیں ان کے لئے بہتر ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ

نہیں پر اندھے کوئی الزام اور نہیں پر لنگڑا حرج

نہیں اندھے پر حرج اور نہ لنگڑے پر حرج ہے۔

وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَلَا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَن تَأْكُلُوا

اور نہیں پر بیمار حرج اور نہیں پر تمہارے نفسوں کہ تم کھاؤ

اور نہ بیمار پر حرج ہے اور نہ تمہارے نفسوں پر کہ کھاؤ

مِن بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ

سے اپنے گھروں یا گھر تمہارے باپوں یا گھر تمہاری ماؤں یا گھر

اپنے گھروں سے یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے

إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ

اپنے بھائیوں یا گھر اپنی بہنوں یا گھر اپنے چچاؤں یا گھر

یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے

عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكْتُم

اپنی پھوپھیوں یا گھر اپنے ماموں یا گھر اپنی خالاؤں یا جو تم مالک ہو

یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا وہ

مَّفَاتِحَهُ أَوْ صَدِيقِكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن

ان کی چابیاں یا تمہارے دوست نہیں تم پر گناہ کہ

جس کی چابیوں کے تم مالک ہو یا تمہارے دوست کے گھر سے نہیں تم پر گناہ کہ مل کر کھاؤ

تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا ۚ فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا

تم کھاؤ مل کر یا الگ الگ پس جب تم داخل ہو گھر میں سلام کرو

یا الگ الگ پس جب داخل ہو گھر میں تو اپنوں پر سلام کرو

عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ۚ

پر اپنے نفسوں دعا سے پاس اللہ بابرکت پاکیزہ

ایک دوسرے پر دعا کے طور سے اللہ کی طرف سے (یہ دعا) بابرکت پاکیزہ ہے۔

كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (٦١) إِنَّمَا

اسی طرح وہ بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے نشانیاں تاکہ تم عقل سے کام لو۔ بے شک جو

اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے آیات تاکہ تم عقل سے کام لو — سوا اس کے

الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا

مومن وہ لوگ جو ایمان والے اللہ پر اور اس کے رسول اور جب ہوں

نہیں مومن وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر۔ اور جب وہ

مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ

اس کے ساتھ پر معاملہ اجتماعی نہیں وہ جاتے۔ یہاں تک وہ اجازت لیتے ہیں اس سے بیشک

کسی ایسے معاملے میں اس کے ساتھ ہوں جس میں سب کا جمع ہونا ضروری ہے تو نہ جائیں جب تک

الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ

وہ لوگ جو وہ اجازت مانگتے آپ سے وہی لوگ وہ لوگ جو وہ ایمان رکھتے ہیں اور

اجازت نہ لے لیں بیشک جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں وہی لوگ ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور

رَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن

اس کے رسول پس جب اجازت لیں آپ سے بعض کے لئے اپنے کام پس اجازت دے جو

اس کے رسول پر۔ پس جب آپ سے اجازت لیں کسی اپنے مطلب (کام) کے لئے تو اجازت دے دیجئے

شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾

چاہے ان میں سے اور بخشش مانگ ان کے لئے اللہ بے شک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا

جسے آپ چاہیں ان میں سے اور ان کے لئے استغفار کیجئے اللہ سے بے شک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے

لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا

نہیں تم بناؤ بلانا رسول آپس میں جیسے بلانا تم میں بعض بعض کو

تم لوگ رسول کا بلانا اپنے درمیان مثل ایک دوسرے کے بلانے کے نہ سمجھو

قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ

تحقیق وہ جانتا ہے اللہ وہ لوگ جو کھسک جاتے ہیں تم میں سے نظر بچا کر پس ڈرنا چاہئے

تحقیق جانتا ہے اللہ ان کو جو کھسک جاتے ہیں تم میں سے نظر بچا کر پس ڈریں

الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ

وہ لوگ جو وہ مخالفت کر آپ کے حکم کے کہ ان کو پہنچے کوئی مصیبت یا

وہ جو مخالفت کرتے ہیں اس کے حکم کی کہ پہنچے ان کو کوئی آزمائش یا

يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

وہ ان کو پہنچے گا عذاب دردناک۔ خبردار بیشک اللہ جو ہیں آسمانوں اور زمین

پہنچے ان کو عذاب دردناک۔ آگاہ ہو جاؤ بیشک اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور

قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُم

تحقیق وہ جانتا ہے جو تم ہو اس پر اور دن پلٹائے جائیں گے اس کی طرف پس خبر دے گا ان کو

زمین میں ہے وہ جانتا ہے جس حالت پر تم ہو اور جس دن پلٹائے جائیں گے اس کی طرف پس ان کو خبر

بِمَا عَمِلُوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٩﴾

ساتھ جو عمل کیا اور اللہ ہر چیز جاننے والا

دے بچے اس کی جو انھوں نے عمل کیا اور اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

"سُورۃُ النُّورِ"

(پارہ قد افلح ۱۸ سورہ نمبر ۲۴)

ترجمہ وتفسیر آیت نمبر ۱ تا ۶۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ آیت نمبر ۱ -

"یہ سورت ہے ہم نے نازل کیا اسے اور فرض کیا ہم نے اس کو اور ہم نے نازل کیا اس میں واضح نشانیاں تاکہ تم نصیحت پاؤ" ①

تفسیر -

سُوْرَۃٌ - یا سور البنا سے ہے جس کے معنی ہیں بلندی یا ایک دار جو دیوار پر رکھا جائے پس قرآن مجید کے ایک ٹکڑے کو سورہ کہنا یا تو اس کی بلندی کے پیش نظر ہے یا اس لئے کہ بنائے قرآن مجید میں اس کو ایک دار کی حیثیت حاصل ہے - (انوار النجف علامہ حسین بخش)

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ یہ ایک سورۃ ہے یعنی یہ ایک ایسی بلندی ہے کہ جس کے اندر رہ کر ہی انسان احکام الٰہی پر عمل پیرا ہو سکتا ہے اور اگر اس سے تجاوز کرنے کی کوشش کرے گا تو یہ سورہ ایک دار کی حیثیت رکھتا ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ یہ سورہ ہم نے نازل کیا ہے اس کے مضامین ومطالب ہم نے مقرر کئے ہیں (مراد احکام سے ہے) اس لئے تم پر فرض ہے کہ ان احکام پر عمل کرو کیونکہ ان احکام پر کھلی ہوئی دلالت کرنے والی آیات ہیں اس لئے ان پر عمل کرنا تم پر فرض ہے اور یہ تمہارے لئے نصیحت ہے - اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ - "اپنی عورتوں کو سورۂ نور کی تعلیم دو"

ترجمہ -

"بدکاری کرنے والی وبدکاری کرنے والے مرد کو کوڑے مارو ہر ایک کو اُن میں سے ایک سو کوڑے اور نہ غلبہ کرے تم پر ان کے لئے نرمی اللہ کے دین میں اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور یوم آخرت پر اور چاہیئے کہ حاضر ہو ان کی سزا کے وقت ایک گروہ مومنوں میں سے" ②

تفسیر -

زنا کے معنی ہیں حرامکاری یا بدکاری - بدکاری ایک بُرا فعل ہے اور یہ ایک ایسی گندی چیز ہے کہ اس کے فروغ سے نسلِ انسانی تباہ وبرباد ہو سکتی ہے اسی لئے اسلام نے اس عمل کو سختی سے روکا ہے - حکم الٰہی کے مطابق جو اس کا مرتکب ہوتا ہے اس کے لئے سخت سزا ہے - قرآن مجید میں بدکار عورت وبدکار مرد کے لئے حد مقرر ہے - ارشادِ ربّانی ہے کہ بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والے مرد جس وقت کہ عورت بے شوہر اور مرد بے زوجہ کے ہو تو اس میں سے ہر ایک کو (یعنی دونوں کو) سو سو کوڑے مارنے چاہئیں اور اس حکم کے بجالانے میں کسی قسم کی نرمی نہیں برتنی چاہیئے مطلب یہ ہے کہ دونوں (بدکار عورت ومرد) پر حد نافذ کرنے میں چشم پوشی نہیں کرنی چاہیئے اور ان کو حد نافذ کئے بغیر

نہیں چھوڑنا چاہیئے بلکہ مومن پر لازم ہے کہ خداوند تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان پر حد جاری کریں کیونکہ خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اگر تم سچے مومن ہو اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو ان پر حد جاری کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں آنی چاہیئے۔ کیونکہ اگر تم نے نرمی برتی تو گویا دائرۂ اسلام ہی سے نکل گئے۔ آیت کے اس حصہ میں واضح طور پر ارشاد ہے کہ اگر اللہ اور رسولؐ پر ایمان کامل ہے تو حد جاری کرتے وقت کسی قسم کی نرمی نہیں کی جائے گی۔

یاد رکھو کہ حد کے نہ جاری کرنے میں خداوند تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور اس کو نافذ کرنے میں خداوند تعالیٰ کی فرماں برداری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حفاظتِ دین کے لئے خدا کے احکام کو قائم کرنا اور حدودِ خداوند تعالیٰ پر عمل کرنا لازم ہے۔

پھر اس کے بعد حکمِ الٰہی یہ ہے کہ حد پر عمل کرتے وقت چاہیئے کہ مومنوں کا ایک گروہ حاضر ہو تاکہ لوگ ان دونوں کے عذاب کو دیکھیں اور بدکاروں کی اور ان کے عمل بد کی تشہیر ہو اور ان کی خوب رُسوائی ہو تاکہ اس سزا کو دیکھنے کے بعد آئندہ کوئی شخص (مومن) بدکاری نہیں کرنے پائے۔

الزَّانِیَۃُ۔

بدکار عورت اور بدکار مرد دونوں کے سّو کوڑے مارنے کا حکم ہے لیکن یہ سّو کوڑے مارنے کا حکم مخصوص ہے۔ یعنی یہ سّو کوڑے اس کو مارے جائیں گے جو عورت شوہر نہ رکھتی ہو اور مرد زوجہ نہ رکھتا ہو۔ شوہر دار عورت اگر بدکاری کرے تو اس کے واسطے سنگسار کرنا اور سّو کوڑے مارنا دونوں امر ہیں اور ایسے ہی اگر مرد زوجہ والا بدکاری کرے تو اس کے واسطے بھی دونوں امر (حکم) ہیں۔

لونڈی پر آدھی حد جاری ہوتی ہے۔ یعنی اس کے پچاس کوڑے مارے جائیں گے اور غلام کو بعض کہتے ہیں کہ پوری حد جاری ہوتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ آدھی مثل لونڈی کے۔

اگر کوئی اپنی سگی عورت سے بدکاری کرے مثلاً ماں، بیٹی اور بہن وغیرہ کے ساتھ جو اس پر حرام ہیں یا ذمی (یعنی یہودی یا نصرانی) مسلمان عورت سے بدکاری کرے یا زبردستی کسی عورت سے بدکاری کرے تو وہ قتل کیا جائے گا۔ خواہ زوجہ رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو، بوڑھا ہو یا جوان ہو، آزاد ہو یا غلام ہو۔ مسلمان ہو یا کافر ہو حد اس پر جاری ہو گی۔

حد اس وقت جاری ہوتی ہے جب بدکرداری کرنا ثابت ہو جائے اور ثابت اس وقت ہوتا ہے جب وہ خود چار بار چار مقام میں اقرار کرے بدکاری کرنے کا حرام عورت سے۔ یا چار مرد گواہی دیں ایک وقت میں بدکاری کرنے کے اور خود دیکھنے کے لیکن شرط یہ ہے کہ گواہی دینے والے عاقل اور بالغ ہوں اور عادل ہوں۔ اگر چار مرد نہ ہوں تو پھر تین مرد اور دو عورتیں ہوں تنہا عورتوں کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ لیکن اگر آٹھ دس عورتیں ہیں تو ان کی گواہی قبول ہو گی یا پھر ایک مرد اور چھ عورتیں ہوں تو ان کی گواہی قبول ہو گی۔ اگر گواہوں کا اتفاق گواہی پر نہیں ہو گا تو اسّی اسّی کوڑے تہمت لگانے والے پر لگائے جائیں گے اور اگر موافق (شرطوں کے مطابق) گواہی دیں گے تو بدکاری کرنے والے کے ننگے بدن پر کوڑے مارے جائیں گے۔ سوائے سر اور ستر کے کوڑے مرد کو کھڑے کر کے مارے جائیں گے اور عورت کو بٹھا کر۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ "کوڑے سخت طور پر لگائے جائیں اور ننگے جسم پر لگائے جائیں"۔ اسی طرح بدکار مرد اور بدکار عورت کو رجم کرنے کے وقت پتھر سختی سے مارنے چاہئیں اور اللہ کی حدود میں کسی حال میں نرمی نہیں کرنی چاہیئے۔ سزا کا حکم بیان کرنے میں بدکار عورت کا پہلے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ عورت کا جرم بدکاری بہ نسبت مرد کے

سنگین تر ہے کیونکہ ایک تو وہ قوم وقبیلہ کے لئے باعثِ ننگ وعار ہوتی ہے اور دوسرے نسلِ انسانی کی حفاظت کی ذمہ داری زیادہ تر عورت پر عائد ہوتی ہے اور وہ اس بارے میں امین کی حیثیت رکھتی ہے۔ پس اس کی خیانت نسلِ انسانی کی تباہی کی موجب ہے۔ اسی لئے سزا میں پہلے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

طائفہ ــــ

طائفہ کی تفسیر میں اختلاف ہے کہ کم از کم کی کیا حد ہے۔ چار، دو، ایک تک کا قول بھی موجود ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ کم از کم ایک آدمی بھی ہو سکتا ہے اور اس کا شاہد قرآن مجید کا یہ فرمان ہے:

وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا

"یعنی مومنوں کے دو گروہ جب لڑیں۔"

یہاں طائفتان سے مراد دو مومن بھی ہو سکتے ہیں۔

ترجمہ:

"بدکار مرد نہ نکاح کرے سوائے بدکار عورت یا مشرکہ عورت سے اور بدکار عورت نہ نکاح کرے اس سے سوائے بدکار مرد یا مشرک کے اور یہ حرام ہوا ہے ایمان والوں پر۔" ③

تفسیر ــ

منقول ہے کہ مکہ میں چند مرد و عورتیں بدکاری و فحاشی میں مشہور تھے۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے ان بدکار عورتوں میں سے ایک کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت چاہی تو یہ آیت نازل ہوئی کہ بدکار مرد بدکار عورتوں سے نکاح کریں اور بدکار عورتیں بدکار مردوں سے نکاح کریں کیونکہ ان سے رشتہ کرنا مومنوں پر حرام ہے۔

آیت مجیدہ میں حرمت کے معنی کراہت پر محمول ہے۔ پس پاکدامن عورت کو بدکار مرد کے نکاح میں دینا یا نیک مرد کا بدکار عورت سے نکاح کرنا مکروہ ہے۔ البتہ توبہ کرنے کے بعد کراہت رفع ہو جاتی ہے۔

آیت مجیدہ میں بدکاروں کو مشرکوں کے درجہ میں رکھا گیا ہے کہ مشرک اور بدکار ایک دوسرے سے رشتہ کر سکتے ہیں گویا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدکاری کی برائی شرک کے برابر ہے۔

تفسیر صافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت مدینہ منورہ میں اتری۔ پس اللہ نے بدکار مرد و عورت کو مومن کا نام نہیں دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "زانی زنا نہیں کر سکتا جبکہ مومن ہو" اسی لئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ بدکاری کرنے والا مرد نکاح کرے بدکاری کرنے والی عورت سے یا شرک کرنے والی عورت سے۔ اور بدکاری کرنے والی عورت نکاح کرے بدکاری کرنے والے مرد سے یا شرک کرنے والے مرد سے۔

خداوند تعالیٰ نے بدکاری کو شرک کے نزدیک کیا ہے۔ اس واسطے کہ بدکاری اکبر الکبائر ہے اور بڑا سخت گناہ ہے۔
علامہ قمی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت ان عورتوں کے مقدمے میں ہے جو کہ مکہ معظمہ میں علانیہ بدکاری کرتی تھیں اور رسول خدا کی ہجوگا یا کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے نکاح کرنا حرام کیا۔ اور اس کے بعد بھی ان کی مثال میں یہ امر جاری رہا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ "اس سے مراد وہ عورتیں اور وہ مرد ہیں۔ جو بدکاری کرنے میں مشہور ہوں اور جو لوگ اب بھی ایسا کرتے ہیں وہ بھی ان کے مثل ہیں اور جس پر حد بدکاری جاری ہوئی ہو اور مشہور بہ زنا ہوں اس سے نکاح کرنا سزاوار نہیں ہے۔ بشرطیکہ انھوں نے توبہ کرلی ہو" حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی اسی طرح کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "تم بدکار مرد اور بدکار عورت سے نکاح نہیں کرو"۔

غرضیکہ اس آیت مجیدہ میں مومنوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ بدکاروں سے نکاح نہیں کریں۔ کیونکہ ایک بدکار میں اور مشرک میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ ایسا فعل بد ہے کہ خداوند تعالیٰ نے شرک کے برابر قرار دیا ہے اسی لئے مومنوں کو ان سے نکاح کرنے کو منع فرمایا ہے۔

ترجمہ ــــ

"اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاکدامنوں پر، پھر نہیں لاتے چار گواہ۔ پس مارو ان کو اسّی کوڑے اور نہ مانو ان کی کوئی گواہی کبھی اور یہی لوگ فاسق (نافرمان) ہیں"۞ مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اس کے بعد اور اصلاح کرلی اپنی پس اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے"۞

تفسیر ــــ

اگر کوئی کسی پاک دامن عورت پر بدکاری کی تہمت لگائے تو اس کو ثبوت کے لئے چار عادل گواہ پیش کرنے ہوں گے جو عینی شہادت دیں ورنہ تہمت لگانے والے کو اسّی کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور گواہ اگر چار سے کم ہوں تو ہر ایک کو اسّی کوڑوں کی سزا ملے گی۔

آیت مجیدہ میں یہ حکم عورت پر تہمت لگانے کا ہے لیکن مرد بھی اس میں شریک ہیں۔ پس اگر کوئی شخص کسی مرد پر بدکاری کی تہمت لگائے تو اس کی سزا بھی اسّی کوڑے ہے۔

مسئلہ ـ

مرد عورت پر تہمت لگائے یا عورت مرد پر تہمت لگائے دونوں صورتوں میں سزا ایک ہے۔

مسئلہ ــــ نابالغ لڑکا یا لڑکی یا دیوانہ کسی پر تہمت لگائے تو اس کو سزا نہیں دی جائے گی۔

مسئلہ۔

تفسیر صافی میں ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا تہمت تین صورتوں سے ہوتی ہے۔

۱۔ ایک شخص دوسرے پر بدکاری کی تہمت لگائے۔

۲۔ کسی کی ماں کو زانیہ کہے۔

۳۔ کسی کو اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کا بیٹا کہہ کر بلائے۔

ان تینوں صورتوں میں تہمت لگانے والے کو اسّی کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر کوئی شخص دوسرے کو بدکار کا بیٹا کہہ کر خطاب کرے۔ اور اس کی ماں زندہ ہو پس وہ اپنے حق کا مطالبہ کرے تو تہمت لگانے والے کو مذکورہ سزا ملے گی اور اگر وہ گھر سے باہر گئی ہوئی ہو تو اس کی واپسی کا انتظار کیا جائے گا۔ پس واپسی پر اگر اس نے حق طلب کیا تو ملزم مذکور کو مذکورہ سزا دی جائے گی اور اگر مر چکی ہو اور اس کی برائی معلوم نہ ہو تب بھی تہمت لگانے والے کو سزا دی جائے گی۔

مسئلہ۔

آپ نے فرمایا اگر ایک شخص ایک جماعت پر تہمت لگائے۔ پس وہ سب کے سب مل کر اس کو پکڑ لائیں تو ایک سزا دی جائے گی۔ لیکن اگر الگ الگ باری باری سے اس کو پیش کریں تو الگ الگ اس کو سزا دی جائے گی۔

مسئلہ۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر چند آدمیوں پر ایک جملہ کہہ کر تہمت لگائے اور نام کسی کا نہ لے تو ایک سزا اس کو ملے گی لیکن اگر الگ الگ نام لے تو الگ الگ سزا ملے گی۔

مسئلہ۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ تہمت لگانے والوں کو کوڑے لگاتے وقت سوائے ردا کے باقی کپڑے نہ اُتارے جائیں گے۔

مسئلہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ زانی کی مار شرابی سے سخت ہونی چاہیئے اور شرابی کی مار تہمت لگانے والے سے سخت ہونی چاہیئے اور تہمت لگانے والے کی مار تعزیر سے سخت ہونی چاہیئے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ تہمت لگانے والے کو کوڑے نہ بہت سخت کر کے مارے جائیں اور نہ نرم بلکہ متوسط انداز سے اس کو سزا دی جائے۔

مسئلہ۔ تہمت لگانے والے پر اسّی کوڑوں کی حد بھی جاری ہو گی اور آئندہ کے لئے اس کی گواہی بھی کبھی

عدالت میں مقبول نہ ہوگی۔ کیونکہ قرآن مجید نے اس کو فاسق کہا ہے۔ اور فاسق کی گواہی مقبول نہیں ہوتی۔ البتہ اگر توبہ کرے تو فسق کا نام تو اس سے ہٹ جائے گا لیکن پھر بھی اس کی گواہی مقبول ہونے میں اختلاف ہے۔ قرآن مجید کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی شہادت مقبول نہیں ہوتی کیونکہ صاف ارشاد ہے کہ ان کی شہادت ابداً قبول نہ کرو البتہ بعد والی آیت مجیدہ میں اس کی توبہ کے مقبول ہونے کا اعلان ہے۔ یعنی اس کے سابق جرم تہمت کو خدا غفور رحیم ہونے کی حیثیت سے بخش دے گا۔ پس وہ فاسق نہ کہلائے گا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ استثنار کا تعلق دونوں باتوں سے ہے۔ یعنی سابق گناہ بھی بخش جائے گا۔ اور آئندہ کے لئے اس کی شہادت بھی مقبول ہوگی۔

تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسی قول کی تائید فرمائی ہے اور توبہ کا مقصد یہ ہے کہ علانیہ اپنی تہمت کو غلط قرار دے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے۔

مسئلہ

اگر کوئی شخص اپنے متعلق بدکاری کی نسبت دے تو جب تک چار مرتبہ نہ کہے گا شہادت قبول نہیں ہوگی۔ (تفسیر صافی)

ترجمہ :۔

"اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں اپنی بیویوں پر (بدکاری کی) اور نہ ہوں ان کے پاس گواہ سوائے اپنے نفسوں کے پس ایسی کسی کی گواہی یہ ہے کہ چار گواہی دے دے اللہ کے نام کے ساتھ کہ بیشک وہ سچا ہے (نسبت بدکاری میں) (۶) اور پانچویں (شہادت یہ ہو) بیشک اللہ کی لعنت ہو اس پر اگر وہ جھوٹا ہو (نسبت زنا میں) (۷) اور ہٹائے گی عورت سے عذاب (سزا) یہ کہ شہادت دے چار شہادتیں اللہ کے ساتھ کہ بیشک وہ جھوٹا ہے (نسبت زنا میں) (۸) اور پانچویں (شہادت یہ ہو) بیشک اللہ کا غضب ہو اس پر (مجھ پر) اگر وہ سچا ہو (نسبت زنا میں) (۹) اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت اور بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا حکمت والا ہے" (۱۰)

تفسیر

صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس شخص کے متعلق ہے جو اپنی بیوی پر بدکاری کی تہمت لگائے۔ پس اگر قذف (تہمت) کے بعد اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرلے تو اس کو قذف (تہمت) کی سزا دی جائے گی۔ لیکن عورت اس پر حرام نہ ہوگی اور اگر اپنے قول پر ڈٹا رہے تو اس سے چار دفعہ شہادت لی جائے گی اور وہ اس طرح کہے گا۔

أَشْهَدُ بِاللّٰهِ إِنِّي لَمِنَ الصَّادِقِينَ فِيمَا رَمَيْتُهَا بِهٖ اور پانچویں دفعہ بصورت جھوٹ اپنے

اوپر لعنت کرے گا اور یہ کہے گا۔

اِنَّ لَعْنَۃَ اللّٰہِ عَلَیَّ اِنْ کُنْتُ مِنَ الْکَاذِبِیْنَ فِیْمَا رَمَیْتُھَا بِہٖ۔

پس مرد حد قذف سے بچ جائے گا اور عورت پر رجم ثابت ہو گا۔ اگر وہ اپنے اوپر عذاب (سزا) کو ہٹانا چاہے تو چار دفعہ شہادت دے گی کہ اَشْھَدُ بِاللّٰہِ اِنَّہٗ لَمِنَ الْکَاذِبِیْنَ فِیْمَا رَمَانِیْ بِہٖ۔

اور پانچویں دفعہ کہے گا۔

اِنَّ غَضَبَ اللّٰہِ عَلَیَّ اِنْ کَانَ مِنَ الصَّادِقِیْنَ۔

پس عورت ایسا نہ کرے تو اس پر رجم کی سزا آئے گی اور اگر کرلے تو رجم کی سزا سے بچ جائے گی لیکن مرد پر حرام موبد ہو جائے گا۔ راوی نے پوچھا اگر بچہ پیدا ہو جائے تو کس کے ہاں جائے گا۔ آپ نے فرمایا وہ ماں کو ملے گا اور وہ مرجائے تو ماں اس کی وارث ہو گی اور ماں نہ ہو تو ماں کے قریبی (ننھال) اس کے وارث ہوں گے اور اگر اس بچے کو ولدالزنا کہے گا تو اس پر قذف (تہمت) کی سزا آئے گی۔ راوی نے پوچھا۔ اس کے بعد اگر باپ اقرار کرے تو بیٹا اس کو مل جائے گا۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ البتہ اس کے اقرار کا یہ اثر ہو گا کہ بیٹا اس کی جائداد کا وارث ہو سکے گا لیکن بیٹے کے مرنے پر یہ اس کا وارث نہ ہو گا۔"

تفسیر قمی میں ہے کہ آیت لعان کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس کا سبب نزول یہ ہوا کہ جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جنگ تبوک سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو عُوَیْمِرْ بن سَاعِدَہ عجلانی انصاری حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہؐ! میری زوجہ سے شریک بن سحمار نے فعل بد کیا ہے اور وہ اسی سے حاملہ بھی ہو گئی ہے۔ یہ سُنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کی طرف سے رُوئے انور پھیر لیا۔ اس نے دوبارہ وہی مضمون عرض کیا۔ آپؐ نے پھر روئے مبارک پھیر لیا۔ یہاں تک کہ چار مرتبہ اس نے یہی واقعہ بیان کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلمؐ اٹھ کر بیت الشرف میں چلے گئے۔ اس وقت آیۂ لعان نازل ہوئی تب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم برآمد ہوئے اور اصحاب کے ہمراہ نماز عصر ادا کر کے عُوَیْمِرْ سے ارشاد فرمایا کہ تو اپنی زوجہ کو لے کر آ کہ تم دونوں کے مقدمہ میں حکم خدا آگیا ہے۔ پس وہ اپنی زوجہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ چل تجھے رسول اللہؐ نے طلب فرمایا ہے۔ چونکہ وہ عورت بڑے خاندان کی تھی اس لئے اس کے ساتھ اس کی قوم کی ایک جماعت بھی آئی۔ جب وہ عورت مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں حاضر ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اے عُوَیْمِرْ منبر پر جا کر لعان کر۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! کیوں کر لعان کروں؟ آپ نے فرمایا یوں کہہ۔ اَشْھَدُ بِاللّٰہِ اِنِّیْ لَمِنَ الصَّادِقِیْنَ فِیْمَا رَمَیْتُھَا بِہٖ (میں خدا کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے جس امر کو اس عورت کی طرف منسوب کیا ہے میں اس میں سچا ہوں۔) عُوَیْمِرْ آگے بڑھے اور اسی طرح کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

نے فرمایا اسی طرح پھر کہہ۔ آپ نے دوبارہ وہی الفاظ کہے۔ یہاں تک کہ پورے چار دفعہ ان سے وہی کلمات کہلوائے۔ پھر آپؐ نے فرمایا اب پانچویں بار یہ کہہ کر گواہی دے۔ اِنَّ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَیَّ اِنْ کُنْتُ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ فِیْمَا رَمَیْتُهَا بِهٖ۔ (میں اگر اس امر میں جو میں نے اس عورت کی طرف منسوب کیا ہے جھوٹا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو) اس نے پانچویں دفعہ اسی طرح کہہ دیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا اے عُوَیمرؓ! اگر تم نے جھوٹ بولا ہے تو تجھ پر لعنت ضرور ہوگی۔ پھر فرمایا اے عُوَیمرؓ اب تو یہاں سے ہٹ جا! جب وہ ہٹ گئے تو آپؐ نے ان کی زوجہ سے فرمایا کہ آیا تو بھی اسی طرح گواہی دے گی جس طرح تیرے شوہر نے گواہی دی ہے۔ بصورت دیگر میں تجھ پر خدا کی مقرر کی ہوئی حد جاری کروں گا۔ اس عورت نے اپنی قوم کی طرف دیکھ کے کہا کہ میں تو (حد جاری کرا کے) اس شام کے وقت ان کے چہروں پر کلنک کا ٹیکہ نہ لگاؤں گی۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھی اور منبر پر چڑھ گئی اور یہ کہا:-

اَشْهَدُ بِاللّٰهِ اِنَّ عُوَیْمَرَ بْنَ سَاعِدَةَ لَمِنَ الْکٰذِبِیْنَ فِیْمَا رَمَانِیْ بِهٖ (میں خدا کی قسم کھا کر گواہی دیتی ہوں کہ عُوَیمرؓ بن ساعدہؓ نے جو الزام مجھ پر لگایا ہے اس میں وہ جھوٹا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا اعادہ کر۔ اس عورت نے اس کا اعادہ کیا۔ یہاں تک کہ چار مرتبہ دُہرایا۔ پھر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عورت پانچویں مرتبہ یوں کہہ کہ اِنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَیَّ اِنْ کَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ فِیْمَا رَمَانِیْ بِهٖ۔ (اگر اس کا الزام لگانا سچا ہو تو خدا اپنا غضب مجھ پر نازل کرے) چنانچہ اس عورت نے پانچویں دفعہ یہ کہا۔ آپؐ نے فرمایا وائے ہو تجھ پر ضرور تیرے اوپر خدا غضب ناک ہوگا۔ (اگر تو جھوٹی ہوگی) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عُوَیمرؓ سے فرمایا جا اب یہ عورت تجھ پر کبھی حلال نہ ہوگی۔ عُوَیمرؓ نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! جو مال اپنا میں اس کو دے چکا ہوں اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو نے ہی جھوٹ بولا ہے تو اس جھوٹ کے سبب وہ تجھے نہیں مل سکتا۔ اور اگر تو نے سچ کہا ہے تو وہ اس کے مہر میں محسوب ہو جائے گا۔ پھر جناب رسولؐ خدا نے فرمایا اگر اس عورت کا بچہ دُبلی پنڈلیوں والا اور چھوٹی آنکھوں والا اور حبشیوں کے سے بل کھائے ہوئے بالوں والا پیدا ہو تو وہ تیرا نہیں ہوگا۔ اور اگر بڑی بڑی آنکھوں والا اور بھورے بالوں والا پیدا ہوا تو وہ اپنے باپ (عُوَیمرؓ) کا ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے جب لڑکا پیدا ہوا تو اس میں وہی علامتیں موجود تھیں جو آپؐ (غلط بچے کے لئے) نے بیان فرمائی تھیں۔ پھر یہ بھی آپؐ نے فرمایا کہ یہ عورت اپنے شوہر پر حلال نہ ہوگی اور نہ شوہر اس بچے کی میراث پائے گا۔ بلکہ ماں اس کی وارث ہوگی اور اگر ماں زندہ نہ رہے تو اس بچے کی میراث اس کے ماموں اور خالائیں لے لیں گی۔ اور اگر (شوہر کے سوا) کوئی دوسرا شخص کسی عورت کو بدکاری کی نسبت دے گا تو اس پر جھوٹا الزام لگانے والے کی حد جاری کی جائے گی۔

کتاب الحولی میں روایت کی گئی ہے کہ ہلال بن امیہ نے اپنی زوجہ پر یہ الزام لگایا کہ وہ شریک بن سمحا سے

تعلقات رکھتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ثبوت پیش کرو۔ ورنہ تجھ پر حد لگائی جائے گی۔ اس نے عرض کی یا رسولؐ اللہ! ہم میں سے کوئی شخص اپنی زوجہ کے پاس کسی غیر مرد کو پائے پھر اسی سے ثبوت طلب کیا جائے۔ (کیا اچھا انصاف ہے؟) مگر آپؐ یہی فرماتے رہے کہ شہادت پیش کر۔ ورنہ تجھے سزا دی جائے گی۔ اس پر اس نے عرض کی کہ اسی کی قسم ہے جس نے آپؐ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے۔ میں تو یقیناً سچا ہوں اور (میری سچائی کا ثبوت یہ ہے کہ میں خدائے تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں) عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی آیت نازل فرمائے گا جس سے مجھے حد لگنے سے نجات ملے۔ چنانچہ اس کی سچائی اور اس کا ایمان آڑے آیا اور خدا تعالیٰ نے حکم لعان وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَھُمْ نازل فرمائی۔

کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ "جو شخص اپنی زوجہ کو بدکاری کی نسبت دے تو اس عورت کے مقابلے میں اس وقت تک وہ لعان نہیں کر سکتا جب تک یوں نہ کہے کہ میں نے ایک شخص کو اس عورت کے ساتھ بدکاری کرتے خود دیکھا ہے"۔

جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ "لعان کے وقت امام کو چاہیئے کہ خود قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھے اور مرد و عورت کو برابر اپنے سامنے قبلہ رو کھڑا کرے۔ پہلے مرد سے قسم لے پھر عورت سے" دوسری روایت میں یہ ہے کہ "مرد کو اپنی داہنی طرف اور عورت کو بائیں طرف کھڑا کرے"۔

منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے "ایک شخص کو لعان کے لئے کھڑا کیا اس نے قسم کھا کے دو مرتبہ گواہی دی۔ پھر وہ قسم کھانے سے باز رہا۔ اور لعان پورا ہونے سے پہلے اپنے کو جھوٹا بتایا تو آپ نے حکم دیا کہ اس کو جھوٹا الزام لگانے والے کی سزا دی جائے اور ان دونوں (زن و شوہر) میں جدائی نہیں کی جائے"۔

جناب امام محمد تقی علیہ السلام سے منقول ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ کیا بات ہے کہ جب کوئی مرد اپنی زوجہ کو الزام دے تو اسے تو تنہا کو چار مرتبہ خدا کی قسم کھا کے گواہی دینی پڑتی ہے اور یہ گواہی اس کی چار گواہوں کے برابر سمجھی جاتی ہے۔ اور اسی عورت کو اس کے شوہر کے سوا کوئی دوسرا الزام دے تو خواہ وہ باپ ہو یا بھائی یا بیٹا اور عزیز قریب تو اسے مجبور کیا جاتا ہے کہ یا تو اپنے قول کی باقاعدہ سزا بھگتے یا ثبوت پیش کرے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ شوہر جو اپنی زوجہ کو الزام دیتا ہے تو اس کو یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ میں نے اپنی آنکھ سے ایسا اور ایسا دیکھا تو اس وقت اس کی شہادت چار گواہوں کے برابر ہو جاتی ہے۔ جب کہ وہ خدا کی قسم کھا کر اظہار دے۔ اور جو وہ یہ کہے کہ میں نے اپنی آنکھ سے ایسا ایسا نہیں دیکھا تو اس سے بھی کہا جائے گا کہ وہ اپنے قول پر ثبوت پیش کرے اور وہ بھی ایسا ہی سمجھا جائے گا جیسا کہ شوہر کے سوا کوئی دوسرا محرم الزام دیتا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حق شوہر کو عورت کے متعلق عنایت فرمایا ہے۔ وہ کسی دوسرے محرم کے لئے نہیں ہے۔ نہ عورت کے

باپ کو وہ حق حاصل ہے اور نہ بیٹے کو یعنی یہ لوگ رات میں اور دن میں بے دھڑک اس کے پاس نہیں جا سکتے۔ جیسا کہ شوہر جا سکتا ہے) لہٰذا شوہر ہی کے لئے تو یہ کہنا جائز ہو سکتا ہے کہ میں نے ایسا اور ایسا دیکھا تو اس سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تجھ کو اس عورت کے خلوت خانے میں جہاں تجھے اکیلے ایسا اور ایسا دیکھا جانے کا کیا حق تھا تو جھوٹا الزام لگانے والا ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ تجھ پر وہی حد جاری کی جائے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے واجب کی ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جو شوہر کی اکیلی گواہی چار گواہوں کے برابر رکھی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے چار قسمیں لی جاتی ہیں کہ ایک ایک قسم ایک ایک گواہ کے برابر ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ۔

اس آیت مجیدہ میں ارشادِ ربانی ہے کہ خدا نے تم پر بڑا فضل کیا ہے کہ اس نے ایسا قانون نافذ کیا اور تمہیں مہلت عطا کی کہ تم توبہ کر سکو۔ اور اگر یہ اللہ کا رحم اور فضل نہ ہوتا تو تم خسارہ اٹھانے والے ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ تو بڑی حکمت والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اس لئے اس نے تمہارے لئے ایسا قانون نافذ کیا اور نسلِ انسانی کو تباہی سے بچا لیا۔

ترجمہ:

"بیشک جن لوگوں نے تہمت لگائی وہ تمہیں میں سے ایک گروہ ہے۔ نہ خیال کرو اس کو بُرا اپنے لئے، بلکہ وہ بہتر ہے تمہارے لئے۔ ہر شخص کے لئے ان میں سے اتنا حصہ ہوگا جو کمایا اس نے گناہ سے اور وہ (اس نے) بڑا حصہ لیا ہے ان میں سے اس کے لئے بڑا عذاب ہے (۱۱)

تفسیر۔

تفسیر قمی میں حضرت امیرالمومنین کی روایت ہے کہ یہ آیت مجیدہ جناب عائشہ کے بارے میں نازل ہوئیں جو الزام غزوہ بنی المصطلق میں لگایا گیا تھا۔ سنی مفسرین نے بروایت زہری اس کا شانِ نزول بیان کیا ہے اور اسے تفسیر مجمع البیان میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ اس آیت مجیدہ کی تفسیر میں حضرت عائشہ سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ قاعدہ تھا کہ جب آپ کسی جنگ میں تشریف لے جاتے تو بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے اور جس کا نام نکلتا اس کو آپؐ ساتھ لے جاتے چنانچہ جنگ بنی مصطلق میں میرے نام کا قرعہ نکلا اور میں گئی۔ اُدھر سے واپسی میں مدینہ کے قریب ایک منزل میں شب کے وقت میں ایک عورت کے ساتھ رفع حاجت کو گئی جب اپنی جگہ پر آئی تو اپنے گلے کا ہار نہ پایا اور قافلہ کوچ پر تیار تھا۔ پھر اس عورت کو ساتھ لے کر ہار ڈھونڈنے گئی اور وہ مل بھی گیا۔ مگر جب اپنی جگہ پر آئی تو قافلہ کوچ کر چکا تھا اور میرے اونٹ

والے نے بھی میرے ہودج کو یہ خیال کر کے کہ میں اس کے اندر ہوں اونٹ پر رکھ کر کوچ کیا۔ ناچار میں وہیں بیٹھ گئی تھوڑی دیر کے بعد میں سوگئی۔ صفوان بن حنظلہ جو پیچھے رہ گئے تھے جب اس جگہ پہنچے تو مجھے اپنے اونٹ پر سوار کیا اور خود مہار کھینچتے ہوئے قافلہ میں پہنچے تو عبداللہ بن ابی وغیرہ نے مجھے صفوان کے ہمراہ دیکھ کر مجھ پر منہ آئے اور بہت سے لوگ اس کے ہم رائے ہوگئے اور مجھ پر تہمت لگائی۔ یہاں تک کہ مدینہ پہنچی تو حضرتؐ کی توجہ میری طرف باقی نہ رہی حتیٰ کہ میں ایک ہفتہ تک بیمار رہی۔ مگر آپؐ مجھے دیکھنے نہ آئے اور اندر آتے بھی تو دوسروں سے میرا حال پوچھ لیتے۔ اور میں اس کی وجہ بالکل نہ سمجھی۔ آخر چند دن کے بعد میں پھر ایک دن مسطح کی ماں کے ساتھ رات کو رفع حاجت کے لئے نکلی اور جب اتفاقاً اس کا پاؤں پھسلا تو اس نے مسطح کو بُرا بھلا کہا۔ میں نے منع کیا تو بولی تم کیا جانو اس نے تم پر ایسی تہمت لگائی ہے۔ مجھے یہ سُنکر سخت رنج ہوا اور اس وقت حضرتؐ کی بے توجہی کی وجہ سمجھ میں آئی۔ غرض میں نے ایک روز حضرتؐ سے اجازت حاصل کی اور میکے آگئی۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت علیؑ سے پوچھا تو آپؑ نے فرمایا۔ میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ حضرت علیؑ نے کہا آپؐ رنج نہ کریں آپؐ کے واسطے ان کے سوا بہتیری عورتیں ہیں اور اگر اس عورت سے جو ساتھ تھی دریافت کریں آپؐ کو تصدیق ہو جائے گی۔ غرض آپؐ نے بریرہ سے دریافت کیا اور اس نے میری پاک دامنی کی گواہی دی۔ اور میں نے حضرتؐ کے سامنے قسم کھائی کہ میں اس تہمت سے بَری ہوں۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے میری عفت پر یہ آیتیں نازل فرمائیں تب رسولؐ اللہ کو اطمینان ہوا۔

سعید بن مسیب سے منقول ہے کہ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسولؐ خدا کا دستور تھا کہ جب آپؐ کسی جہاد میں جاتے تھے تو اپنی بیبیوں کے نام قرعہ ڈالتے تھے۔ جس کے نام قرعہ آتا تھا اس کو اپنے ہمراہ لے جاتے تھے۔ بنی المصطلق کی لڑائی کو گئے تو مجھ کو اپنے ہمراہ لے گئے کہ میرے نام کا قرعہ آیا تھا۔ جب کہ وہاں سے فتح حاصل ہوئی تو ارادہ مدینہ کا کیا اُلٹے پھرتے ہوئے ایک منزل میں قریب مدینہ شب کو پہنچے۔ میں ایک عورت کے ہمراہ واسطے رفع حاجت کے صحرا کو گئی اور وہاں سے پھر کر جو آئی تو ہار جو میرے گلے میں تھا وہ گم ہو گیا۔ اس کی تلاش کو پھر رفعِ حاجت کے مقام پر گئی ہر چند زمین میں ہاتھ ڈال کر دیکھا لیکن ہار میرا نہ ملا۔ اس میں مجھ کو دیر ہوگئی۔ اور بعد اس کے رسولؐ خدا کو میرے جانے کی خبر نہ تھی اس واسطے کوچ کا حکم دے دیا اور میرا ساربان بھی دریافت کرے بغیر کہ میں ہودج میں بیٹھی ہوں یا نہیں وہاں سے کوچ کر گیا اور میں منزل پر آئی تو وہاں میں نے قافلہ کو نہ پایا اور ہار کو جو تلاش کیا وہ مل گیا۔ میں وہاں سوگئی۔ جب صفوان بن حنظلہ جو پیچھے سوتے رہ گئے تھے وہ وہاں آئے اور مجھ کو پہچان کر میرے پاس آئے اور اپنا اونٹ بٹھا کر مجھ کو سوار کیا۔ اور اس کی مہار کھینچتے ہوئے منزل پر جہاں کہ قافلہ پڑا تھا وہاں پہنچے۔ جس وقت میرا اونٹ قافلے کے قریب گیا تو عبداللہ بن ابی سلول وغیرہ منافقین نے مجھ کو ہمراہ صفوان کے دیکھ کر کہا کہ نظر کرو پیغمبر کی زوجہ کو

ہمراہ مرد بیگانہ کے آتی ہے۔ اور کئی آدمی اس تہمت میں شریک ہو گئے۔ زید بن رفاعہ اور حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش اور سوائے ان کے۔ اور بعد اس کے میں رسولؐ خدا کی توجہ اپنی طرف نہیں دیکھتی تھی اور سبب اس کا نہیں جانتی تھی۔ جس وقت مدینہ میں پہنچی تو میں بیمار رہی اور رسولؐ خدا دولت سرا میں تشریف لاتے وہ لوگوں سے پوچھتے کہ بیمار تمہارا کیسا ہے؟ اور مجھ سے کچھ نہیں پوچھتے اور نہ میرے پاس بیٹھتے اور جس وقت میں بیماری سے اچھی ہوئی تو ہمراہ عورتوں کے شب کو واسطے رفعِ حاجت کے گھر سے باہر گئی اور ہمراہ ہمارے مسطح کی ماں بھی تھی اور مسطح حضرت ابوبکر کا رشتہ دار تھا۔ مسطح کی ماں کے ٹھوکر لگی وہ گر پڑی اور اس نے کہا کہ بُرا ہو مسطح کا۔ میں نے کہا کیوں بُرا کہتی ہے۔ وہ تو اہلِ بدر میں سے ہے۔ اس نے کہا تو نہیں جانتی اس نے تیرے حق میں کیا کہا ہے۔ اس سے میں نے پوچھا تو اس نے سب حال بیان کیا۔ یہ سن کر بہت دلتنگ ہوئی اور اس وقت میں نے جانا کہ رسولِ خدا کی توجہ اس سبب سے میری طرف نہیں ہے۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رخصت لے کر میں اپنی ماں کے گھر آئی اور ماں سے میں نے پوچھا کہ لوگ میرے حق میں کیا کہتے ہیں۔ اس نے بیان کیا کہ ایسا اور ایسا کہتے ہیں۔ میں سنکر رونے لگی اور شب در وز روتی تھی۔ اور اس شب کو مجھے نیند نہ آئی اور اس کے دوسرے دن رسولؐ خدا نے ابن زید حضرت علیؑ ابن ابی طالب سے مشورہ کیا۔ ابن زید نے کہا کہ رسولؐ اللہ صاحبِ اغراض کی بات نہ سُننی چاہیئے۔ اور حضرت علیؑ نے کہا کہ یا رسولؐ اللہ دل تنگ نہ ہونا چاہیئے جو آپؐ کی رائے ہو وہ کرنا چاہیئے۔ اور اگر آپؐ چاہیں کہ دریافت کریں تو بریرہ کو، جو حضرت عائشہ کی لونڈی ہے بلا کر پوچھ لیں۔ اس کو بلا کر پوچھا تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے ہرگز اس سے کوئی خطا نہیں دیکھی ہے اور میں نے بھی قسم کھائی کہ میں اس فعل سے بالکل بری ہوں اور گمان میرا یہ تھا کہ خدا میری شان میں کچھ نازل کرے گا۔ یا پیغمبرِؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی خواب دیکھیں گے جو میری پاکدامنی پر دلالت کرے۔ پس رسولؐ خدا نے اپنی بیبیوں سے اور اکابر صحابہ سے میرا حال دریافت کیا تو سب نے میری پاکدامنی کی گواہی دی اور بعد اس کے خداوند تعالیٰ نے یہ سترہ آیتیں میری پاکدامنی میں نازل کیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْکِ۔

فقہ آئمہ کے نزدیک بھی حضرت عائشہ ایسے افعال سے پاک ہیں اس واسطے کہ ناموسِ پیغمبر علیہ السلام ہیں اور پیغمبرِ خدا کی ازواج سے یہ حرکت سرزد نہیں ہو سکتی۔ اور جن لوگوں نے حضرت عائشہ پر تہمت لگائی خداوند تعالیٰ نے ان پر حد نافذ کی اور آپ کی برأت کے لئے سترہ آیات نازل کیں یہ آیات حضرت عائشہ کے جمیع امور سے پاک ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

تفسیر برہان، تفسیرِ صافی اور تفسیر قمی میں اس طرح بھی ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ ماریہ قبطیہ کے شکم سے تھے وفات پا گئے تو حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

بہت رنج ہوا۔ تو آپ کی ازواج میں سے کسی نے کہا کیوں غم کرتے ہیں وہ تو ابن جزیح کا فرزند تھا۔ یہ سُنکر حضرت رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رنج ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی کو نازل کیں۔

ترجمہ۔

"کیوں نہیں جس وقت سُنا تھا تم نے اس کو (یعنی تہمت کو تو) گمان کیا مومن مردوں نے اور مومن عورتوں نے اپنے نفسوں پر اچھائی کا اور کہتے کہ یہ صاف بہتان ہے" (۱۲)

تفسیر۔

یہ آیت بھی سابقہ آیت سے منسلک ہے۔ خدا تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ جب تم مومنوں (مردوں) مومنات (عورتوں) نے جس وقت یہ امر بد سُنا تھا تو کیوں نہیں نیک گمان کیا اپنے نفسوں پر اور وہ ایسا کیوں نہیں سمجھے کہ یہ جھوٹ اور تہمت ہے۔ ان لوگوں کو جن پر تہمت کی تھی مومنین کا نفس فرمایا ہے۔ اس واسطے کہ وہ سب آپس میں مثل ایک نفس کے تھے۔ باعتبار ایمان کے۔ اس وجہ سے فرمایا کہ تم نے اپنے نفسوں کے ساتھ گمان نیک کیوں نہیں کیا یعنی مومنین اور مومنات نے یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ اس واسطے کہ خدا پیغمبر علیہ السلام کی بیبیوں پر نگاہ رکھتا ہے۔ اس لئے وہ مومنوں پر لازم ہے کہ وہ تعظیم اور حرمتِ پیغمبر علیہ السلام کا خیال رکھیں اور جس وقت انھوں نے یہ سُنا تھا انہیں کہنا چاہیئے تھا کہ یہ سراسر بہتان ہے۔

بِاَنْفُسِهِمْ۔

یعنی مومن مردوں اور عورتوں نے ان پر اچھا گمان کیوں نہیں کیا۔ جو اُن کے لئے اپنے نفسوں کی طرح تھے۔ کیونکہ سب مومن ایک دوسرے کے ساتھ نفس واحد کی حیثیت رکھتے ہیں اسی لئے حکم ہے کہ دوسرے مومن کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ اس لئے تم پر لازم تھا کہ جب تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی حضرت عائشہ کے لئے سُنا تو اس کو افک اور بہتان کیوں نہیں قرار دیا؟ اور پھر اگر تم اپنے آپ کو سچا سمجھتے تھے تو چار گواہ کیوں نہیں پیش کئے؟ یہ سب تنبیہات ہیں کہ مومن کو ایسی بدگمانی سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ خصوصاً ام المومنین کے حق میں زبان کشائی قطعاً مومن کو زیب نہیں دیتی اور جب عام مومنوں پر حسن ظن کا حکم ہے تو پھر اپنی ماں پر بدگمان ہونا کہاں کی شرافت ہے؟ قرآن مجید میں واضح ارشاد ہے کہ رسولؐ کی بیبیاں تمہاری مائیں ہیں؟

اسی لئے مومنوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ تم پر یہ فرض ہے کہ ہمیشہ اچھا گمان رکھیں اور جب انھوں نے یہ تہمت سنی تھی تو انہیں غلط سمجھنا چاہیئے تھا۔

اس آیت میں واضح طور پر حضرت عائشہ کی پاکدامنی کو بیان کرتے ہوئے مومنوں کو اور خاص طور سے ان لوگوں کو جنہوں نے آپ پر الزام لگایا ہے متنبہ کیا گیا ہے۔

ترجمہ —

"کیوں نہیں لائے اس پر چار گواہ، پس جب گواہ نہیں لائے تو وہ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں" ⑬ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت دنیا و آخرت میں تو پکڑ لیتا تم کو بوجہ اس کے جس بات میں تم گھسے تھے بڑا عذاب ہے ⑭ جب زبان د زبانی تم سنتے تھے اور اپنے منہ سے بیان کرتے تھے جس کا تم کو کوئی علم نہیں تھا۔ اور تم اس کو خیال کرتے تھے معمولی حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑا ہے ⑮ اور کیوں نہیں جب اس کو سنا تھا تم نے کہا کہ حق نہیں پہنچتا کہ ایسی باتیں کریں پاک و پاکیزہ ہے (اے اللہ) یہ زبردست بہتان ہے۔ ⑯ اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ دوبارہ ایسی بات مت کرنا زندگی بھر اگر تم مومن ہو۔ ⑰ اور وہ بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے نشانیاں اللہ جاننے والا حکمت والا ہے"۔ ⑱

تفسیر —

جب منافقوں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت پر حملہ کیا اور اُم المومنین حضرت عائشہ پر الزام لگایا تو آپؐ کو سخت صدمہ ہوا اور آپؐ بہت رنجیدہ ہو گئے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اے رسولؐ! آپ رنجیدہ نہ ہوں اگر یہ لوگ اپنے قول میں سچے ہیں تو پھر کیوں نہیں چار گواہ لائے اس تہمت کو ثابت کرنے کے لئے اور (اے رسولؐ) جب یہ گواہوں کو نہیں لائے تو یہ لوگ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں کیونکہ اگر یہ گواہ لاتے تو جھوٹے نہ ہوتے۔ لیکن گواہ کا نہ لانا یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ کیونکہ پیغمبر خدا کی بیویاں با عصمت ہوتی ہیں۔

ان آیاتِ برأت کے بعد جن لوگوں نے بہتان باندھا تھا اور اس میں شریک ہوئے تھے اس آیت مجیدہ میں ان کی مذمت کی گئی ہے اور اسی بنا پر حسب روایات اہل سنت اور ہمارے نزدیک قرآنی ضابطہ کے مطابق حدِ قذف جاری ہوئی اور ہر ایک کو اسی اسی کوڑے لگائے گئے۔

بزار اور ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ "اس وقت رسولِ خدا

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مسلمانوں پر حد قذف جاری فرمائی ۔ مسطح ۔ حمنہؓ ۔ حسّان"
اور طبرانی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ "رسول اللہ" نے اس موقع پر
عبداللہ بن ابی منافق جس نے اصل تہمت گھڑی تھی اس پر دوہری حد جاری فرمائی "

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ ۔

پھر ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر تم پر خداوند تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم سخت عذاب میں مبتلا ہو جاتے ۔ کیونکہ تم ایک غلط بات کے پیچھے پڑ گئے تھے اور اس تہمت کو آگے بڑھا رہے تھے یعنی سُنی سنائی باتوں کو باور کر لیتے تھے اور پھر آگے پھیلانا شروع کر دیتے تھے جو قطعاً خلاف عقل و دیانت ہونے کے شرافت سے بھی گرا ہوا تھا اور تم اس بات کو معمولی خیال کر رہے تھے ۔ حالانکہ یہ معمولی بات نہیں تھی کیونکہ خداوند تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت بڑی بات تھی اس لئے کہ تم ایک پیغمبر علیہ السلام کی بیوی پر بہتان لگا رہے تھے تم نے اس وقت یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ بات حق نہیں ہے ۔ اور یہ سراسر بہتان ہے ۔ اور تم نے لوگوں کو کیوں نہیں روکا کہ یہ بات تم پر زیب نہیں دیتی کہ تم ایسا کہو اور خداوند تعالیٰ پاک و پاکیزہ ہے اور یہ زبردست بہتان ہے ۔

اور اب خداوند تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ زندگی بھر دوبارہ ایسی بات مت کہنا ۔ اگر واقعی تم مومن ہو اور اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتے ہو کیونکہ خداوند تعالیٰ تمہارے لئے واضح آیتیں پیش کرتا ہے کیونکہ وہ سب سے زیادہ جاننے والا اور حکمت والا ہے اور یاد رکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی اس تہمت سے پاک ہیں ۔

ان آیاتِ مجیدہ کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص کسی مومن کے متعلق کوئی ایسی بات کرے جس میں اس کے کردار پر حملہ ہو تو تمام مومنوں پر واجب ہے کہ ایسی بات نہیں سُنیں اور بیان کرنے والے کو فوراً ٹوک دیں ۔ جب تک اس کے پاس عادل گواہ موجود نہ ہوں ورنہ وہ بڑے گناہ کا مرتکب ہوگا ۔

ترجمہ ۔

" بیشک وہ لوگ جو اس بات کو دوست رکھتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں بے حیائی کی باتیں رائج ہوں ان کے لئے عذاب ہے دردناک دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اللہ (اسکو) خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (۱۹) اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی

رحمت نہ ہوتی (تو وہ تم پر عذاب نازل کرتا) اور بیشک اللہ مہربان (اور) بخشنے والا ہے (۲۰) ع

تفسیر

کسی کی ایسی برائی بیان کرنا جو اس میں ہو اس کو غیبت کہتے ہیں اور کسی کی ایسی بُرائی بیان کرنا جو اس میں نہیں ہو اس کو بہتان کہتے ہیں۔ یہ دونوں گناہ کبیرہ ہیں۔ جب انسان کسی دوسرے کو ایک گناہ کرتا ہوا دیکھے اور گواہ موجود نہ ہوں پھر اس کو آگے بیان کرے تو شرعًا اس کو بھی افترا اور بہتان سمجھا جائے گا۔ اور حاکم شرع کے سامنے مقدمہ پیش ہونے کی صورت میں اس پر حد جاری ہوگی۔ خداوند کریم مومنوں کو لوگوں کی عیب جوئی اور عیب گوئی سے منع فرماتا ہے۔ پس اس لئے مومن کا فرض ہے کہ وہ کسی کی برائی نہیں کرے۔ اور اس کی عدم موجودگی میں اس کے حق میں دعائے خیر کرے اور دوسروں کی غلطی کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے اور اپنی اس قسم کی یا اس سے سنگین غلطیوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرے۔

کافی، امالی اور تفسیر قمی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ "غیبت یہ ہے کہ اپنے مومن بھائی کا ایسا عیب بیان کرنا جس کی اللہ نے پردہ پوشی کی ہوئی ہے اور بہتان یہ ہے کہ اس کے متعلق ایسی بُری بات کی نسبت دینا جو اس میں نہ ہو۔ آپؑ نے فرمایا جو شخص مومن کے متعلق آنکھوں دیکھی اور کانوں سُنی بُرائی بیان کرے وہ اسی آیت کا مصداق ہے۔"

کافی میں ہے کہ کسی شخص نے جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں یہ بات بیان کی کہ میرے دینی بھائیوں میں سے ایک شخص کی نسبت مجھے ایسی خبر پہنچی ہے جسے میں بہت ہی ناپسند کرتا ہوں اور جب میں اُس سے اس کی بابت سوال کرتا ہوں تو وہ اس سے انکار کرتا ہے حالانکہ مجھے بہت سے ثقہ لوگوں نے اس بات کی خبر دی ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ تو اپنے ایمانی بھائی کے مقابل اپنے سُنے ہوئے اور دیکھے ہوئے کو جھٹلا اور گو پچاس آدمی قسم کھا کر اس کے برخلاف تیرے سامنے گواہی دیں اور وہ تجھ سے ایک بات کہے تو تُو اسی کے قول کی تصدیق کر۔ اور ان سب کو جھوٹا جان۔ اور اپنے ایمانی بھائی کے برخلاف کسی ایسی بات کی شہرت نہ دے جس سے اس میں عیب لگتا ہو۔ اور اس کے ذریعہ سے مروت پامال ہوتی ہو ورنہ تو اُن لوگوں میں سے ہو جائے گا۔ جن کی نسبت یہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ الخ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی بدی کی بات کی شہرت دی تو وہ ایسا سمجھا جائے گا کہ گویا اُسی نے پہلے اس بدی کا ارتکاب کیا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی کتاب میں ہے کہ ایک دن جناب رسالتمآبؐ نے منبر پر ارشاد فرمایا کہ مجھے اس اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے

کبھی کسی مومن نے دُنیا و آخرت کی بھلائی نہیں پائی مگر اللہ تعالیٰ پر حُسنِ ظن رکھنے سے۔ اور مومن کی غیبت سے اجتناب کرنے سے اور اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ توبہ و استغفار کے بعد اللہ تعالےٰ کسی مومن کو گرفتارِ عذاب نہیں کرتا۔ مگر اس صورت میں کہ اللہ تعالیٰ پر وہ بدظن ہو جائے اور مومنوں کی غیبت کا مرتکب ہو جائے۔

مختصر اً یہ کہ خداوند تعالیٰ مومنوں کو آگاہ کر رہا ہے کہ جو لوگوں پر بہتان لگاتے ہیں یا غیبت کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دُنیا میں عذاب سے مُراد یہ ہے کہ ان پر حد جاری ہوتی ہے۔ روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے عبداللہ بن ابی سلول اور مسطح پر حد جاری کی اور صفوان نے حسان کو زخمی کیا " اور آخرت میں عذاب سے مراد یہ ہے کہ دوزخ میں جانا اور دردناک عذاب میں مبتلا ہو جانا۔

دوسری آیت مجیدہ میں خداوند تعالیٰ اپنی رحمت کا اعتراف کروا رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت اور مہربانی تمہارے اوپر نہ ہوتی تو وہ توبہ کی مہلت نہ دیتا اور بیشک وہ بخشنے والا ہے۔ اس لئے اس نے تم کو توبہ کی مہلت دی۔ اس لئے تم پر لازم ہے کہ تم استغفار کرو تاکہ جلدی تم کو عذاب میں گرفتار نہ کیا جائے باوجود بڑے گناہ ہونے کے وہ تم کو معاف کر دے گا۔ اگر تم سچے دل سے توبہ کر لو۔ کیونکہ وہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

ترجمہ۔

"اے لوگوں جو ایمان لائے ہو نہ پیروی کرو شیطان کے نقشِ قدم کی اور جو اتباع کرے گا نقشِ قدم شیطان کی تو وہ پس بیشک حکم دیتا ہے بدکاری اور بُرائی کا اور اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تم پر اور اس کی رحمت تو تم میں سے کوئی بھی پاکیزہ نہیں ہوتا لیکن اللہ پاکیزہ کرتا ہے جسے چاہے اور اللہ سُننے والا جاننے والا ہے" (۲۱)

تفسیر۔

آیت مجیدہ میں شیطان کی پیروی سے منع کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کا سیاق بتاتا ہے کہ مومن کی بُرائی بیان کرنا اور سُننا اور اس کو اُچھالنا شیطانی اتباع ہے۔ اس لئے مومن کا مومن پر فرض ہے کہ جب ایک کا گلہ دوسرے کے سامنے ہو تو وہ بیان کرنے والے کو ٹوک دے ورنہ وہ اس مجلس سے اُٹھ کر چلا جائے۔ اس کا یہ عمل اپنے مومن بھائی کی غیبی امداد ہو گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ غیبت یہ ہے کہ اپنے مومن بھائی کا ایسا

عیب بیان کرنا جس کی اللہ نے پردہ پوشی کی ہوئی ہے۔ اور بہتان یہ ہے کہ اس کے متعلق ایسی بُری بات کی نسبت دینا جو اس میں نہ ہو۔ آپ نے فرمایا جو شخص مومن کے متعلق آنکھوں دیکھی اور کانوں سُنی برائی بیان کرے وہ ایسی آیت مجیدہ کا مصداق ہے۔

کافی میں ہے کہ کسی شخص نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں یہ بات بیان کی کہ میرے دینی بھائیوں میں سے ایک شخص کی نسبت مجھے اس بات کی خبر پہنچی ہے جسے میں بہت بُرا اور ناپسند کرتا ہوں اور جب میں اس سے اس کی بابت سوال کرتا ہوں تو وہ اسے انکار کرتا ہے۔ حالانکہ مجھے بہت سے ثقہ لوگوں نے اس بات کی خبر دی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ تو اپنے ایمانی بھائی کے مقابل اپنے سُنے ہوئے اور دیکھے ہوئے سب کو جھوٹا جان اور اپنے ایمانی بھائی کے برخلاف کسی بات کو شہرت نہ دے۔ جس سے اس میں عیب لگتا ہو۔ اور اس کے ذریعہ سے مروت پائمال ہوتی ہو۔ ورنہ تو بھی ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جن کی نسبت خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ؛؛

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی بدی کی بات کو شہرت دی تو وہ ایسا سمجھا جائے گا گویا اسی نے پہلے اس بدی کا ارتکاب کیا۔

لَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ :۔

تفسیر صافی میں ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے عیب ظاہر کرنے میں اور بدباتوں کی اشاعت کرنے میں شیطان کی پیروی نہ کرو۔

يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ :۔

تفسیر صافی میں ہے کہ الفحشاء سے مراد وہ باتیں ہیں جن کی خرابی اور بُرائی حد سے بڑھی ہو اور منکر سے مراد وہ کام ہیں جو عقلاً بھی مذموم ہوں اور شرعاً بھی ممنوع ہوں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ :۔

اس کلمہ کو دو مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ لیکن آیت مجیدہ نمبر ۲۰ میں مقصد یہ ہے کہ اگر اللہ کا فضل وکرم نہ ہو تو تم جونہی کسی مومن بھائی کی غیبت اور شکوہ میں مصروف ہوتے ہو اور اس

کی برائی کو اُچھالتے ہو تو تمہیں فوراً گرفتارِ عذاب کر لیا جاتا لیکن اللہ نے اپنے فضل و کرم سے تم کو توبہ و استغفار کا موقع دیا ہے۔اس لئے وہ فوری طور پر عذاب نازل نہیں کرتا۔

آیت مجیدہ نمبر ۲۱ میں اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمہارے عیوب پر پردہ ڈالے ہوئے ہے ورنہ اگر وہ تمہارا پردہ اُٹھا دے تو تم میں سے کوئی بندہ ایسا نہیں جس کا دامن داغدار نہ ہو۔اس کی پردہ پوشی ہی تمہاری پاکیزگی کی ضامن ہے۔پھر اس کا یہ بھی فضل ہے کہ تم جب ایک دوسرے کی پردہ داری کرتے ہو اور پھر معافی مانگ لیتے ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول کرتا ہے اور تمہیں پاکبازی کی تلقین کرتا ہے۔اگر اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا فضل اور اس کا بڑا احسان نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی پاکباز نہ ہوتا اور دنیا میں کوئی بھی انسان ایک دوسرے پر اعتماد نہ کرتا۔اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ انسانی تمدنی زندگی ایک لمحہ کے لئے بھی قائم نہ رہ سکتی۔پس حسنِ ظن ہی کے نتیجہ میں اور اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی کے ہی طفیل سے دنیا والوں کی ساکھ قائم ہے۔اور نظام تمدنی کو بقا حاصل ہے۔اس لئے تم پر بھی لازم ہے کہ جس طرح خداوند تعالیٰ نے تمہاری پردہ پوشی کر رکھی ہے تم بھی لوگوں کی پردہ پوشی کرو۔

ترجمہ ـــ

"اور تم میں سے مالدار اور صاحب مقدور لوگ یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں کو اور مسکین اور راہِ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے اور ان کو چاہیئے کہ معاف کر دیں اور درگذر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہارے گناہ بخش دے اور اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے" (۲۲)

تفسیر ـــ

تفسیر مجمع البیان میں اس آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق وارد ہے کہ مسطح بن اثاثہ جو حضرت ابوبکر کے خالہ زاد بھائی، مہاجر اور بدری بھی تھے۔بوجہ تنگ دستی اور افلاس کے حضرت ابوبکر ان کے تمام اخراجات کی کفالت کرتے تھے۔جب حضرت عائشہ پر الزام و اتہام کے قصے کو ہوا دی گئی تو یہ شخص بھی انہیں میں سے ہو گئے۔پس حضرت ابوبکر نے ان سے قطع تعلق کر لی اور قسم کھالی کہ آئندہ ان کی کسی قسم کی مدد نہ کروں گا۔اسی طرح بعض دوسرے لوگوں کے متعلق بھی روایات ہیں۔پس یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی اور مسلمانوں کو درگذر کی تلقین کی گئی۔کہتے ہیں کہ اس آیت مجیدہ کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر نے پھر سے ان کی کفالت شروع کر دی۔

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا۔

تفسیر قمی میں ہے کہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام اس کا مطلب یہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے قصور معاف کردو اور ایک دوسرے کی خطاؤں سے درگذر کرو کہ ایسا کرنے سے تم رحمت خداوند تعالیٰ کے مستحق ہوجاؤ گے۔ جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللہُ لَکُمْ۔

ترجمہ۔

"بیشک جو لوگ تہمت لگاتے ہیں پاکدامن بے خبر ایمان والیوں پر ان پر لعنت کی گئی ہے دنیا اور آخرت میں اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔" (۲۳)

تفسیر۔

جو لوگ مومنات و پاکدامن اور بے خبر عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں وہ دراصل بدذات لوگ ہیں یعنی ان عورتوں پر جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائی ہیں اور اسلام کے لئے مصیبتیں برداشت کررہی ہیں ان پر تہمت لگانے والے بدکردار اور ملعون ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سخت عذاب ہے۔

ابو حمزہ ثمالی نے کہا ہے کہ یہ آیت مجیدہ زنان مہاجرین کی شان میں ہے جو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرکے آئی تھیں۔ جب یہ عورتیں ہجرت کرگئیں تو مکہ والوں نے کہا کہ وہ بدکاری کے لئے مدینہ منورہ گئی ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمام مومن عورتوں کی شان میں ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔ جو کوئی پاکدامن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائے گا اس پر لعنت ہے اور وہ لعنت کئے گئے ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں ان پر لعنت یہ ہے کہ وہ مردود اور ملامت کئے گئے ہیں۔ بندگان خدا سے اور ان پر حد جاری کی گئی ہے اور آخرت میں ان پر لعنت یہ ہے کہ وہ رحمت خدا سے دور ہوں گے۔ اور طرح طرح کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ اس لئے کہ انہوں نے بڑا گناہ کیا ہے۔

ترجمہ۔

"جس دن گواہی دیں گی ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور پاؤں جو کچھ وہ کرتے تھے۔" (۲۴)

تفسیر۔

اس آیت مجیدہ میں خداوند تعالیٰ مزید متنبہ کررہا ہے کہ یاد رکھو کہ جو اعضاء تمہارے دوست

بس وہ آخرت میں تمہارے خلاف ہوں گے اور جب وہ دن (قیامت) آئے گا تو ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ اس لئے کہ وہ عمل بد کرتے تھے اور بے گناہ مومن مرد و عورتوں پر تہمت لگاتے تھے۔

یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ۔

کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ مومن کے اعضاء و جوارح اس کے برخلاف گواہی نہیں دیں گے اور جن کے اعضاء و جوارح ان کے خلاف گواہی دیں گے وہ وہ ہوں گے جن کے برخلاف حکم عذاب کا استحقاق ثابت ہو جائے گا۔ رہا مومن اس کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائیگا جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

۔ فَمَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ یَقْرَءُوْنَ کِتٰبَهُمْ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا۔

ترجمہ ــــ "پس جس شخص کو اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائیگا۔ پس وہ تو اپنے نامۂ اعمال کو (خوش خوش) پڑھیں گے"۔

"اس دن پوری دے گا اللہ ان کو جزا اور سزا صحیح اور جان لیں گے (کہ) بیشک اللہ ہی حق مبین ہے"۔ (۲۵)

تفسیر ــــ

اس آیت مجیدہ میں خداوند تعالیٰ ان لوگوں کو آگاہ کر رہا ہے جو پاکدامن اور بے خبر عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں کہ یاد رکھو تمہیں خداوند تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور روز قیامت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تم نے دنیا میں کیا کام کیا تھا اور اس کے مطابق تمہیں سزا و جزا ملے گی۔ اس دن (قیامت) اللہ پوری پوری جزا و سزا دے گا یعنی جس کا جو حق ہوگا یا جس کے جو مستحق ہوں گے وہ ان کو ملے گا اور اس دن ہر شخص اس بات کو جان لے گا کہ بیشک اللہ صحیح فیصلہ کرنے والا ہے۔

ترجمہ ــــ

"خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لئے۔ وہ بری ہیں ان (اتہامات) سے جو کہتے ہیں (لوگ)، ان کے لئے (آخرت میں) بخشش اور رزق باکرامت ہے"۔ (۲۶)

تفسیر ــــ

آیت مجیدہ کے معنی میں تین اقوال ہیں۔

(۱) جس طرح پہلے گذر چکا ہے کہ زانی مرد کو مومنہ سے شادی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ بلکہ وہ بدکار یا مشرک عورتوں سے شادی کر لیا کریں۔ اسی طرح زانیہ عورتوں کو مومن پاکباز مردوں کے عقد میں نہیں جانا چاہیئے بلکہ وہ زانیوں اور مشرکوں کے لئے موزوں ومناسب ہیں۔ چونکہ اس زمانہ میں چند مرد وعورتیں اعلانیہ بدکار وزانی تھے۔ پس مومنوں کو تنزیہاً ان کے رشتہ ناطہ سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس مقام پر دوبارہ اسی حکم کا اعادہ فرمایا ہے کہ خبیث عورتوں کو خبیث مردوں کے لئے رہنے دیا جائے۔ اور خبیث مردوں کے لئے خبیث عورتیں مناسب ہیں۔ اسی طرح پاکدامن عورتیں پاکباز مردوں کے لئے موزوں ہیں اور پاکباز مرد پاکدامن عورتوں کے لئے موزوں ہیں۔ اور یہ لوگ عامۃ الناس کی بدگمانیوں اور اتہامات سے بری الذمہ ہوتے ہیں۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ بری باتیں برے مردوں کے لئے زیبا ہیں۔ اور برے مرد بری باتوں کے لئے موزوں ہیں اور اچھی باتیں اچھے مردوں کو زیب دیتی ہیں اور اچھے مرد اچھی باتوں کو اپنایا کرتے ہیں۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ بدکرداری بدطینت مردوں کے لئے ہے۔ اور اچھے اعمال نیک طینت مردوں کے لئے اور نیک طینت مرد اچھے اعمال کے لئے ہیں۔

پہلا قول صادقین علیہما السلام سے مروی ہے۔ (عن المجمع)

(انوار النجف علامہ حسین بخش)

تفسیر قمی میں ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بری باتیں اور برے کام بدکار مردوں اور بدکار عورتوں کے لئے موزوں ہیں۔ اس لئے کہ وہی ان کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور وہی بری باتیں کہنے والوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ اسی طرح نیکوکار مرد اور نیکوکار عورتیں اچھی اچھی باتوں اور اچھے اچھے کاموں کے لئے موزوں ہیں۔

اس کی تفسیر، تفسیر مجمع البیان، تفسیر بیضوی، تفسیر عمدۃ البیان، تفسیر کشف الحقائق میں بھی ہے۔

علامہ حافظ فرمان علی صاحب نے اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے (مناسب) ہیں۔ اور گندے مرد گندی عورتوں اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے موزوں ہیں۔

اس آیت کا یہی ترجمہ باختلاف الفاظ مولانا شاہ عبد القادر دہلوی، مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی، مولانا نذیر احمد دہلوی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن بجنوری دیوبندی۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی کیا ہے۔ لیکن یہ ترجمہ مشاہدہ تاریخ اور قرآن مجید کی بعض آیت کے مقصد ومفہوم کے خلاف ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں کے ترجمہ کے مطابق یہ کہا گیا ہے کہ بری عورتیں برے مردوں کے لئے ہیں اور برے مرد بری عورتوں کے لئے ہیں۔ اور

اچھی عورتیں اچھے مردوں کے لئے اور اچھے مرد اچھی عورتوں کے لئے ہیں۔ یعنی ان کی باہمی مناکحت، ان کا باہمی تعلق و روابط ایک دوسرے سے ہوں گے ایسا نہیں ہوگا کہ مرد اچھا ہو اور اس کی عورت بری ہو یا عورت اچھی ہو اور اس کا مرد برا ہو۔ لیکن روزمرہ کا مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ یہ بات ایسی نہیں ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے شوہر اچھا ہے بیوی بدذات ہے اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بیوی اچھی نیک طینت اور شریف ہے لیکن مرد (شوہر) بدذات ہے۔ اس کی واضح شہادت تاریخ بھی دے رہی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت نوحؑ جیسے نبی کی بیوی (واعلہ) بدذات تھی اور حضرت لوطؑ کی بیوی (واھلہ) انتہائی بد اور بری تھی اور جناب آسیہ بنت مزاحم جیسی شریف اور لائق نیک طینت بی بی فرعون مصر جیسے ظالم کی بیوی تھی۔

بہر حال مفسرین نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں لیکن ہم دونوں ہی معنوں میں لے سکتے ہیں۔

ترجمہ ــ

"اے لوگو جو ایمان لا چکے ہو نہ اندر جاؤ گھروں کے اپنے گھروں کے سوائے۔ یہاں تک کہ اجازت لے لو اور سلام کرو اس کے اہل پر یہ (طریقہ) بہتر ہے تمہارے لئے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو" (۲۷)

تفسیر ــ

حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا ــ

اس مقام پر استیناس استیذان کے معنی میں ہے یعنی اگر کسی کے گھر میں جانا ہو تو بلا اطلاع اور بلا اجازت کے اندر نہ جائیں خواہ کسی عزیز رشتہ دار یا دوست کا گھر ہو یا کسی اجنبی کا گھر ہو۔ پس مومن پر لازم ہے کہ وہ دروازے پر کھڑے ہو کر اندر آنے کے لئے صراحتاً آواز کر کے پوچھ لے یا کوئی کام ایسا کرے جس سے اذن طلبی سمجھی جاتی ہو۔ مثلاً کھانس لے یا جوتے کو زور زور سے زمین پر مارے یا تسبیح و تحمید کی آواز زبان سے بلند کرے تاکہ صاحب خانہ سمجھ جائے کہ کوئی اندر آنا چاہتا ہے تاکہ وہ سنبھل جائے ارشاد ہے۔

اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا (پ۱۸ ع ۱۴)۔

یعنی جب بچے جوان ہو جائیں تو وہ بھی دوسرے گھروں میں اجازت لے کر داخل ہوں۔ (انوار النجف)

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ دریافت کیا گیا تھا کہ اس آیت میں جو لفظ استیناس ہے اس کا مطلب کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی اپنے گھر میں جانے لگے تو تسبیحات اربعہ بلند آواز سے پڑھ لے

اور کھنکھار لے۔ نیز یہ بھی منقول ہے ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی اور کھنکھار تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت سے جس کا نام روضہ تھا فرمایا کہ یہ فلاں شخص ہے تو اٹھ کر جا اور اسے یہ کہہ کہ وہ پہلے سلام علیکم کہے۔ اور اس کے بعد ان لفظوں میں اجازت مانگے کہ کیا میں اندر آجاؤں چنانچہ اس عورت نے کہہ دیا اور اس شخص نے اسی طرح تعمیل کی۔

کافی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ "جب کوئی اپنے باپ کی خدمت میں جانے لگے تو اجازت مانگ لے مگر باپ کو بیٹے کے پاس جانے کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں۔ نیز جب کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن کے پاس جانا چاہے اور وہ بیاہی ہو تو اجازت مانگ لے"

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ "ایک شخص نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ اگر مجھے اپنی ماں کی خدمت میں جانا ہو تو میں اجازت مانگوں؟ فرمایا ضرور! عرض کی میرے سوا کوئی دوسرا تو ان کی خدمت کرنے والا نہیں ہے تو کیا جب جب مجھے جانا ہو ہر ہر مرتبہ اجازت مانگوں آپ نے فرمایا "آیا تو یہ چاہتا ہے کہ اسے ننگا دیکھے۔ اس نے عرض کی نہیں یہ تو نہیں۔ فرمایا بس تو پھر ہر دفعہ اجازت مانگا کر"۔

ترجمہ

"پس اگر نہ پاؤ اس میں کسی کو تو نہ اندر جاؤ اس کے یہاں تک کہ تم کو اجازت دی جائے اور اگر تم کو کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ یہ (طریقہ) بہتر ہے تمہارے لئے اور اللہ جاننے والا ہے جو تم کرتے ہو" (۲۸)

تفسیر

گذشتہ آیت میں بغیر اجازت کے کسی کے گھر میں داخل ہونے کی ممانعت کی گئی تھی۔ اب اس آیت میں اس حکم کی مزید وضاحت کی جارہی ہے۔ یعنی اگر گھر میں کوئی آدمی موجود نہ ہو تو بجائے داخل ہونے کے واپس پلٹ جانا چاہیئے اور اگر گھر میں کوئی موجود ہو اور وہ اندر آنے کی اجازت نہ دے اور کہے واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ۔ یعنی مومن پر لازم ہے کہ وہ بغیر کسی تعمّل کے واپس لوٹ جائے۔ اور وہاں قیام نہ کرے کیونکہ اگر وہ قیام کرتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ ان کی کوئی بات ایسی سُن لے جس کو وہ چُھپانا پسند کرتے ہوں۔ اسی لئے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو حکم تمہیں دیا جارہا ہے اس پر عمل کرو۔ کیونکہ یہی تمہارے لئے بہتر ہے اور وہ (اللہ) ہر مصلحت کو جانتا ہے اور تمہارے دلوں کے حال کا بھی اسے علم ہے۔ وہ (اللہ) خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

ترجمہ ۔

"اس بارے میں تم پر کوئی الزام (گناہ) نہیں ہے کہ تم ایسے گھروں میں جاؤ جس میں کوئی رہتا نہ ہو اور ان میں تمہاری کچھ چیز ہو اور اللہ اس کو خوب جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔" (۲۹)

تفسیر ۔

غَيْرَ مَسْكُونَةٍ ۔

یعنی غیر آباد اور غیر رہائشی مکانات میں جانا ممنوع نہیں ہے۔ اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں۔

(۱) مہمان خانے، مسافر خانے، ہوٹل اور حمام وغیرہ۔ اس سے مراد ہیں۔ پس ضرورت کے تحت ان میں جایا جا سکتا ہے۔

(۲) اس سے مراد خرابے اور اُجاڑ مقامات ہیں جہاں قضائے حاجات کے لئے انسان جا سکتا ہے۔

(۳) تجارتی منڈیاں اور مال گودام وغیرہ۔ جس میں لوگوں کے سامان جمع ہوتے ہیں۔ پس ہر شخص اپنی غرض سے وہاں جا سکتا ہے۔

(۴) دورانِ سفر مسافروں کی قیام گاہیں مراد ہیں۔

علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ ایک ایسا معنیٰ مراد لیا جائے جس میں سب چیزیں آجائیں تو بہتر ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ ۔

یہ تنبیہہ ہے ان لوگوں کے لئے جو ظاہراً صاف نیت سے کسی کے گھر میں داخل ہوتے ہیں لیکن ان کی نیت میں بُرائی ہوتی ہے۔ پس وہ گھروں میں لوگوں کی عیب جوئی کے لئے جاتے ہیں اس لئے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ظاہر اور باطن سب کو جانتا ہوں۔ مجھ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔

ترجمہ ۔

"(اے رسولؐ) مومنوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی آنکھوں کو بند رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کو بچائیں (غیروں کی نظر سے) یہ ان کے لئے بہتر ہے۔ بیشک خدا ان چیزوں سے واقف ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔" (۳۰)

تفسیر ۔

آیت مجیدہ میں خداوند تعالیٰ نے تمام مومنوں کو ہر اس چیز سے نظر بند رکھنے کا حکم دیا ہے

جس کا دیکھنا حرام ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں ابن زید کا قول ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں حفظِ فرج کا حکم ہوا ہے اس سے مُراد بدکاری سے بچنا ہے۔ لیکن اس مقام پر حفظِ فرج سے مراد پردہ ہے۔ یعنی اپنی آنکھوں کو دوسروں کی شرمگاہوں کے دیکھنے سے بچاؤ اور اپنی شرمگاہوں کو دوسروں کی نظروں سے بچاؤ۔

تفسیر قمی میں حضرت امام جعفر علیہ السلام سے مروی ہے کہ قرآن مجید کی ہر آیت میں جہاں حفاظتِ فروج کا ذکر آیا ہے وہاں بدکاری سے حفاظت مراد ہے۔ سوائے اس آیت کے کہ یہاں نظر سے حفاظت مراد ہے۔ پس نہ کسی مومن مرد کے لئے یہ حلال ہے کہ وہ اپنے برادر مومن کے ستر کی طرف دیکھے اور نہ کسی مومن عورت کے لئے حلال ہے کہ وہ اپنی کسی مومنہ بہن کے ستر کی طرف دیکھے۔

آیت کے آخری حصے میں مومنوں کو خداوند تعالیٰ آگاہ کر رہا ہے کہ یاد رکھو کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہیں۔ وہ ہر چیز سے واقف ہے جو کچھ تم عمل کرتے ہو۔ چاہے وہ عمل پوشیدہ طور پر ہو یا ظاہر طور پر ہو۔ وہ ہر بات کا جاننے والا ہے۔

ترجمہ

"(اے رسولؐ) کہہ دیجئے مومن عورتوں سے کہ وہ اپنی آنکھوں کو نیچے رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کو (غیروں کی نظر سے) بچائیں اور اپنے بناؤ سنگار کو سوائے اس کے جو خود بخود ظاہر ہو نہ ظاہر کریں اور ان کو لازم ہے کہ اپنے سینوں پر دوپٹہ ڈالیں اور اپنا بناؤ سنگار کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں۔ سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپ داداؤں کے یا اپنے شوہروں کے باپ داداؤں کے یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی (ہم مذہب) عورتوں کے یا اپنے غلاموں کنیزوں کے یا ایسے خدمت گاروں کے جن کو عورتوں کی ضرورت نہ ہو یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے بھیدوں سے واقف نہ ہوئے ہوں اور عورتیں (چلنے میں) اپنے پاؤں اس غرض سے (زمین پر زور سے) نہ ماریں کہ جو زینت وہ چھپائے ہوئے ہے وہ ظاہر ہو جائے اور اے مومنوں تم توبہ کرو سب کے سب اللہ سے تاکہ تم فلاح پاؤ" (۳۱)

تفسیر

اس آیت مجیدہ میں عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ہر اس چیز سے نظر کو بند رکھیں جس کا دیکھنا

حرام ہے اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں تاکہ غیر کی نظر اس پر نہ پڑے خواہ وہ عورت ہو یا مرد ہو۔

حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ "پردہ کی آیت کے نازل ہونے کے بعد میں اور حضرت میمونہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ حضرت عبداللہ بن مکتوم نابینا حضرت رسولِ خدا کے پاس آئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگ چھپ جاؤ۔ میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ یہ اندھے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ اندھا ہے تم تو اندھی نہیں ہو۔"

بعض تفسیر میں ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسولِ خدا حضرت فاطمۃ الزہرا کے حجرہ میں تشریف فرما تھے کہ حضرت عبداللہ بن مکتوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ پوچھنے آ گئے تو جناب فاطمہؑ اسی وقت اٹھ کر پردہ میں ہو گئیں۔ جس وقت حضرت مکتوم چلے گئے تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امتحان کی غرض سے جناب سیدہ سے پوچھا کہ اے فاطمہؑ تو نے عبداللہ سے پردہ کیوں کیا وہ تو نابینا ہے۔ جناب سیدہ نے فرمایا اگرچہ ان کی آنکھیں نہیں ہیں اور وہ مجھ کو نہیں دیکھ سکتے لیکن میری تو آنکھیں ہیں اور میں تو دیکھ سکتی ہوں۔"

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جوانِ انصار میں سے ایک شخص چلا جاتا تھا۔ اور ایک عورت سامنے سے مدینہ منورہ میں آئی اور وہ کانوں کے پیچھے زینت کئے ہوئے تھی۔ اس جوان نے اس کی طرف دیکھا اور ایک کوچہ میں داخل ہوا اور وہ عورت گذر گئی تو اس کے پیچھے کو دیکھتا تھا۔ اس دیکھنے میں اس کے ایک ہڈی یا دیوار میں لگا ہوا شیشہ اس کے منہ پر لگا جس سے اس کا منہ زخمی ہو گیا۔ اور خون بہنے لگا۔ جب وہ عورت چلی گئی تو اس نے اپنے کپڑوں اور سینہ پر خون دیکھا تو وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا اور آپؐ کو دکھایا اور حضرتؐ سے عرض کی۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی اور عورتوں کو حکم ہوا کہ اپنی زینت کو نامحرموں پر ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو کچھ ظاہر ہو۔

وَلَا يُبْدِينَ ـــ

عورت کو اپنی زینت کے ظاہر کرنے سے منع کیا گیا ہے اور زینت سے مراد مقامِ زینت ہے یعنی ہر نامحرم سے اپنے مقاماتِ زینت کو پوشیدہ رکھیں۔ سوائے ان مقامات کے جو کام کاج کے وقت بالعموم کھلے رہتے ہیں اور اس میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔

(۱) لباس، خلخال (جھانجھن)، کنگن اور جھمکے مراد ہیں۔

(۲) آنکھوں کا سرمہ، کنگن اور انگوٹھی مراد ہے۔

(۳) آنکھوں کا سرمہ انگوٹھی۔

(۴) چہرہ اور ہتھیلیاں مراد ہیں۔

بہرحال علمائے امامیہ کے نزدیک عورت پہ پردہ اس طرح واجب ہے کہ تمام اعضاء حتیٰ کہ بال بھی تمام نامحرموں سے پوشیدہ رکھے اور عورت کے وہ اعضاء، جو بالعموم کام کاج کے لئے اور گھریلو ضروریات یا معاشی مجبوریوں کے لئے کھلے رہتے ہیں۔ نامحرم لوگوں پر واجب ہے کہ ان کی طرف نظر نہ اٹھائے اتفاقاً نظر پڑ جانا گناہ نہیں ہے۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ ـــ

عورت کے لباس میں ضروری ہے کہ قدم ٹخنوں تک ڈھکے ہوئے ہوں اور ہاتھ پہنچیوں تک پوشیدہ ہوں اور اس کے بال مقنعہ سے چھپے ہوں۔ پھر اپنی اوڑھنیوں کے زائد حصے سے اپنے سینہ کو ڈھانپ لیں کہ دیکھنے سے کوئی حصہ نمایاں معلوم نہ ہو اور گھر سے نکلیں تو نظر نیچی ہو اور وقار سے چلیں اور یہی پردہ کا صحیح مفہوم ہے۔ قرآن مجید میں جن لوگوں سے عورت کو پردہ کرنا واجب نہیں ہے وہ یہ ہیں۔ باپ، دادا، دادا کے باپ، اور اسی طرح اوپر تک سلسلہ۔ شوہر، شوہر کا باپ، بیٹے، شوہر کے بیٹے، بھائی۔ بھائی کی اولاد، بہنوں کی اولاد، مومن عورتیں، کنیزیں، وہ خدمت گار جن میں مردوں کی خواہش نہ رہی ہو مثلاً احمق یا بوڑھا، کم سن بچے۔ آیت مجیدہ میں مومن عورتوں کا مومنہ عورتوں اور کنیزوں سے پردہ نہیں ہے۔ گویا کافروں، مشرکوں، یہودیوں، نصرانیوں اور مجوسیوں کی عورتوں سے بھی ان کو پردہ کرنا چاہیئے۔ تاکہ وہ گھروں میں جاکر اپنے مردوں کے سامنے ان کا حلیہ وصورت بیان نہ کریں۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ محرم مرد عورت پر کس حد تک نظر کر سکتا ہے تو آپؑ نے فرمایا کہ محرم مرد کے لئے عورت کا چہرہ، ہتھیلیاں اور قدم دیکھنا جائز ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ اہل تہامہ کی عورتیں، بدوی عورتیں، دیہاتی عورتیں اور کافر عورتیں چونکہ روکنے سے رکتی نہیں ہیں لہٰذا ان کی طرف نظر کرنا گناہ نہیں ہے۔ اسی طرح دیوانی اور پاگل عورتوں کی طرف نظر کی جا سکتی ہے۔ اور ان کے بال اور جسم کو بھی دیکھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اتفاقیہ ہو۔ عمداً نہ ہو۔ آپؑ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ذمی عورتوں کی کوئی حرمت نہیں ہے۔ لہٰذا ان کے بال اور ہاتھوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ جس عورت سے شادی کرنے کا خیال ہو تو کیا اس کو غور سے دیکھنا جائز ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ اس کا چہرہ اور کلائیاں دیکھنا جائز ہے۔ ایک تیسری روایت میں ہے کہ اس کے بال اور مقاماتِ حُسن کو بھی دیکھا جا سکتا ہے بشرطیکہ بُری نظر سے نہ ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ زرخرید غلام اپنی مالکہ کے بالوں کی طرف نظر کر سکتا ہے۔

عَلٰى جُيُوبِهِنَّ —

جیوب جمع ہے جیب کی اور یہاں سینہ مراد ہے۔ یعنی عورتوں کو چاہیئے کہ اپنی اوڑھنیوں کے زائد حصّہ کو سینہ پر ڈال دیں تاکہ نمائش نہ ہو سکے۔

ترجمہ —

"اور نکاح کر دو رانڈوں کا اپنے اندر جو نیک خصلت ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں کا اگر وہ نادار ہوں گے تو (اللہ) ان کو غنی کرے گا۔ اللہ اپنے فضل سے اور اللہ وسیع قدرت وعلم والا ہے۔" (۳۲)

تفسیر —

خداوند تعالیٰ مومنوں کو حکم دے رہا ہے کہ اے مسلمانوں جو تم میں غیر شادی شدہ ہوں خواہ وہ عورت ہو یا مرد خواہ وہ بیوہ ہو یا کنوارا یا کنواری ان کے نکاح کروا دیا کرو۔

اَلْاَيَامٰى —

یہ ایم کی جمع ہے اصل میں ایایم تھا۔ خلاف قیاس اس کو قلب کر کے ایامیٰ بنایا گیا ہے اور اس کے معنی ہیں غیر شادی شدہ۔ خواہ مرد ہو یا عورت، کنوارہ ہو یا رانڈوہ۔

اَنْكِحُوا کا امر بتلاتا ہے کہ غیر شادی شدہ مرد یا عورت کی شادی کرنا یا کرانا مستحب کام ہے نکاح کے معنی ہیں خود شادی کرنا اور انکاح کے معنی ہیں کسی دوسرے کی شادی کرانا۔ اور مِنْكُمْ کی ضمیر مخاطب اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ آزاد مرد و عورت جو تم میں سے ہوں ان کی شادی کراؤ اور اس کے بعد دوسرا حکم ہے کہ غلام و کنیزیں جو نیک خصلت ہوں اور نیک ہوں ان کی بھی شادی کرانا اللہ کو محبوب ہے۔

(انوار النجف)

اِنۡ یَّکُوۡنُوۡا —

یہ آزاد لوگوں کی شادی سے تعلق رکھتا ہے کہ اگر وہ فقیر و نادار ہوں گے تو خداوند تعالیٰ ان کو غنی کر دے گا۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے حدیث صحیح سے مروی ہے کہ جو شخص میری فطرت کو دوست رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ میری سنّت پر عمل کرے اور میری سنّت ہے نکاح۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا اے نوجوانو! اگر تم میں طاقت ہے تو ضرور شادی کرو۔ کیونکہ شادی کرنے سے آنکھ میں حیا رہتی ہے اور شرمگاہ میں عفت رہتی ہے۔ اور جس میں طاقت نہ ہو وہ روزے رکھتا رہے تاکہ حرام کار نہ بن سکے۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا شِرَارُکُمۡ عُزَّابُکُمۡ۔ یعنی تم میں سے بدترین لوگ وہ ہیں جو شادی نہ کریں۔ آپ نے فرمایا جس کا لڑکا جوان ہو جائے اور اس کی شادی کر سکنے کے باوجود نہ کرے پس لڑکے سے غلطی سرزد ہو جائے تو گناہ میں دونوں (باپ بیٹا) شریک ہوں گے۔ آپؐ سے مروی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے عرش کے اوپر چار قسم کے آدمیوں پر لعنت بھیجی ہے اور فرشتوں نے آمین کہی ہے۔

(۱) وہ شخص جو کنوارہ رہنا پسند کرے اور شادی نہ کرے تاکہ اولاد پیدا نہ ہو۔

(۲) وہ مرد جو اپنے آپ کو عورتوں کے مشابہ بناتا ہے حالانکہ خدا نے اس کو مرد پیدا کیا ہے۔

(۳) وہ عورت جو مردوں سے مشابہت پیدا کرے حالانکہ خداوند تعالیٰ نے اس کو عورت بنایا ہے۔

(۴) لوگوں کو پھسلانے والا نوجوان سے مسخری کرے۔ مثلاً کسی مسکین سے کہے اِدھر آؤ کہ میں تم کو کچھ دوں پھر اس کو خالی پلٹا دے۔

تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا "جو شخص ناداری کے خوف سے شادی نہ کرے گویا اس نے اللہ تعالیٰ پر بدگمانی کی۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے شادی کرو اگر تم نادار ہو گے تو میں تم کو غنی کر دوں گا"۔

چنانچہ مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں اپنے فقر و فاقہ کا شکوہ کیا تو آپؐ نے اس کو شادی کرنے کا حکم دیا۔ پس اس نے تعمیل حکم کرتے ہوئے شادی کر لی اور اللہ نے اس کو رزق وسیع عطا فرما دیا۔ (انوار النجف)

ترجمہ —

"اور انہیں پاک دامن رہنا چاہیئے جو نہیں کر سکتے نکاح (بوجہ ناداری کے) یہاں تک کہ خدا

ان کو غنی کر دے اپنے فضل سے اور جو لوگ چاہیں مکاتب ہونا تمہارے غلاموں میں سے تو ان کو مکاتب بنا لو۔ اگر جانتے ہو ان میں خوبی اور دو ان کو اللہ کے مال سے جو اس نے تم کو دیا ہے اور نہ مجبور کرو اپنی لونڈیوں کو برائی پر اگر وہ چاہیں پاکدامنی :۔ تاکہ حاصل کرو فائدہ دنیاوی زندگی کا۔ اور جو ان کو مجبور کرے تو اللہ ان کی اس مجبوری کے بعد اللہ بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے ۔“ (۳۳)

تفسیر

اس آیت مجیدہ میں خداوند تعالیٰ مومنوں سے فرما رہا ہے کہ جو مومن نکاح کی استطاعت نہ رکھتے ہوں انہیں چاہیئے کہ وہ پاکدامنی کی راہ اختیار کریں اور اس وقت تک پاکدامن رہیں جب تک کہ اللہ کا فضل ان پر نہ ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ اخراجات کی کفالت نہ کر سکیں اس وقت تک پاکدامن بن کر رہیں۔ اور حرامکاری کی طرف راغب نہ ہوں۔ پس اپنے نفس پر قابو پا کر رہیں۔ یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ ان کی مالی حالت کو اچھا کر دے۔ گویا صبر کرنا اور حکم خدا کے ماتحت پاکدامن رہنا غنا کا پیش خیمہ ہے۔ پس خداوند تعالیٰ ایسے نوجوانوں کو رزق حلال عطا کرے گا۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے گروہ نوجوانوں کے جو کوئی کہ قدرت رکھتا ہو نکاح کی۔ یعنی اس کے اسباب رکھتا ہو پس اسے چاہیئے کہ نکاح کر لے اور جو کوئی قدرت نہیں رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ روزہ رکھے۔ کیونکہ روزہ نفسانی خواہش ختم کرتا ہے۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ جو کوئی میری سنت کا انکار کرے وہ میری امت میں سے نہیں ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ جو بیوہ نکاح نہیں کرتی ہیں اس ملک میں اور نفس کشی کرتی ہیں یہ طریقہ ان کے لئے بہتر نہیں ہے بلکہ قابل مواخذہ ہے۔ اور اگر عورت کو باز رکھتے ہیں تو باز رکھنے والے گنہگار ہوں گے۔ اور دوسرا نکاح کرنے میں کچھ عیب نہیں ہے۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حکم الٰہی اور اپنے پیغمبرؐ کی پیروی کرتے ہوئے دوسرا نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اس پر عمل بلا تعمل کیا جا سکتا ہے۔

دوسرا حکم غلاموں اور کنیزوں کے بارے میں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تمہارے غلام اور لونڈیاں (آزاد) مکاتب ہونا چاہتے ہیں تو ان کو بلا تعمل مکاتب کر دو۔ خدا اس کے عوض تمہیں غنی کر دے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جو غلام آزادی کے لئے تم سے درخواست کرے تو تم تحریری معاہدہ کر کے کہ اتنے مال کی ادائیگی کے بعد تم آزاد ہو جاؤ گے معاہدہ لکھ دو۔ اگر تم اس میں بہتری جانتے ہو۔

مکاتب کے معنی یہ ہیں کہ غلام اور مالک میں باہم یہ اقرار ہو جائے کہ اتنا روپیہ ادا کر دینے پر غلام آزاد ہو جائے گا اس کی دو حالتیں ہیں۔

(۱) **مکاتب مطلق۔**

یہ کہ جتنا ادا کرتا جائے اتنا آزاد ہوتا جائے گا اس کو مکاتب مطلق کہتے ہیں۔

(۲) **مکاتب مشروط۔**

یہ کہ جب تک کل ادا نہ کرے کچھ بھی آزاد نہ ہو گا اس کو مکاتب مشروط کہتے ہیں۔ چونکہ غلامی ایک قسم کا عذاب ہے اس وجہ سے مسلمانوں کو اس سے چھٹکارا دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اس میں بھی شرط ہے کہ اس میں صلاحیت دیکھ لے یعنی چور یا آوارہ نہ ہو۔

غرضیکہ اس آیت مجیدہ میں دوسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ آقا اپنے غلام کے ساتھ ظلم نہ کرے بلکہ اگر وہ مکاتبت چاہتا ہے تو کر دے چاہے اس کو (غلام کو) دوسروں سے بھیک مانگنی پڑے۔ خداوند تعالیٰ مومن کے اس عمل کو خیر ٹھہراتا ہے اور جو مومن خیر چاہتا ہے وہ اپنے غلام سے معاہدہ کرنے کے بعد اس کو مکاتب کر دے۔ پھر یہی نہیں بلکہ آقا پر فرض ہے کہ وہ اپنے مال میں سے اس کو بھی دے کیونکہ خداوند تعالیٰ اپنے بندوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ رزق پہنچاتا ہے اور ایک طرح سے مومن کی مدد من جانب اللہ کی جاتی ہے۔

وَاٰتُوْهُمْ۔

غلام کو مکاتب کرنے کے بعد حکم الٰہی یہ ہے کہ جو مال تم کو خداوند تعالیٰ نے دیا ہے اس میں سے کچھ مال غلام کو بھی دو۔ یعنی جو رقم معاہدہ میں مقرر کی گئی ہے اس میں کمی کر دی جائے۔ چنانچہ بروایت کافی حضرت امام جعفر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا رقم وصول کرنے کے لئے جو قسطیں مقرر کی جائیں ان میں کمی کرنی چاہیئے زیادتی نہیں کرنی چاہیئے۔ چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے چھ ہزار میں سے اپنے غلام مکاتب کو ایک ہزار معاف کر دیئے تھے۔

بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ آیت مجیدہ تمام مومنین کو مکاتب غلاموں کی آزادی میں امداد کرنے کا حکم دے رہی ہے یعنی سب مل جل کر اس کی مدد کریں تاکہ وہ اپنی قیمت ادا کر کے آزادی کا سانس لے سکے۔ اسی لئے زکوٰۃ لینے والے مستحقین میں غلاموں کو بھی شامل سمجھا جاتا ہے۔

وَلَا تُكْرِهُوا۔

نزولِ آیت مجیدہ کے سلسلے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی بکر کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کی چھ لونڈیاں تھیں۔ جن کو وہ بدکاری پر مجبور کرتا تھا۔ پس ان لونڈیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں آکر شکوہ کیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مجمع البیان)

تفسیر قمی میں ہے کہ عرب و قریش لونڈیاں خریدا کرتے تھے اور ان کو حکم دیتے تھے کہ جاکر بدکاری کرو اور کمائی حاصل کرو۔ پس خداوند تعالیٰ نے ان لوگوں کو اس آیت مجیدہ کے ذریعہ منع فرمایا ہے۔

اس کا شانِ نزول خاص ہے لیکن اس کے باوجود اس کا حکم عام ہے جو لونڈیوں اور آزاد عورتوں دونوں کے لئے آسکتا ہے۔ اس آیت سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ کوئی بھی شخص کسی کو بدکاری پر مجبور نہیں کرسکتا۔ خواہ وہ لونڈی ہی کیوں نہ ہو۔ لونڈی کو بھی بدکاری پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کے لئے سخت عذاب ہے۔ جیسا کہ آگے کی آیت سے ظاہر ہے۔ وَمَنْ يُكْرِهْهُنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○

إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں اور شادی کی خواہش مند ہوں تو ان کی شادی کردینی چاہیئے۔ اور ان کے لئے ایسے مواقع فراہم نہیں کرنے چاہئیں کہ وہ بدکاری میں مُبتلا ہوں۔ پھر یہ بھی حکم ہے کہ مالک ان کو شادی سے محروم نہیں کرے۔ کیونکہ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو وہ اپنی کنیز کو اس کی حرامکاری کے راستہ کو ہموار کرتا ہے پھر آیت مجیدہ میں اس بات کا بھی واضح اعلان ہے کہ مالک اگر کنیزوں کو جبر و اکراہ سے بدکاری کرنے پر مجبور کرے گا تو خدا مجبور عورت کا جرم تو معاف کردے گا لیکن مجبور کرنے والے مالکوں اور سرداروں کو معاف نہیں کرے گا۔ بلکہ ان کو اس عمل کی وجہ سے سخت عذاب میں مُبتلا کیا جائے گا۔

ترجمہ۔

"اور تحقیق ہم نے اُتاریں تمہاری طرف واضح آیات اور مثالیں ان لوگوں کی جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اور نصیحت ہے متقیوں کے لئے" (۳۴)

تفسیر

اس آیت مجیدہ میں مومنوں کو آگاہ کیا جارہا ہے کہ ہم نے تمہاری طرف واضح نشانیاں اور احکام

بھیجے ہیں۔ پھر یہی نہیں بلکہ ماضی کے گذرے ہوئے حالات کو بھی واضح طور پر بیان کردیا ہے اس لئے اب تم ان آیتوں سے سبق لو۔ اور یہ آیتیں تمہارے لئے نصیحت ہیں۔ اور جو لوگ تقویٰ اختیار کریں گے اور اللہ سے ڈریں گے ان کے لئے یہ آیات فلاح پہنچائیں گی۔ اس لئے تم پر لازم ہے کہ ان آیات سے سبق لو اور فلاح پاؤ۔

ترجمہ۔

"اللہ روشن کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال اس روشندان کی سی ہے جس میں زبردست روشن چراغ ہو وہ چراغ ایک شیشے کی قندیل میں ہو اور وہ قندیل ایسی ہو جیسے ایک چمکتا ہوا ستارہ اور زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے روشن ہو جو نہ شرقی ہو اور نہ غربی ہو۔ قریب ہے کہ اس کا تیل خود بخود روشن ہو جائے گو آگ اس کو نہ چھوئے وہ نور بالائے نور ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے نور کی راہ بتلا دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا (پورا پورا) جاننے والا ہے۔" (۳۵)

تفسیر۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ۔

آیت مجیدہ میں اس مقام پر مفسرین نے مختلف آراء پیش کی ہیں:۔

(۱) نور کے معنی ہدایت اور مراد ہادی ہے۔ یعنی اللہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوق کا ہادی ہے۔

(۲) نور کے معنی منوّر بصورت مجاز مرسل یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو چاند و سورج اور ستاروں کے ذریعہ روشنی بخشنے والا ہے۔

(۳) نور کے معنی زینت اور مراد مزیّن ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو انبیاء علیہم السلام و اولیاء علیہم السلام کے وجود سے زینت عطا کرنے والا ہے اور چونکہ خداوند تعالیٰ کے لئے ہر نفع اور احسان و انعام کا فاعل حقیقی ہے اس لئے اس پر نور کا اطلاق کیا گیا ہے۔
(انوار النجف)

یعنی اللہ جو آسمانوں اور زمینوں کے لئے نور ہے کہ اس کو عدم سے نکال کر زیورِ وجود سے آراستہ کرنے والا ہے اور ظلمت و جہالت سے نکال کر بقعۂ نور ہدایت کی طرف لانے والا ہے اور جس طرح ظاہری طور پر شمس و قمر اور ستاروں کے ذریعہ سے اس نے عالم کو اُجالا بخشا۔ اسی طرح معنوی اور روحانی

طور پر انبیاء و مرسلین اور اوصیاء طاہرین کے ذریعہ سے اس نے ظلمت (کفر و شرک) کو مٹانے کے لئے عالم کو نور ایمان سے تابناک بنانے کے انتظام کئے۔ پس اس کے نور کی مثال جس کے ذریعہ سے عالم وجود کو بقاء نور حاصل ہوا۔ مثل ایک مشکوٰۃ (چراغ) کے ہے۔ اس جگہ نور سے مراد ایمان یا قرآن مجید یا ذات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہیں۔ (انوار النجف)

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ مشکوٰۃ رومی زبان سے عربی کی طرف لایا گیا ہے۔ اور بعضوں نے اس کو عربی بھی کہا ہے۔ بہرکیف اس سے مراد دیوار میں چراغ رکھنے کا وہ جالا ہے جس کے آگے شیشہ لگا ہوا ہو اور پیچھے کی طرف سے چراغ اندر رکھنے کا راستہ الگ بنایا گیا ہو۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ التوحید میں جناب امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان کے رہنے والوں کا بھی راہ نما ہے اور زمین کے رہنے والوں کا بھی رہبر ہے۔

التوحید میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی منقول ہے کہ یہ ایک مثل ہے جو خداوند تعالےٰ نے ہمارے لئے بیان کی ہے اور آپ ہی سے یہ منقول بھی ہے کہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ تو ایسا ہی ہے اور مثل نور سے مراد جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اور مشکوٰۃ سے مراد سینۂ مبارک جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم فِیْہَا مِصْبَاحٌ سے مراد اس میں نور علم یعنی نبوت ہے۔ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ سے مراد علم جناب رسول خدا قلب علی مرتضیٰ میں در آیا۔ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ فرمایا اس سے مراد جناب علی مرتضےٰ ہیں جو نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی۔ یَکَادُ زَیْتُہَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ۔ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ قریب ہے کہ علم (خود کثرت کے باعث) عالم آل محمدؐ کے منہ سے قبل اس کے وہ گویائی ہوں لے لے یَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ۔

تفسیر قمی میں بروایت جناب امام جعفر صادق علیہ السلام و جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے یہ مثل مومن کے لئے بیان کی ہے۔ پھر فرمایا کہ مومن یکے بعد دیگرے پانچ نوروں میں منتقل ہوتا ہے۔

(۱) اس کی آمد بھی نور ہے (۲) اس کی روانگی بھی نور ہے (۳) اس کا کلام بھی نور ہے (۴) اس کا علم بھی نور ہے (۵) اور قیامت کے دن اس کی جو بازگشت جنت کی طرف ہوگی وہ بھی نور ہے۔ راوی نے عرض کی یا ابن رسول اللہ لوگ تو کہتے ہیں کہ یہ پروردگار عالم کے نور کی مثل ہے۔ فرمایا سبحان اللہ (ان لوگوں کے کیا کہنے) اللہ کی تو کوئی مثال ہی نہیں کیا خداوند تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ (اللہ تعالیٰ کے لئے مثالیں نہ بیان کرو۔)

کتاب التوحید اور معانی الاخبار میں بروایت جناب امام جعفر صادق علیہ السلام منقول ہے کہ آپ نے اس آیت اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ مشکوٰۃ سے مراد حضرت فاطمۃ الزہرا اور مصباح سے حضرت امام حسن علیہ السلام اور زجاجہ سے حضرت امام حسین علیہ السلام مراد ہیں۔ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ۔ یہ جناب سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کا ایک وصف ہے کہ وہ معصومہ تمام عالم کی عورتوں میں ستارۂ روشن کی مانند ہیں۔ يُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ سے جناب ابراہیم علیہ السلام مراد ہیں۔ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ کا مطلب یہ ہے کہ وہ حضرت نہ یہودی تھے نہ نصرانی۔ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ کا مطلب یہ ہے کہ اس شجر مبارک سے علم کا چراغ روشن ہوگا۔ اگرچہ آگ اس کے قریب بھی نہ جائے۔ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ سے مقصد یہ ہے کہ ایک امام کے بعد دوسرا امام ہوتا رہے گا۔ (یہاں تک کہ بارہویں پر دنیا ختم ہو جائے) يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔ سے یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ اظہار واقعہ ہے۔

اسی کتاب میں فضیل بن لیسار سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ اے مولا! قول باری تعالیٰ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا خدائے بزرگ و برتر ایسا ہی ہے۔ میں نے عرض کی پھر مَثَلُ نُوْرِهٖ سے کیا مراد ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ میں نے عرض کی كَمِشْكٰوةٍ کیا ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا کہ جناب رسولؐ خدا کا سینہ مبارک۔ میں نے پوچھا فِيْهَا مِصْبَاحٌ کیا چیز ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا اس میں نور علم یعنی نبوت ہے۔ میں نے دریافت کیا اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ کا کیا مطلب ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا علم جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ قلب مطہر جناب امیرالمومنین علیہ السلام میں در آیا۔ میں نے عرض کی كَاَنَّهَا اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا كَاَنَّهَا یوں پڑھا جاتا ہے! میں نے عرض کی قربان ہو جاؤں پھر کیوں کر پڑھوں؟ فرمایا یوں پڑھو كَاَنَّهٗ كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ۔ فرمایا اس سے جناب امیرالمومنین علی ابن طالب مراد ہیں کہ وہ جناب نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی۔ میں نے عرض کی يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ سے کیا غرض ہے۔ حضرت نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ قریب ہے کہ علم عالم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ سے قبل اس کے کہ وہ گویائی سے کام لیں خود بخود نکلے۔ میں نے عرض کی نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ سے کیا مراد ہے؟

فرمایا کہ ایک امام کے بعد دوسرا امام ہوتا رہے گا۔ (یہاں تک کہ بارہویں پر دنیا ختم ہو جائے گی)
شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ۔ زیتون کے درخت کو اس لئے مبارک کہا ہے کہ یہ کثیر المنفعت درخت ہے۔ حتیٰ کہ اس علاقہ کو بھی بابرکت کہا گیا ہے۔ جس میں یہ درخت بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ مسجد اقصیٰ کے علاقہ کے متعلق فرمایا بَارَکْنَا حَوْلَہٗ اور فی الجملہ اس کے فوائد یہ ہیں:۔

(۱) اس کا تیل جلانے کے کام آتا ہے

(۲) اس کے ساتھ روٹی کھائی جا سکتی ہے۔

(۳) گھی کی جگہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔

(۴) اس کا رنگ اچھا ہوتا ہے۔

(۵) اس کی لکڑی جلانے کے کام آتی ہے۔

(۶) اس کا کوئلہ اچھا بنتا ہے۔

(۷) اس کی راکھ سے ریشم صاف کیا جاتا ہے۔

(۸) اس کا تیل نکالنے میں آلات کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اس مقام پر زیتون کی قید اس فائدہ کے ماتحت ہے کہ اس کے تیل سے جو چراغ جلتا ہے اس کی روشنی صاف اور تیز ہوتی ہے۔

اور مروی ہے کہ طوفانِ نوحؑ کے بعد یہ پہلا درخت ہے جو زمین پر اُگا اور جس زمین میں یہ درخت اُگا اس کو انبیاء علیہم السلام کا مسکن قرار دیا گیا۔

لَا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ ۔یعنی اس پر مشرق کی طرف سے نہ کوئی سایہ پڑتا ہے اور نہ مغرب کی جانب سے۔ بلکہ صبح و شام دھوپ میں رہتا ہے کیونکہ زیتون کا وہ درخت جو سایہ میں ہو اس کا تیل صاف نہیں ہوتا۔

پس آیت مجیدہ کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نورِ ہدایت خلق کے لئے معین فرمایا ہے۔ وہ مثل اس صاف و شفاف چراغ کے ہے جو دیوار کے جالے کے اندر ایک صاف شیشے کے پیچھے رکھا ہوا ہو۔ جس کی روشنی موتیوں کی طرح چمکنے والے آسمانی ستارے کی مانند ہو جو زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے جلایا گیا ہو۔ جس پر شرقی یا غربی کوئی سایہ اثر انداز نہ ہوا ہو۔

ترجمہ —

"ایسے گھروں میں ہے (کہ) جن کی نسبت خدا نے حکم دیا ہے ان کے بلند کرنے کا اور

ذکر کیا جاتا ہے ان میں اس کا نام تسبیح کرے اس کی ان میں صبح اور شام۔ (۳۶) ایسے بندے کہ نہیں مشغول کرتی ان کو تجارت اور نہ سودا بازی اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے۔ ڈرتے ہیں اس دن سے کہ بدلیں گے اس میں دل اور آنکھیں۔" (۳۷)

تفسیر

فِی بُیُوْتٍ مِشْکٰوۃٍ کی صفت ہے۔ یعنی وہ نور جس کی مثال مشکوٰۃ سے دی گئی ہے۔ وہ ایسے گھر میں ہے جن کے بلند کرنے اور ان کی عزت واحترام کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ جن میں صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کا ذکر ہوتا ہے اور ایسے بندے اس کا ذکر و تسبیح کرتے ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز و زکوٰۃ سے روک نہیں سکتی اور اس (قیامت) دن کا خوف کرتے ہیں جس دن دلوں اور آنکھوں میں انقلاب رونما ہوگا۔

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس اور حسن بصری کا قول منقول ہے کہ ان گھروں سے مراد مساجد ہیں۔ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔

اَلْمَسَاجِدُ بُیُوْتُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ وَھِیَ تَضِیْءُ لِاَھْلِ السَّمَاءِ کَمَا تَضِیْءُ النُّجُوْمُ لِاَھْلِ الْاَرْضِ۔

یعنی مساجد زمین پر اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں اور یہ آسمان والوں کے لئے اس طرح چمکتی ہیں جس طرح زمین والوں کے لئے ستارے چمکتے ہیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ عام مساجد مراد نہیں بلکہ اس سے مراد وہ چار مساجد ہیں جن کو انبیاء علیہم السلام نے تعمیر فرمایا ہے۔

۱۔ کعبہ۔ جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے تعمیر فرمایا ہے۔
۲۔ بیت المقدس۔ جس کو حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا ہے۔
۳۔ مسجد نبوی۔
۴۔ مسجد قبا۔

مسجد نبوی اور مسجد قبا کی تعمیر رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں ہوئی ہے۔

حضرت انس بن مالک اور حضرت بریدہ سے ابن مردویہ نے روایت کی ہے کہ جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت فی بیوت اذن اللہ کی تلاوت فرمائی تو ایک شخص نے عرض کیا یا حضرتؐ اس سے کون سے گھر مراد ہیں۔

آپؐ نے فرمایا انبیاء علیہم السلام کے گھر۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ اٹھ کر کھڑے

ہوئے اور حضرت علیؑ اور جناب سیدہؑ کے گھر کی طرف اشارہ کر کے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا یہ گھر بھی انہی گھروں میں ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ بلکہ ان میں یہی سب سے بہتر وافضل ہے۔ (تفسیر دُرِّ منثور جلد ۵ صفحہ ۵۰ مطبوعہ مصر۔ اور اس روایت کو ثعلبی نے بھی ذکر کیا ہے)۔

تفسیر قمی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ "ان بیوت سے مراد انبیاء علیہم السلام کے گھرانے ہیں اور جناب علی مرتضیٰ کا گھرانہ انہی میں داخل ہے۔"

کافی میں منقول ہے کہ حضرت قتادہ نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ میں بہت سے علماء کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیٹھا مگر کسی کے سامنے میرا قلب اس طرح مضطرب نہیں ہوا جس طرح حضور کے سامنے ہوتا ہے۔ فرمایا کہ تو جانتا بھی ہے کہ تو کہاں ہے؟ تو اُن گھروں کے سامنے ہے جن کی تعظیم کئے جانے کا خود خداوند تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ پس تو تو وہاں ہے اور ہم وہ ہیں۔ حضرت قتادہ نے عرض کی قربان ہو جاؤں واللہ آپؐ نے سچ فرمایا ہے۔ بیشک ان بیوت سے مراد مٹی اور پتھر کے مکان نہیں ہیں۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ۔

الفقیہ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام اور تفسیر مجمع البیان میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام اور جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ کچھ تاجر ایسے بھی تھے کہ جب نماز کا وقت آجاتا تو وہ اپنا لین دین چھوڑ کر نماز کو چلے آتے اور ان کا اجر ان لوگوں سے زیادہ تھا جو تجارت نہیں کرتے تھے۔

تفسیر برہان میں بروایت ابن شہر آشوب منقول ہے کہ ایک دفعہ بروز جمعہ دحیہ کلبی ملک شام سے کچھ مال لایا اور لوگوں کی اطلاع کے لئے شہر سے باہر ڈیرہ جما کر ڈھول طبل بجانے شروع کئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں نماز جمعہ کے لئے خطبہ پڑھ رہے تھے۔ پس طبل کی آواز سنتے ہی لوگوں نے جانا شروع کر دیا حتیٰ کہ مسجد خالی ہو گئی۔ مردوں میں سے صرف حضرت علیؑ حضرت امام حسنؑ و حسینؑ۔ حضرت سلمان فارسی۔ حضرت ابوذر غفاری۔ حضرت مقداد اور حضرت صہیب اور عورتوں میں صرف جناب سیدہؑ بچ گئیں۔ پس نہ کوئی ان کے علاوہ مرد رہا نہ عورت۔ سب کے سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطبہ پڑھتے چھوڑ کر

بعض خرید و فروخت کے لئے اور بعض تماشائی صورت بنا کر چلے گئے۔ سورۂ جمعہ آیت ۱۱ پ ۲۸ میں انہی لوگوں کی مذمت کی گئی ہے۔

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا الخ۔ پس حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے میری مسجد پر نظر کی ہے۔ اگر یہ آٹھ (۸) آدمی نہ ہوتے تو قوم لوطؑ کی طرح پورے شہر پر عذاب خداوندی نازل ہوتا۔ اور ان پر آگ اور پتھروں کی بارش نازل ہوتی۔ پس آٹھ (۸) آدمیوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

يَخَافُوْنَ يَوْمًا ۔

یعنی وہ اس دن سے ڈرتے ہیں کہ آنکھوں اور دلوں کے حالات میں انقلاب و تبدیلیاں واقع ہوں گی۔ دلوں پر انقلاب یہ ہوگا کہ وہ جنت کے طمع اور جہنم کے خوف کے اندر شش و پنج میں پڑے ہوں گے اور آنکھوں میں تقلب یہ ہوگا کہ وہ دائیں بائیں اپنے اعمال نامہ کی آمد کے منتظر ہوں گے اور متفکر ہوں گے کہ ہمیں کس طرف سے پکڑا جاتا ہے یا یہ کہ دل حنجروں تک پہنچ جائیں گے اور آنکھیں اندھی ہو جائیں گی یا یہ کہ دل شکوک کی منزل سے نکل کر یقین تک پہنچے ہوئے ہوں گے۔ اور آنکھیں جن چیزوں کو جھٹلاتی تھیں ان کو صحیح پائیں گے۔ پس دنیا میں جو شکی ہوگا وہاں اس کا شک یقین میں تبدیل ہو جائے گا۔ اور جو دنیا میں عالم ہوگا آخرت میں اس کی بصیرت میں اور اضافہ ہو جائے گا۔

ترجمہ ۔

"تاکہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے اللہ اس سے اچھا بدلہ دے انھیں اور اپنے فضل سے ان کے لئے کچھ اور بڑھا دے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے"۔ (۳۸)

تفسیر ۔

اس آیت مجیدہ میں خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو لوگ اس دن (قیامت) سے ڈرتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہوئے زندگی گذارتے ہیں اور اس قسم کے اعمال حسنہ بجا لاتے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اللہ ان کو ان کے حسن عمل کی جزا دے اور اپنے فضل و کرم سے زیادہ انعام و اکرام سے نوازے تو خداوند تعالیٰ (ایسے لوگوں کو دنیا و دین دونوں کے لحاظ سے نفع پہنچاتا ہے۔) اور ارشاد اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسے بندوں کو اپنی رحمت سے نوازے گا اور اللہ ان کو رزق بھی بے حساب دے گا اور آخرت میں ان کو بہترین مقام عطا کرے گا۔ کیونکہ وہ جسے چاہے بے حساب نواز سکتا ہے۔ ایسے لوگ جو دنیاوی حرص و لالچ میں نہیں پڑتے ہیں خداوند تعالیٰ ان کو خاص مقام آخرت میں بھی عطا کرے گا اور دنیا میں بھی۔

اور آخرت میں اپنے فضل وکرم سے اس قدر روزی دے گا کہ اس کا کچھ حساب نہیں ہوگا۔
جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ "آپ نے فرمایا کہ جو کوئی صبح کو مسجد میں جائے اس ارادہ سے کہ نماز فریضہ اس میں ادا کرے یا کسی سے کوئی دین کی بات سیکھے یا کسی کو سکھائے تو ثواب مجاہدین پائے گا۔ اس طرح کہ راہِ خدا میں جہاد کی اور مال غنیمت پایا۔"

ترجمہ۔

"اور وہ لوگ جو کافر ہیں ان کے اعمال مثل سراب کے ہیں۔ جیسے چٹیل میدان میں چمکتا ریت ہو کہ پیاسا اس کو پانی خیال کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچے تو کوئی چیز نہیں پاتا اور اللہ کو اپنے پاس پائے گا۔ پھر وہ اس کا پورا پورا حساب کر دے گا۔ اور اللہ جلدی حساب لینے والا ہے" (۳۹) "یا مثل ان تاریکیوں کے ہے جو گہرے سمندر میں ہوں جس میں موج پر موج پڑ رہی ہو۔ اور اُوپر بادل چھایا ہوا ہو ایک دوسرے کے اُوپر تاریکیاں ہوں۔ جب اپنا ہاتھ نکالے تو نہ دیکھ پائے اسے اور جس کو اللہ راہِ نجات نہ دے اس کے لئے راہِ نجات نہیں ہے۔" (۴۰)

تفسیر۔

اس آیت مجیدہ میں خداوند تعالیٰ کافروں کی مثال بیان کر رہا ہے کہ ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک پیاسا سراب کے پیچھے دوڑتا ہے لیکن جب قریب جاتا ہے تو کچھ نہیں پاتا۔ یہی حالت ان کافروں کی ہے۔ جو اپنے عمل کو بہتر سمجھتے ہیں ان کے عمل جو بظاہر اچھے ہیں مثلاً صلۂ رحمی اور فقراء اور محتاجوں کی مدد کرنا وغیرہ (مثل سراب) مانند دھوکا پانے کے ہیں۔
سراب سفید چٹیل میدان یا ریگ زار صحرا کی اس چمک کا نام ہے جو دوپہر یا اس کے بعد دھوپ پڑنے سے اس میں پیدا ہو کہ دُور سے آنے والے انسان کو پانی دکھائی دے۔ حتیٰ کہ اردگرد کے درختوں کے سائے بھی اس میں نظر آئیں۔ چنانچہ اس آیت مجیدہ میں کفار کے اعمال کو سراب سے تشبیہہ دی گئی ہے اور وہ اس لئے کہ روزِ محشر ان کے وہ اعمال جن کو وہ نیک اعمال سمجھتا تھا۔ روزِ محشر ان کی جزا کا وہ خواہش مند ہوگا اور مثل پیاسے انسان کی طرح ان کی طرف دوڑے گا۔ لیکن نتیجہ میں سراب کی طرح ان کی جزا کچھ نہیں پائے گا کیونکہ وہ ضبط ہو چکے ہوں گے اور جس طرح انسان سراب کے قریب پہنچ کر مایوس و ناکام پلٹتا ہے کافر بھی مایوس ہوگا۔ اور جب اللہ کے پاس پہنچے گا تو اپنا حساب پورا لے گا۔ اس کی نیکیاں تو سراب کی طرح کچھ نہیں ہوں گی۔ پس غلطیوں کی سزا میں جہنم رسید ہوگا اور کافر کے وہ اعمال جو اس کی نظر میں اعمال بد ہے وہ بروزِ محشر گھٹا ٹوپ تاریکیوں کی مثل ہوں گے کہ ان سے نجات مشکل سے حاصل ہوگی۔

دوسری آیت مجیدہ میں خداوند تعالیٰ ان کے اعمال کو بطور تمثیل بیان کرتا ہے کہ ان کے یہ اعمال مانند اندھیروں کے ہیں۔ اس طرح جیسے گہرا سمندر ہو اور پانی کی کثرت ہو اور کنارہ نہ دکھائی دیتا ہو۔ اور موج پر موج پڑ رہی ہو۔ جس کی وجہ سے تاریکی میں اور اضافہ ہو رہا ہو پھر بادل ہوں اور ستاروں کی روشنی پوشیدہ کئے ہوئے ہو۔ اور ایسا اندھیرا کہ پانی کی تاریکی کی کثرت، اس پر موج پر موج ہو اور ساتھ میں اس پر بادل ہوں۔ جب ایسا حال اندھیروں کا ہے اور پھر اس اندھیرے میں سے کوئی ہاتھ نکالے تو وہ اس کو نہیں دیکھ سکے گا۔ حالانکہ ہاتھ تمام اعضاء میں سب سے زیادہ انسان کے قریب ہوتا ہے۔ لیکن قریب ہونے کے باوجود وہ اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے اس کے اعمال بد کی تشبیہ دی ہے اندھیروں سے۔ اندھیروں پر اندھیرا ہو اور پھر ان کے اعمال کی بھی روشنی نہ ہو۔ یہاں اندھیروں سے مراد اعمال ہیں۔ گہرے سمندر سے مراد دل ہے اور موج پر موج جو اس کے دل کو پوشیدہ کرتی ہے وہ اس کا شرک اور جہل ہے اور بادل مہر ہے کہ جو اس کے دل پر ہے خدا نے لعنت کی ہے۔ غرضیکہ وہ ہدایت پانے والے نہیں۔

ترجمہ

"کیا دیکھتے نہیں ہو بیشک اللہ کی تسبیح کرتا ہے ہر وہ جو آسمانوں اور زمین ہے اور پرندے پر کھول کر تحقیق ہر ایک کی تسبیح و نماز کو اللہ جانتا ہے اور اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں" (۴۱)

تفسیر

خداوند کریم اس آیت مجیدہ میں اپنی عظمت و جلالت کا ذکر فرما رہا ہے اور توحید کی دلیل دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ان لوگوں سے کہیئے کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ کائنات کی ہر چیز اس کے سامنے اپنے حال و حیثیت کے لحاظ سے سجدہ ریز ہے۔ اور اس کی ثنا و مدح میں مصروف ہے۔ بیشک وہ خداوند تعالیٰ ہے کہ جس کی تسبیح انسان و جن تو کیا جو بھی زمین و آسمانوں میں ہیں کرتے ہیں بلکہ پرندے بھی پر کھول کر جب اڑتے ہیں تو کرتے ہیں۔

جب پرندے ہوا میں اپنے پروں کو کھول کر اڑتے ہیں اس وقت وہ خداوند تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں حالانکہ بھاری چیز اوپر سے نیچے گر پڑتی ہے۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے ان کو ایسی قدرت عطا کی ہے کہ وہ پروں کو کھول کر وہاں اڑتے ہیں اور گرتے نہیں ہیں۔ اور اس وقت وہ خدا کی تسبیح کرتے ہیں۔ یہ کمالِ قدرت ہے کہ اس نے ان بے زبانوں کو یہ تعلیم دی۔ وہ ہر ایک کی نماز و تسبیح کو خوب جانتا ہے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کتنی اس کی اطاعت و بندگی بجا لا رہے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ صلوٰۃ تو انسان کے واسطے ہیں اور تسبیح اور چیزوں کے واسطے۔

تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ منقول ہے۔ ایک مرتبہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے ایک خطبہ میں حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ کے فرشتوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ پوری روئے زمین پر وہ نہ سما سکیں گے اور جن و انسان اس کی حدود کا احاطہ نہ کر سکیں گے۔ پس ایسے فرشتے کے پورے جسم کی کیا تعریف کی جا سکے گی جس کے کندھے اور کان کے درمیان کا فاصلہ سات سو برس کی راہ ہو اور بعض ایسے بھی ہیں جن کا صرف ایک پر زمین و آسمان کی درمیانی فضا کو پُر کر دے گا۔ اور بعض ایسے ہیں کہ اگر سیدھے کھڑے ہوں تو سارے آسمان اس کی کمر کے نیچے رہ جائیں گے۔ اور بعض ایسے ہیں جن کے قدم تحت الثریٰ پر ہیں اور زمین کی موٹائی اس کے گھٹنوں سے نہیں بڑھ سکتی۔ اور بعض ایسے ہیں کہ ان کے انگوٹھے کے ناخن پر پوری دُنیا کا پانی ٹھہر سکتا ہے۔ اور بعض ایسے ہیں کہ اُن کے آنسوؤں کے پانی میں پوری دُنیا کے جہاز ہمیشہ ہمیشہ چلتے رہیں تو اس کا کنارہ نہ پا سکیں گے۔ اسی طرح آپ نے عجائب ہائے قدرت کی عظمت و کثرت کو بیان فرمایا کہ ہر ایک کی موٹائی پانچسو سال کی مسافت اور ان میں ہر دو کا درمیانی فاصلہ پانچسو برس کا سفر ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ "حاملینِ عرش آٹھ ہیں۔ اور ہر ایک کی آٹھ آٹھ آنکھیں ہیں کہ ایک آنکھ پوری دُنیا کے برابر ہے۔"

بروایت برسی حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملازمین و عملہ کا یومیہ خرچ سات کُر غلہ تھا۔ دریائی جانوروں میں سے ایک نے آپ سے ایک دن کی دعوت کا مطالبہ کیا جو آپ نے منظور کر لی۔ اور دریا کے کنارے ایک ماہ تک غلہ جمع کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ بڑے پہاڑ کے برابر ہو گیا۔ پس ایک دریائی جانور یعنی مچھلی نے سر باہر نکالا اور سب کو ایک نوالہ بنا کر ہڑپ کر لیا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے مزید خوراک کا مطالبہ کیا۔ آپ نے فرطِ حیرت سے دریافت کیا کہ سمندر میں تیری طرح کا کوئی اور بھی جانور ہے تو اس نے کہا ایک نہیں بلکہ ہزار۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام تسبیح پروردگار اپنی زبان پر جاری کی نیز مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ اگر تمام اہلِ زمین و آسمان مجھ سے مانگیں اور میں ہر ایک کو اس کا مطلوب دے دوں اور ہر ایک کو پوری دُنیا کا ستر گنا زیادہ دوں تب بھی میری عظمت میں کچھ کمی واقع نہ ہو گی اور یہ اس طرح جس طرح بھرے سمندر میں سے کوئی شخص نوک سوزن کو ڈبو کر باہر نکال لے تو سمندر میں کوئی کمی واقع نہ ہو۔

ترجمہ

"اور اللہ کے لئے ہے حکومت آسمانوں اور زمینوں کی اور اللہ کی طرف پھر کر جانا ہے۔" (۴۲)

تفسیر

خداوند کریم اس آیت مجیدہ میں بھی اپنی عظمت و جلالت کا اعتراف کروا رہا ہے کہ جن و انس تو کیا پرندے بھی اس کی تسبیح کرتے ہیں اس لیے کہ آسمان و زمین میں صرف اسی کی حکومت ہے اور ہر صاحب عقل جانتا ہے کہ اسی کی طرف لوٹ کر اسے جانا ہے۔

بادشاہی آسمانوں اور زمین کی خداوند قدوس کے لئے ہے۔ اور خداوند تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے (یعنی روزِ قیامت)۔

ترجمہ

"کیا نہیں دیکھتے ہو بیشک اللہ ہانکتا ہے بادل کو پھر جمع کرتا ہے اس کے ٹکڑوں کو پھر ان کو کرتا ہے تہہ بہ تہہ۔ پس دیکھتے ہو بارش کو نکلتی ہے اس کے اندر سے اور اتارتا ہے آسمان سے پہاڑوں سے اس میں اولے ہیں۔ پس ہلاک کرتا ہے اس کے ذریعہ جیسے چاہے اور پھیر لیتا ہے جس سے چاہتا ہے۔ قریب ہے کہ بجلی کی چمک ختم کر دے آنکھوں کی بصارت کو" (۴۳)

تفسیر

اس آیت مجیدہ میں خداوند تعالیٰ اپنی عظمت و جلالت اور توحید کی دوسری دلیل دے رہا ہے کہ انسان کیا نہیں دیکھتا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ بادل کو پیدا کرتا ہے پھر ان کو ہانکتا ہے۔ اور پھر ان کو تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے اور پھر ان چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو تہہ بہ تہہ کرنے کے بعد گھنگھور گھٹا بنا دیتا ہے اور پھر ان سے بارش برستی ہے اور جس میں ٹھنڈے اور سخت اولے بھی برسا دیتا ہے (یہاں جبال بادلوں کو کہا گیا ہے کیونکہ بادلوں کے بڑے بڑے ٹکڑے مثل پہاڑوں کے دکھائی دیتے ہیں)۔ پھر اس بارش سے بہت سوں پر رحمت نازل کرتا ہے۔ اور بہت سوں پر عذاب۔ کیونکہ بارش کے ذریعے بہت سوں کی زراعت و درخت سرسبز و شاداب ہوتے ہیں۔ اور بہت سوں کے برباد ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ جس کو چاہتا ہے خدا اپنی رحمت سے نواز دیتا ہے اور اس طرف سے عذاب پھیر دیتا ہے۔ اور جس پر چاہے نازل کر دیتا ہے۔ اور اس میں واضح نشانیاں ہیں۔ اہل بصیرت کے لئے اور وہ وقت اب ان لوگوں کے لئے قریب ہے کہ بجلی کی چمک ان کی بصیرت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دے۔ یعنی ہدایت حاصل کرنے کی صلاحیت سلب کر لے۔

ترجمہ ـــ

"بدلتا ہے رات اور دن کو بیشک اس میں عبرت ہے صاحبان بصیرت کے لیے"۔ (۴۴)

تفسیر ـــ

اس آیت مجیدہ میں بھی خداوندکریم اپنی عظمت و جلالت و توحید اور قدرت کاملہ کی مزید دلیل دے رہا ہے کہ اللہ ہی وہ قادرِ مطلق ہے جو رات کو اور دن کو بدلتا ہے۔ یعنی رات آتی ہے تو دن پھر نکلتا ہے اور رات کی تاریکی کو ختم کر دیتا ہے۔ اور دن کا اُجالا ہر طرف پھیل جاتا ہے۔ اس آیت میں صاحبان عقل کے لئے لمحہ فکر ہے کہ وہ سوچیں کہ کیا انسان کے اختیار میں ہے کہ وہ رات اور دن کو اس طرح تبدیل کریں۔ وہ ذات صرف خداوند تعالیٰ کی ہے کہ اس نے ہر چیز کو مقام پر رکھا اور رات و دن کی تبدیلی اس کی قدرت کاملہ کی واضح دلیل ہے اور اس تبدیلی میں کسی کو دخل نہیں یہ سب اس وحدہٗ لاشریک کا کرشمہ ہے۔ لیکن آیت مجیدہ کے آخری حصے میں واضح طور پر اس بات کا اعلان کر دیا کہ یہ نشانی کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ یہ ایسی نشانی ہے جو صاحبانِ بصیرت کے لئے عبرت ہے اور صاحبان عقل اس سے راہِ ہدایت حاصل کر سکتے ہیں۔

ترجمہ ـــ

"اور اللہ نے پیدا کیا ہر چلنے والی چیز (جانور) کو پانی سے پس بعض ان میں سے چلتے ہیں پیٹ پر اور بعض ان میں سے چلتے ہیں دو پاؤں پر اور بعض ان میں سے چلتے ہیں چار پر۔ پیدا کرتا ہے اللہ جو چاہتا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔ (۴۵)

تفسیر ـــ

اس آیت مجیدہ میں بھی خداوندکریم اپنی عظمت و جلالت اور قدرت کاملہ کی مزید دلیل دے رہا ہے کہ اے انسان تو غور کر کہ ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا لیکن میں نے کسی کو پیٹ کے بل، کسی کو دو پاؤں سے اور کسی کو چار پاؤں سے چلایا۔ ہر ایک کی تخلیق ایک ہی انداز سے فرمائی لیکن اس کے وجود پر ہر ایک کی فطرت الگ الگ کر دی۔ کسی کو پیٹ سے کسی کو پاؤں سے چلایا۔ یہ سب اسی کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے ان میں کسی کو دخل نہیں ہے۔

مَنْ یَّمْشِیْ ـــ

یعنی زمین پر چلنے والے بعض جانور اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں۔ جیسے سانپ اور دوسرے بعض حشرات الارض اور بعض کے دو پاؤں ہیں۔ جیسے انسان اور پرندے۔ اور بعض کے چار پاؤں ہیں جیسے چوپائے اور جنگلی درندے وغیرہ ـــ

ترجمہ ۔

"تحقیق ہم نے اتاریں نشانیاں واضح اور اللہ ہدایت کرتا ہے جسے چاہے صراطِ مستقیم کی طرف" (۴۶)

تفسیر ۔

گذشتہ آیات میں خداوند تعالیٰ نے اپنی توحید کی دلیلیں ارشاد فرمائی تھیں۔ اور اس آیۂ مجیدہ میں ارشاد فرماتا ہے کہ یہ ایسی واضح آیات اور نشانیاں ہیں کہ ان کا سمجھنا مشکل نہیں لیکن اس سے وہی لوگ فائدہ اٹھائیں گے۔ جو صاحبِ بصیرت ہوں گے۔ اور جنہیں اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی حاصل ہوگی۔ اور جسے چاہتا ہے خداوند تعالیٰ سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔ اور وہ ان نشانیوں سے نیکی کا راستہ پا لیتے ہیں اور اپنی آخرت درست کر لیتے ہیں۔

ترجمہ ۔

"اور کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر اور ہم نے اطاعت مان لی پھر رُوگردانی کرتا ہے ایک فریق ان میں سے اس کے بعد اور ایسے لوگ مومن نہیں" (۴۷)

تفسیر ۔

اس آیت میں منافقوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور خداوند تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ مومن نہیں۔ کیونکہ مومن ایمان لانے کے بعد کبھی منکر نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ لوگ منافق ہیں جو زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور رسولؐ پر اور ہم آپؐ کے فرماں بردار اور اطاعت گزار ہیں لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو ان کا دعویٰ جھوٹا ثابت ہوتا ہے کیونکہ منافق اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ہرگز عمل نہیں کرتے۔ اس کی واضح وجہ ایمان نہ لانے کی ہے۔ کیونکہ وہ دل سے ایمان نہیں لائے اسی لئے وہ منکرِ حق ہوتے ہیں۔

دراصل منافق وہ لوگ تھے جو ہجرتِ نبویؐ کے بعد مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کے لئے ایمان میں داخل ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ ہم آپؐ پر اور اللہ پر ایمان لے آئے ہیں اور ہم آپ کے فرماں بردار ہیں۔ لیکن جب وہ اپنے خلاف کوئی بات پاتے تو اس سے ہٹ جاتے ہیں۔

ترجمہ ۔

"اور جب بلائے جائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ایک گروہ ان میں سے منہ موڑ لیتا ہے (۴۸) اور اگر فیصلہ ان کے حق میں ہو تو آتے ہیں مطیع بن کر (۴۹) کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا شک ہے یا وہ ڈرتے ہیں کہ اللہ ان پر ظلم کرے گا۔ اور اس کا رسول بلکہ یہی لوگ ظالم ہیں" (۵۰)

تفسیر —

ان آیات میں ان بدبختوں کی حالت کو بیان کیا جارہا ہے کہ جب ان کو اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاتے ہیں تو یہ منہ موڑ لیتے ہیں اس لئے کہ کہیں ان کے خلاف کوئی حکم نہ مل جائے۔ یہ لوگ ذرا ذرا سی بات میں رسول اللہ کی اطاعت سے جی چراتے ہیں۔ حالانکہ یہ جانتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ کبھی کوئی غلط فیصلہ نہیں دیں گے۔ اور وہ صحیح فیصلہ صادر فرمائیں گے لیکن اس کے باوجود آنے کو تیار نہیں ہوئے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ مومن نہیں ہیں لیکن ان کی ایک صفت یہ ہے کہ جب فیصلا اپنے حق میں پاتے ہیں تو بھاگے بھاگے اللہ کے رسولؐ کے پاس آتے ہیں اور اطاعت کی یقین دہانی کرواتے ہیں تو ان کا یہ عمل دراصل نفاق کا عمل ہے اور وہ اس مرض میں مبتلا ہیں۔ اسی لئے ان سے سوال کیا جارہا ہے کہ کیا وہ لوگ شک میں مبتلا ہیں یا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسولؐ ان پر ظلم کرے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے کہ وہ ظالم ہیں۔ جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے بارے میں بدگمانی رکھتے ہیں یا ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے خلاف فیصلہ نہ ہو جائے۔ اور ایسے منافقوں کے لئے سخت عذاب ہے۔

اِذا دُعُوا —

ان آیات کی شانِ نزول مفسرین نے مختلف بیان کی ہیں۔

صاحب کشاف و بیضوی ہیں اور دوسرے مفسرین نے اور حضرت ضحاک نے اس کی شانِ نزول یہ بیان کی ہے کہ علی ابن ابی طالب کا جھگڑا مغیرہ بن وائل سے زمین کے بارے میں ہو گیا تھا۔ حضرت علیؑ نے فیصلے کے لئے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جانے کو کہا اور مغیرہ نے جانے سے انکار کر دیا تھا اور ظلم کا الزام لگایا تھا۔ چنانچہ یہ آیتیں مغیرہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔

حضرت مقاتل اور اکثر مفسرین نے اس آیت میں منافق بشر کو مراد لیا ہے۔ کیونکہ بشر منافق کا ایک یہودی سے جھگڑا تھا اور یہودی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق فیصلہ کرنے اور اپنے حق ہونے کی وجہ سے آپ کو حکم قرار دینا چاہتا تھا اور بشر منافق کعب بن اشرف یہودی کو۔

ترجمہ —

" بیشک ایمان والوں کی بات یہ تھی جب بلائے اللہ اور اس کا رسول تاکہ حکم دیں ان کے درمیان تو وہ کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے مانا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔ (۵۱)

تفسیر —

گذشتہ آیات میں منافقوں کی حالت کو بیان کیا گیا تھا اور ان کی دلی کیفیت سے مسلمانوں

کو آگاہ کیا تھا کہ اصل میں یہ لوگ مومن نہیں ہیں کیونکہ یہ لوگ صرف زبانی اللہ اور اس کے رسولؐ کا اقرار کرتے ہیں مگر دل سے اطاعت گذار نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاتے تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ جب اللہ کا رسولؐ ان کو بلاتے تو یہ نہیں آتے اور اللہ کے رسول کے فیصلہ کو قبول نہ کرتے۔ لیکن دراصل یہ مومن نہیں ہیں بلکہ ان کے دلوں میں کفر ہے۔ اسی لئے اپنے خلاف فیصلہ قبول کرنے میں پس و پیش اور حیلے بہانے سے کام لے رہے ہیں چنانچہ ان آیات میں منافقوں کی مذمت کی گئی تھی۔

اب اس آیت میں مومنوں کی تعریف کی جارہی ہے اور انھیں بشارت دی جارہی ہے کہ وہ آخرت میں بھی فلاح پائیں گے اور دنیا میں بھی کامیاب ہوں گے اور ایسے لوگوں کے لئے بخشش اور نجات ہے کیونکہ مومن کی یہ صفت ہے کہ جب اللہ کا رسولؐ انہیں بلاتا ہے تو وہ کبھی پس و پیش نہیں کرتے بلکہ بلا تامل حاضر ہو جاتے ہیں اور جب مومنوں کے سامنے ایسے حالات آتے ہیں کہ انہیں کسی فیصلے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے فیصلے کے لئے انہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ حاضر ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے قبول کیا آپؐ کے فیصلے کو۔ پس خداوند تعالیٰ ایسے مومنوں کو بشارت دے رہا ہے کہ یہ بامراد ہیں اور ان کے لئے بخشش اور نجات ہے۔

ترجمہ ۔

" اور جو اطاعت کرے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اور ڈرے اللہ سے اور تقویٰ اختیار کرے پس وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں " (۵۲)

تفسیر ۔

اس آیت میں پھر خاص طور سے مومن کے عمل کا ذکر کرتے ہوئے خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو مومن اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت و فرماں برداری کرتا ہے اور اللہ کے عذاب اور نافرمانی سے ڈرتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے تو ایسے لوگ دنیا اور آخرت میں فلاح پائیں گے اور کامیاب ہوں گے۔

یَخْشَ ۔ یَتَّقْہِ ۔

اس آیت میں ان دونوں الفاظوں کو استعمال کیا گیا ہے۔

یَخْشَ ۔

اس کے معنی ہیں کہ ترک واجبات اور فعل حرام میں اللہ سے خوف کرنا۔

یتقہ ۔

اس کے معنی تقویٰ کے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ڈر سے واجبات پر پابند رہنا اور گناہوں سے کنارہ کش رہنا تقویٰ ہے۔

یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے لئے لازم اور ملزوم ہیں۔ اور مومن میں یہ دونوں صفات پائی جاتی ہیں۔

آیت نمبر ۵۱ اور ۵۲ کے شان نزول کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہیں کیونکہ آپ اپنے فیصلہ کے لئے اور حکم رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عین مطابق آپ اللہ کے رسولؐ کے پاس حاضر ہو گئے تھے لیکن فریق ثانی نے جانے سے انکار کر دیا تھا۔

تفسیر صافی اور تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نیز تفسیر قمی میں بھی آپؑ سے مروی ہے کہ اس کے مصداق حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب ہیں۔ اور یہ پوری آیت آپؑ کی شان میں ہے۔

اگر مومن کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے فیصلے کی طرف دعوت دی جائے تو اس پر فرض ہے کہ وہ اسے مان لے خواہ فیصلہ اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور جو حکم کے خلاف عمل کرتا ہے وہ ایک طرح سے دائرۂ اسلام سے نکل جاتا ہے اور مومن کی تعریف میں نہیں آتا۔

ترجمہ ۔

"اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی سخت اپنی تاکید کی قسمیں کہ اگر تو حکم کرے تو سب کچھ چھوڑ نکلیں گے۔ (اے رسولؐ) کہہ دیجئے قسمیں نہ کھاؤ، حکم برداری کی بیشک اللہ خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔" (۵۳)

تفسیر ۔

اس آیت میں کلام پاک کا رخ پھر منافقوں کی طرف ہو گیا ہے اور اس آیت مجیدہ میں ان کی (حالت) کیفیت کو بیان کیا جا رہا ہے۔ ان کا دستور تھا کہ وہ اپنی اطاعت و فرماں برداری کا یقین قسم کھا کھا کر رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دلاتے تھے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ اپنے حبیبؐ سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے کہ اے رسولؐ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم قسم کھا کھا کر یہ مت کہو کہ اگر آپؐ گھر سے نکل جانے اور وطن سے نکل جانے کا حکم بھی دیں تو ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ اور ہم آپ کے مطیع و فرماں بردار ہیں۔ بلکہ تم آگاہ ہو جاؤ کہ خداوند تعالیٰ تمہاری اس چال کو خوب جانتا ہے اور تمہاری منافقانہ باتوں کی حقیقت کا اس کو علم ہے۔ اس لئے اے رسولؐ آپ کہہ دیجئے کہ تم جھوٹی قسمیں کیوں کھاتے ہو، وطن سے نکلنے کا کوئی تمہیں حکم کیوں دے گا۔ بلکہ تمہیں تو دستور کے مطابق اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کا حکم دیا جاتا ہے۔ اسی پر قائم رہو اور اس بات سے آگاہ رہو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو یا جو کرنا چاہتے ہو اس کی

اللہ کو خبر ہے۔ کیونکہ وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

دراصل جھوٹی اطاعت والوں کا ہمیشہ یہی دستور ہوتا ہے کہ اطاعت کا بڑا دعویٰ کرتے ہیں اور قسمیں کھا کھا کر اطاعت کی یقین دہانی کرواتے ہیں لیکن جب وقت آتا ہے تو وفا نہیں کرتے چنانچہ خداوند تعالیٰ ایسے لوگوں کو متنبہ فرما رہا ہے اور اپنے حبیب کو خبر دے رہا ہے کہ آپ واضح طور پر کہہ دیجیے کہ تم قسمیں نہ کھاؤ بلکہ عمل سے ثابت کرو کہ تم اطاعت گذار ہو۔

ترجمہ ـــ

" (اے رسولؐ) کہہ دیجئے اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی پس اگر پھر جاؤ گے تو بے شک اس پر اپنا بوجھ ہے اور تمہارے ذمہ تمہارا بوجھ ہے۔ اور اگر تم اطاعت کرو گے اس کی تو ہدایت پاؤ گے اور نہیں رسولؐ پر سوائے پہنچانے کے کھول کر " (۵۴)

تفسیر ـــ

اس آیت میں منافقوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے اور تاکید کی جا رہی ہے کہ تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم حکم الٰہی کے مطابق اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت و فرماں برداری کرو۔ اور اگر تم ایسا نہیں کرتے ہو تو اس کے ذمہ دار رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نہیں بلکہ تم خود ہو۔ اور تمہارے عمل کا نتیجہ تمہیں ہی ملے گا۔ چنانچہ واضح طور پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے خداوند تعالیٰ کہہ رہا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) آپؐ کہہ دیجئے کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کی فرماں برداری کرو۔ اور اگر وہ یہ سب کچھ سننے اور اقرار کرنے کے بعد پھر جائیں اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت دل سے نہ کریں تو وہ اپنے اس عمل (گناہ) کا بوجھ خود اٹھائیں گے اور سزا پائیں گے۔ اور آپؐ کا کام تو صرف اللہ تعالیٰ کے پیغام کو اور کلام کو ان تک پہنچانا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے اپنی ذمہ داری پوری کر لی۔ اور اب ان کے کفر و منافقت کے سبب ان پر عذاب نازل کیا جائے گا کیونکہ پیغمبر علیہ السلام کا کام تو پیغام (ہدایت) بندوں تک پہنچانا ہے۔ چنانچہ اس آیت میں ایک طرح سے خداوند تعالیٰ اپنے حبیب کو تسلی بھی دے رہا ہے۔

مَا حُمِّلْتُمْ ـــ

تفسیر صافی ص ۳۵۳ پر بحوالہ کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک خطبہ میں جس میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نبوت کے جن سخت ترین احکام پر مامور کئے گئے تھے ان سب کو آپ نے ادا کر دیا اور جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اے قرآن مجید

کی تلاوت کرنے والو! اس کتاب اللہ کی رُو سے جو احکام تمہارے ذمہ عائد کئے گئے ہیں ان کے بارے میں خداوند تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ سوال مجھ سے بھی ہوگا اور تم سے بھی پوچھ گچھ ہوگی۔ مجھ سے صرف رسالت پہنچانے کی نسبت سوال ہوگا۔ اور تم سے ان امور کی بابت پوچھ گچھ ہوگی جو کتاب اللہ کی رُو سے تمہارے ذمہ عائد ہوتے ہیں اور وہ بھی جو میری سنّت کی رُو سے عائد ہوتے ہیں۔

ترجمہ

"وعدہ کیا ہے اللہ نے ان سے جو ایمان لائے تم میں سے اور عمل کئے نیک ان کو ضرور خلیفہ کروں گا زمین میں جس طرح کہ خلیفہ کیا اس نے پہلے لوگوں کو اور ضرور تمکن کروں گا ان کا وہ دین جو اس نے پسند کیا۔ ان کے لئے اور ضرور تبدیل کروں گا ان کے خوف کے بعد امن وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی شئے کو شریک نہیں بنائیں گے اور جو کفر کریں گے اس کے بعد وہی لوگ فاسق ہوں گے۔" ۵۵

تفسیر

اس آیت مجیدہ سے پہلے منافقوں کی حالت کو بیان کیا گیا تھا اور مومنوں کی صفات بیان کی گئی تھیں کہ مومن ہر حال میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضاجوئی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کوئی عمل حکمِ الٰہی اور حکمِ رسول اللہ کے خلاف نہیں کرتے۔

چنانچہ اس آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان اور اعمال صالحہ کرنے والوں سے ایک وعدہ فرمایا ہے کہ ان کے اس عمل کے عوض ان کو زمین پر حاکم و خلیفہ بنایا جائے گا۔ جس طرح ان سے پہلے اس نے کیا ہے۔ مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام و حضرت سلیمان علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام وغیرہ کو خلیفہ و حاکم بنایا۔ اور انہیں خلافت و امامت و حکومت و امارت عنایت فرمائی۔ اور ہر خطرے و خوف کو ان کے لئے امن سے بدل دیا۔

بعض لوگوں نے اس آیت مجیدہ کا مصداق صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کو لیا ہے اور بعض نے پوری امت کو اس آیت مجیدہ کا مصداق لیا ہے۔ لیکن فقہ جعفری کے پیروکار اس آیت مجیدہ کا مصداق آئمہ علیہم السلام کو لیتے ہیں۔ کیونکہ جو صفت اس آیت مجیدہ میں بیان کی گئی ہے۔ (اور اس آیت سے پہلے بھی جس واقعہ کی وضاحت ہوتی ہے۔) اسے صاف واضح ہوتا ہے کہ وہ صرف آلِ محمدؐ ہیں۔ تفسیر قمی میں ہے کہ یہ آیت قائم آلِ محمدؐ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

تفسیر صافی ص۳۵۳ پر بحوالہ کافی لکھا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت مجیدہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا کہ اس آیت مجیدہ کے مصداق آئمہ علیہم السلام ہیں۔

تفسیر مجمع البیان میں بروایت اہل بیت علیہم السلام مروی ہے کہ یہ آیت حضرت امام مہدی علیہ السلام و

آل محمدؐ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

تفسیر عیاشی میں ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے یہ آیت تلاوت فرما کر ارشاد فرمایا کہ واللہ! یہ ہم اہلبیتؑ کے شیعہ ہیں جن کے لئے خداوند تعالیٰ یہ سب کچھ ہم میں سے ایک شخص کے ہاتھوں انجام دے گا۔ جو اس امت کا (حضرت امام) مہدی (علیہ السلام) ہوگا۔ اور وہ وہی ہے جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما گئے ہیں کہ اگر دنیا کی عمر میں ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اتنا لمبا کرے گا کہ میری اولاد میں سے ایک شخص جس کا نام میرا ہی ہوگا حاکم ہو جائے اور تمام روئے زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح معمور کر دے جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر گئی ہو۔

الجامع میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ مجھے زمین کے انتہائی حصہ تک پہنچایا گیا پس مجھے اس کا مشرق بھی دکھایا گیا اور مغرب بھی اور عنقریب میری امت کی سلطنت اس مقام تک پہنچ جائے گی جہاں تک مجھے پہنچایا گیا تھا۔ نیز حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ زمین پر کوئی گھر خواہ وہ مٹی کا بنا ہوا ہو یا اُون کا ایسا باقی نہ رہے گا جس میں خدائے تعالیٰ کلمہ اسلام کو نہ پہنچا دے۔ خواہ کسی عزت دار کی عزت کے ساتھ پہنچے یا کسی ذلت والے کی ذلت کے ساتھ۔ اگر خداوند تعالیٰ ان کو عزت دے گا۔ تو جو اس آیت کے حقیقی اہل ہیں ان کو بھی انہی کے تابعین سے قرار دے گا۔ اور اگر ان سے توفیقِ ہدایت سلب فرمائے گا تو بھی ان کے بارے میں خداوند تعالیٰ باقاعدہ بازپرس کرے گا۔

ابو بصیر نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ یہ آیت قائم آل محمدؐ اور ان کے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن سنان سے مروی ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت مجیدہ کی تفسیر دریافت کی تو آپؑ نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب اور آئمہ علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا سے ظہور قائم آل محمدؐ کا زمانہ مراد ہے۔

علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ الَّذِينَ آمَنُوا سے مراد محمدؐ و آل محمدؐ ہیں۔ اور آیت مجیدہ میں اس امر کی بشارت ہے کہ وہ تختِ خلافت پر متمکن ہوں گے اور ملکی حکومت پر ان کو پورا پورا اقتدار حاصل ہوگا۔ جب کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام ظہور فرمائیں گے کَمَا اسْتَخْلَفَ کی تشبیہ صاف ظاہر کرتی ہے کہ جس طرح گذشتہ امتوں میں خداوند تعالیٰ نے صرف ان لوگوں کو خلافت دی جو اس کے اہل تھے۔ اسی طرح اب بھی وہی اہل کا انتخاب کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام کو نامزد

فرمایا۔ اور اسی طرح آلِ ابراہیم علیہ السلام کے اصطفائی کی خبر دی۔ پس اب بھی زمین کی حکمرانی اور اس پر مکمل تسلط کے لئے حضرت امام مہدی علیہ السلام کو خود بھیجے گا۔"

تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ بسند متصل حضرت جابر بن عبداللہ انصاری اور حضرت واثلہ ابن الاصقع نے بھی حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے منقول کیا ہے کہ ایک دفعہ جندل بن جنادہ بن جبیر حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ نے تین سوالات رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئے۔

۱۔ وہ کیا ہے جو اللہ کے لئے نہیں۔

۲۔ وہ کیا ہے جو اللہ کے پاس نہیں۔

۳۔ وہ کیا ہے جو اللہ کے علم میں نہیں۔

آپؐ نے فرمایا:۔ (۱) شریک اللہ کے لئے نہیں۔

(۲) ظلم اللہ کے پاس نہیں (۳) عزیز کا ابن اللہ ہونا اللہ کے علم میں نہیں ہے۔

پس حضرت جندل نے کلمۂ شہادت زبان پر جاری کیا اور مسلمان ہو گئے۔ پھر عرض کرنے لگے میں نے گذشتہ شب عالم خواب میں حضرت موسیٰؑ کی زیارت کی ہے۔ انہوں نے خواب میں مجھے آپؐ پر ایمان لانے اور آپؐ کے اوصیار کے ساتھ تمسک رکھنے کا حکم دیا ہے۔ میں اسلام تو لا چکا ہوں لیکن اوصیار کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اے جندل! میرے اوصیار نقبار بنی اسرائیل کی تعداد کے مطابق بارہ ہوں گے اور یکے بعد دیگرے آتے رہیں گے تو ان میں سے صرف پہلے تین کا زمانہ دیکھ سکے گا۔ پہلا ان میں سے سید الاوصیار حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہے۔ اور پھر اس کے بعد میرے دو فرزند (حضرت) حسن و حسین (علیہ السلام) ہوں گے۔ جب چوتھا یعنی علی ابن الحسین پیدا ہوگا تو مرجائے گا۔ اور دنیا میں سے تیرا آخری زاد دودھ ہوگا۔ آپ نے پھر یکے بعد دیگرے تفصیل وار حضرت امام مہدی علیہ السلام تک نام گنوائے اور فرمایا آخری غائب ہو جائے گا۔ اور جب ظہور کرے گا تو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ پس ان لوگوں کے لئے طوبیٰ ہے جو اس کی غیبت کے زمانے میں ایمان پر ثابت قدم رہیں گے اور صبر و شکر سے اس کی محبت کا دم بھرتے رہیں گے۔

ابن الاصقع کہتے ہیں کہ جناب امام حسین علیہ السلام کے زمانے تک حضرت جندل مدینہ میں رہے۔ پھر وہ طائف کو چلے گئے۔ نعیم بن ابو قیس نے مجھ سے بیان کیا کہ میں طائف میں حضرت جندل رضی اللہ تعالیٰ کے پاس گیا۔ آپ بیمار تھے۔ آپ نے پینے کے لئے دودھ مانگا اور کہا کہ مجھے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ میرا آخری رزق دودھ ہوگا۔ یہ کہہ کر وہ انتقال فرما گئے۔ اور طائف میں مقام کورا میں مدفون ہوئے۔"

ان تمام روایتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس آیت مجیدہ کے مصداق آلِ محمدؐ ہیں اور یہ آیت حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کی کھلی دلیل ہے۔ پھر اہلسنّت کی مستند کتب صحاح ستہ سے بھی بارہ امام (علیہ السلام) کے ہونے کی شہادت ملتی ہے۔

حضرت جابر بن سمرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا "میرے بارہ امیر ہوں گے"۔

حضرت جابر یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپؐ نے کچھ کہا (آہستہ سے) جس کو وہ سُن نہیں سکے اور (بعد میں) انھوں نے اپنے باپ سے پوچھا اس کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

" اور وہ سب کے سب قریش سے ہوں گے "۔ (صحیح بخاری باب ۲۹ صـــ۶۲۹ـــ)

اس قسم کی حدیثیں معمولی سی تبدیلی کے ساتھ بھی صحیح مسلم جلد دوم صـــ۱۱۹ـــ جامع ترمذی صـــ۲۱۹ـــ سنن ابن داؤد جلد دوم صـــ۲۱۰ـــ میں بھی ملتی ہیں۔

اس کے علاوہ صحیح مسلم جلد دوم صـــ۱۱۹ـــ میں عامر بن سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک خط حضرت جابر بن سمرہ کو لکھا اور اپنے غلام نافع کے ہاتھ بھیجا یہ درخواست کرتے ہوئے کہ وہ ایک حدیث بیان کریں جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنی ہو۔

حضرت جابر نے جواب میں لکھا کہ شب جمعہ جب اسلمی کو سنگسار کیا گیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا کہ آپ نے فرمایا "ایمان ہمیشہ جاری رہے گا۔ یہ قیامت تک باقی رہے گا۔ یا دوسرے لفظوں میں اس وقت تک کہ بارہ خلفاء جو قریش سے ہوں گے گذر جائیں گے"۔

مشکوٰۃ شریف جلد ۸ صـــ۹۳ـــ میں روایت ہے کہ (مسلمانوں کے درمیان) بارہ خلفاء ہوں گے"

مستدرک جلد ۴ صـــ۵۰۱ـــ میں روایت ہے کہ "اسلام میں بارہ حاکم ہوں گے جیسا کہ بنی اسرائیل میں تھے"

ظہور حضرت امام مہدی علیہ السلام کے لئے بھی صحاح ستہ میں ہے اور وہ احادیث مستند ہیں۔

فکیف اذا انزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم " کیا ہو گا اس وقت جب تم میں سے ابن مریم نازل ہوں گے اور تمہارا امام جو تم میں سے ہوگا"۔ (صحیح بخاری جلد دوم صـــ۴۲ـــ)

ارشادِ نبویؐ ہے کہ اس امت کے آخر میں ایک ایسا خلیفہ ہوگا جو ہاتھ بھر بھر کر مال دے گا اور اس کو شمار نہیں کرے گا۔ (صحیح مسلم حصہ چہارم صـــ۳۳۰ـــ)

ان دونوں حدیثوں میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کا نام نہیں لیا گیا۔ لیکن حدیث سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اخیر میں امام ہوگا۔

سلسلہ روایات سے حضرت عبید اللہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک میرے اہل بیت میں سے ایک شخص جس کا نام میرا جیسا ہوگا بادشاہ نہ ہو جائے گا۔ (جامع ترمذی شریف جلد دوم صـــ۱۵۳ـــ)

حضرت الجبار ابن جلار عطار، سفیان ابن عینیہ، عاصم زر عبد اللہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشادگرامی ہے کہ میرے بعد ایک شخص میرے اہلِ بیت میں سے ہی جس کا نام بھی میرا ہی نام ہوگا۔ تمام دنیا کا والی بادشاہ ہوگا حضرت عاصم فرماتے ہیں کہ ابو صالح نے بہ حوالہ ابو ہریرہ فرمایا کہ اگر ایک بھی دن قیامت میں باقی رہ جائیگا تو حضرت امام مہدی علیہ السلام کی حکومت و بادشاہت کے لئے خداوند تعالیٰ اس دن کو طول دے دیگا تاکہ حکومت عمل میں آجائے۔"

(جامع ترمذی جلد دوم ص۱۵۳)

محمد ابن بشار محمد ابن جعفر شعبہ زید عمر۔ ابو صدیق ناجی۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم آپ نے فرمایا کہ ہم لوگوں کو اپنے عہد کے بعد بدعتوں کے متعلق تصور ہوا تو حضورؐ سے دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میری امت میں ایک (حضرت) امام مہدی (علیہ السلام) کا ظہور ہوگا۔ (جامع ترمذی جلد دوم ص۱۵۳ تا ص۱۵۴)

اس کے علاوہ دوسرے راویوں نے بھی تھوڑی تبدیلی سے روایت بیان کی ہیں اور یہ تمام احادیث حسن اور صحیح ہیں۔

صحیح ترمذی باب المہدی جلد نہم ص۷۴ میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ دنیا ختم نہ ہوگی جب تک عرب کا مالک میرے اہلِ بیت میں سے نہ ہوگا۔ اس کا نام میرے نام کے موافق اور مطابق ہوگا۔ (یہ حدیث بھی صحیح اور معتبر ہے)۔

سنن ابوداؤد جزو چہارم ص۱۰۶ میں بھی مختلف راویوں کی احادیث ہیں جن کا متن تقریباً ایک ہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دنیا میں صرف ایک دن باقی رہ جائے۔ (یہاں زائدہ نے اپنی حدیث میں اتنا اور لکھا ہے) تو اللہ اس دن کو بڑھا دے گا (پھر رواۃ بالاتفاق بیان کرتے ہیں) یہاں تک کہ اللہ اس دن ایک شخص جو مجھ سے ہے یا میرے اہلبیت سے مبعوث کرے گا اور بھیج دے گا وہ میرا ہم نام ہوگا اور اس کے والد کا نام میرے والد کے ہم نام ہوگا۔

(کچھ حدیثوں میں اس فقرہ کا اضافہ ہے) کہ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جیسا کہ وہ ظلم سے لبریز ہوئی تھی۔

اسی کتاب میں ایک حدیث اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنا کہ وہ حضرتؐ فرماتے تھے کہ (حضرت امام) مہدی (علیہ السلام) میری اولاد میں اولاد (حضرت) فاطمہ سے ہوگا۔

(سنن ابوداؤد جزو چہارم ص۱۰۶)

سنن ابن ماجہ میں بھی مختلف راویوں کی روایتیں ملتی ہیں۔ جو اس بات کی شاہد ہیں کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اہلِ عرب کا امام ایک مردِ صالح ہوگا جب وہ نماز صبح کے لئے آگے بڑھے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور مسلمانوں کے امام پیچھے ہٹیں گے تاکہ حضرت عیسیٰ

علیہ السلام نماز پڑھائیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی پشت پر ہاتھ رکھ کر کہیں گے کہ تم آگے بڑھ کر نماز پڑھاؤ۔ یہ نماز تمہارے ہی لئے قائم کی گئی ہے۔ (سنن ابن ماجہ جلد دوم ص۵۱۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم اہلبیت ہیں۔ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے مقابلے میں آخرت کو پسند کیا ہے اور یہ میرے اہلبیت عنقریب میرے بعد بلا و امتحان میں مبتلا ہوں گے اور لوگ ان کی اطاعت نہیں کریں گے اور ان کو پراگندہ کیا جائے گا۔ مشرق کی ایک قوم لڑ کر فتح پائے گی اور وہ کچھ نہیں سنیں گے۔ جب تک حکومت میرے اہل بیت میں سے ایک آدمی نہ دے دیں گے۔ جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ جیسا کہ ظلم و جور سے بھری ہے۔ (ابن ماجہ جلد سوم ص۵۱۸ (خلاصہ رواۃ)

میری امت میں (حضرت امام) مہدی (علیہ السلام) ہوگا کہ کم از کم سات (۷ ہال ورنہ نو ۹) سال حکومت کرے گا۔ میری امت وہ نعمتیں حاصل کرے گی جو پہلے نصیب نہیں ہوئیں۔ ایک آدمی اٹھ کر یہ کہے گا کہ لے (حضرت امام) مہدی (علیہ السلام) مجھ کو دیجئے تو وہ کہیں گے کہ لو۔ (خلاصہ روایۃ)
(ابن ماجہ جلد دوم ص۵۱۸)

خلاصہ روایت۔ جس وقت وہ فتح کرے گا تو تم اس کی بیعت کر لینا۔ اس لئے کہ وہ خدا کا خلیفہ (حضرت امام) مہدی (علیہ السلام) ہے۔ (ابن ماجہ جلد دوم ص۵۱۹ طبع مصر)

(حضرت) مہدی (علیہ السلام) ہم اہل بیت میں سے ہے۔ (ابن ماجہ جلد دوم ص۵۱۹ طبع مصر)

سعید بن مسیب ام سلمہ ام المومنین سے راوی ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ (حضرت) مہدی (علیہ السلام) اولاد (جناب) فاطمہ سے ہوگا۔ (ابن ماجہ جلد دوم ص۵۱۹)

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مشرق کے لوگ اٹھیں گے اور (حضرت امام) مہدی (علیہ السلام) کے لئے حکومت قائم کریں گے۔ (سنن ابن ماجہ جلد دوم ص۵۱۹)

مسند احمد ابن حنبل میں بھی حضرت امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں احادیث ملتی ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ (حضرت) مہدیؑ ہم اہل بیت سے ہیں۔ اللہ ایک رات میں ان کے لئے بہتری پیدا کر دے گا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد اول ص۹۹)

رسول اللہؐ فرماتے ہیں کہ اگر دنیا میں صرف ایک دن باقی رہ جائے گا تو خدا ہم میں سے ایک آدمی بھیج دے گا جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ جیسے ظلم و ستم سے بھری ہے۔ (مسند طبع مصر ص۵۹)

دنیا ختم نہ ہوگی جب تک عرب کا مالک میرے اہلبیت میں سے میرا ہمنام نہ ہوگا۔ (مسند احمد ص۳۷۶)

یہی روایت دوسرے راویوں سے بھی منقول ہیں۔ (مسند احمد ص۴۳۰)

قیامت قائم نہ ہوگی جب تک میرے اہل بیت میں سے ایک شخص مالک (زمین) نہ ہوگا۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ جیسا کہ ظلم سے بھری تھی۔ (مسند احمد بن حنبل جلد سوم ص۱۷)

میری امت میں مہدی ہوگا۔ سات آٹھ یا نو سال رہے گا۔ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ (مسند ص۲۷)

اسی قسم کی اور احادیث بھی مسند احمد بن حنبل میں موجود ہیں۔

ان تمام احادیث کی روشنی میں اور آیت مجیدہ کی تفسیر سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے حبیب سے کئے ہوئے وعدے کو ایفا کرے گا اور ایفاء کا تعلق ایمان داروں سے ہے۔ پھر قرآن مجید کی دیگر آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ کا تقرر خود خداوند تعالیٰ کرتا ہے۔ اور پہلے خلیفہ کو بھی خود خداوند تعالیٰ نے مقرر فرمایا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ۔ (پ بقرہ آیت ۳۰-۳۲)

اس آیت مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ بنانے والا صرف خداوند تعالیٰ ہے۔ لوگوں کو اختیار نہیں ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے۔

یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض ۔ (پ۲۳ ص۲۶)

"اے داؤد میں نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے"

ایک اور ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

ترجمہ —

اور یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم پر (غالب کرنے کے لئے) دی تھی۔ ہم جس کے لئے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں۔ یقیناً تمہارا پروردگار بڑا حکمت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ اور ہم نے ان (ابراہیمؑ) کو اسحٰقؑ (بیٹا) اور یعقوبؑ (پوتا) عطا کیا۔ ہم نے ہر ایک راستہ دکھایا اور نوحؑ کو پہلے ہی راستہ دکھایا اور اس (ابراہیمؑ) کی اولاد میں سے داؤدؑ اور سلیمانؑ اور ایوبؑ اور یوسفؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بھی (راستہ دکھایا) اور ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور ذکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو بھی (راستہ دکھایا) یہ سب صالحین میں سے تھے۔ اور اسمٰعیلؑ الیسعؑ اور یوسفؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کو بھی (راستہ دکھایا) اور ہر ایک کو ہم نے تمام جہانوں پر فضیلت دی۔ اور ان کے باپ داداؤں میں سے ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے (بعض کو فضیلت دی) اور ہم نے انبیاءؑ کو چن لیا اور انہیں سیدھی راہ دکھاتے رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ دکھانا ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے راستہ دکھائے رکھتا ہے اور اگر اس کے بندوں نے شرک کیا ہوتا تو جو کچھ وہ کیا کرتے تھے سب ضائع ہوجاتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی۔ پس اگر یہ (کفار) ان چیزوں کا انکار کریں تو ہم نے یہ ان لوگوں کے سپرد کی ہیں جو ان کا انکار کرنے والے

نہیں ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے راستہ دکھایا ہے۔ پس تم بھی ان کے راستے کی پیروی کرو۔ (اے رسولؐ) کہہ دو میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ یہ تو جہانوں کے لئے ایک حقیقت ہے۔"

(پ۷ الانعام آیت ۸۳ تا ۹۰)

ایک جگہ اور ارشادِ ربانی ہے کہ :۔

ترجمہ :۔

اور اسی طرح تمہارا پروردگار تمہیں منتخب کرے گا اور تمہیں خوابوں کی تاویل تعلیم دے گا اور تم پر اور آلِ یعقوبؑ پر اپنی نعمت تمام کرے گا۔ جس طرح کہ وہ پہلے تمہارے دادا ابراہیمؑ اور دادا اسحاقؑ پر تمام کر چکا ہے۔ بیشک تمہارا پروردگار سب کچھ جاننے والا بہت حکمت والا ہے۔" (پ۱۲ یوسف آیت ۶)

سورہ یوسف میں ہی ہے کہ :۔

ترجمہ ۔

"حکم تو بس اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔" (پ۱۲ یوسف آیت ۴۰)

ترجمہ ۔

"ہم جس کے درجے چاہیں بلند کرتے ہیں اور ہر علم والے کے اوپر علم والا ہے۔"

(پ۱۳ یوسف آیت ۷۶)

قرآن مجید میں ہے کہ ۔

(قیامت وہ) دن ہوگا جب ہم ہر ایک کو ان کے اپنے امام کے ساتھ بلائیں گے۔"

(پ۱۵ بنی اسرائیل آیت ۷۱)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ۔

ترجمہ ۔

"اور موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہا کہ تم میری قوم میں میرے خلیفہ ہو اور اصلاح کرتے رہو اور فساد کرنے والے راستہ کی پیروی نہ کرنا۔" (پ۹ الاعراف آیت ۱۴۲)

سورہ المائدہ میں خداوند تعالیٰ اپنے حبیبؐ سے اس طرح مخاطب ہے کہ

ترجمہ ۔

اے رسول! جو کچھ تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دو۔ اور اگر تم نے نہ کیا تو تم نے اس کی رسالت کو نہ پہنچایا اور اللہ تعالیٰ تمہیں لوگوں کے شر سے بچائے گا۔ اللہ

منکروں کی قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔ (پ۶ المائدہ آیت ۶۷)

اسی سورہ میں اس ہدایت کے بعد خداوند تعالیٰ اپنے رسولؐ سے اس طرح خطاب کرتا ہے کہ۔

ترجمہ —

"آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے دین اسلام کو پسند کیا"

سورہ الانشراح میں ارشاد ربانی ہے کہ

ترجمہ —

"کیا ہم نے تمہارا سینہ کھولا نہیں۔ اور ہم نے تم سے وہ بوجھ اتار دیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑ ڈالی تھی۔ اور ہم نے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔" (پ۳۰ الانشراح آیت ۱ تا ۴)

ترجمہ —

"پس جب تم فارغ ہو جاؤ تو (اپنا وصی) مقرر کر دو اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔" (پ۳۰ الانشراح آیت ۷ — ۸)

ان تمام آیات سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ کسی نبی یا رسول کو خدا کے سوا کوئی اور منتخب نہیں کر سکتا۔ اور نہ کسی خلیفہ یا امام یا وصی یا وزیر کو خداوند تعالیٰ کے سوا کوئی منتخب نہیں کر سکتا۔ قرآن مجید میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی نبیؑ یا رسولؐ یا خلیفہ یا امام کو خدا کے بجائے لوگوں نے منتخب کیا ہو۔ بلکہ خداوند تعالیٰ نے بار بار اعلان فرمایا ہے کہ انتخاب کرنا صرف میرا کام ہے۔ فرشتے ہوں یا انسان۔ ان میں سے رسولوں کا انتخاب میں ہی کرتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔ اور اس کا انتخاب کر لیتا ہے۔

ان تمام دلائل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس آیت مجیدہ کا مصداق آئمہ علیہم السلام ہیں اور آخری امام حضرت امام مہدی علیہ السلام کی حکومت کی بشارت دی گئی ہے۔

ترجمہ —

اور نماز قائم کرو۔ اور زکوٰۃ دو۔ اور اطاعت کرو رسول کی تاکہ تم رحم کیا جائے۔ (۵۶)

تفسیر —

اس آیت مجیدہ سے پہلے خداوند تعالیٰ نے مومنوں سے وعدہ فرمایا تھا کہ ان کے نیک عمل کے سلسلے میں ان کو خلیفہ بنائے گا۔ کیونکہ انہوں نے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور اس کے رسولؐ کی فرماں برداری کی۔ چنانچہ اس آیت مجیدہ میں خداوند تعالیٰ مومنوں سے مخاطب ہے اور کہہ رہا ہے کہ تم ہر حال میں اطاعت

اللہ واطاعتِ رسولؐ کرو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت یہ ہے کہ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ اور جس نے احکام الٰہی کی ادائیگی کی اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی بغیر کسی لیس وپیش کے تو خداوند تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔

اس کے معنی ہم یوں بھی لے سکتے ہیں کہ مومن پر یہ واجب ہے کہ وہ نماز کو قائم کریں اور جو صاحب حیثیت ہیں وہ زکوٰۃ ادا کریں اور ہر حال میں اللہ کے رسول کی اطاعت کریں تاکہ ان کے اس عمل کے سبب ان پر خداوند تعالیٰ رحم کرے اور ان کو خاص مقام عنایت فرمائے۔

ترجمہ ــ

"ونہ خیال کرو ان کا جو کافر ہیں (کہ ہمیں) عاجز کرنے والے ہیں زمین میں۔ اور ان کا ٹھکانہ (دوزخ) آگ ہے اور وہ بُری بازگشت ہے" (۵۷)

تفسیر ــ

اس آیت مجیدہ میں کافروں کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپؐ ان کے بارے میں کچھ خیال نہ کریں۔ وہ چاہے کتنے ہی وسائل رکھتے ہوں یا زمین پر حکم ہوں یا طاقت رکھتے ہوں اللہ اور اس کے رسولؐ کے مقابل من مانی کرتے رہیں لیکن ان کو کامیابی نہیں ہوگی اور کافر اس زعم میں نہ رہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو ہرادیں گے اور مومنوں پر افضلیت حاصل کرلیں گے۔ اے رسولؐ یہ ان کا صرف زعم ہے۔ اور ان کے لئے یہ پیشین گوئی ہے کہ دنیاوی وسائل رکھنے کے باوجود یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے۔ اور ایسے کافر جو آپ کے منکر ہیں اور ہدایت الٰہی وہدایتِ رسولؐ کو نہیں مانتے ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اور آخرت میں ان کا بُرا ٹھکانہ ہے۔

ترجمہ ــ

"اے ایمان والو تم سے اجازت لینی چاہیئے ان لوگوں کو جن کے تم مالک ہو (غلام) اور وہ (لڑکے) جو حدِ بلوغ کو نہیں پہنچے ہوں۔ تم سے تین دفعہ نماز صبح سے قبل اور جب تم اتار دیتے ہو کپڑے دوپہر کے وقت اور نماز عشاء کے بعد تین پردے (کے اوقات) ہیں تمہارے لئے نہ تم پر اور نہ ان پر کوئی گناہ ہے، ان کے علاوہ پھرتے رہیں بعض تمہارے بعض پر۔ اسی طرح کا بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے آیتیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے" (۵۸)

تفسیر ــ

آیت مجیدہ میں خداوند تعالیٰ نے گھریلو زندگی کے بعض آداب کا ذکر فرمایا ہے۔ جس میں یہ حکم دیا ہے کہ زرخرید غلام اور وہ نابالغ لڑکے جس سے پردہ واجب نہیں ہوتا لیکن وہ حدِ تمیز کو پہنچے ہوئے ہیں تو گھر میں تین اوقات میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہوں بلکہ ان پر واجب ہے کہ تین اوقات میں جب وہ گھر میں داخل ہوں

تو اجازت لے لیں۔

(۱) نمازِ صبح سے پہلے۔

(۲) دوپہر کے وقت۔

(۳) نمازِ عشاء کے بعد۔

دراصل اسلام نے پردے پر بہت زور دیا ہے۔ اور اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی مسئلہ ایسا نہیں کہ جس میں مصلحت نہ ہو۔ اسی لئے غلام اور نابالغ بچوں کو بھی بغیر اجازت کے گھر میں آنے سے تین اوقات میں منع فرمایا گیا ہے۔ ان تین اوقات کے علاوہ وہ ہر وقت گھر میں آجا سکتے ہیں۔ اور ان کے آنے میں کوئی عذر نہیں ہے لیکن اس کے برعکس وہ لوگ جو نابالغ ہیں اور محرم بھی نہیں ہیں تو ان پر تو ہر وقت پابندی ہے۔ اور وہ جب بھی کسی کے گھر میں داخل ہونا چاہیں تو گھر کے مالک سے اجازت ضرور حاصل کر لیں۔ اور بغیر اجازت کے گھر میں داخل نہ ہوں۔

لِيَسْتَاْذِنْكُمُ ـــ

تفسیر صافی صفحہ ۳۵۴ پر بحوالہ کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تمہارے لونڈی غلام اور تمہارے نابالغ بچے تین وقتوں میں تمہارے پاس اجازت لے کر آئیں۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ جو تم میں سے بالغ ہو جائے وہ اپنی ماں، بہن، خالہ، پھوپھی یا کسی محرم کے گھر بغیر اجازت نہ جائے اور اجازت مانگنے سے پہلے سلام ضرور کر لے۔ کیونکہ سلام کرنا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا اظہار ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ تمہارا نوکر جب بالغ ہو جائے تو تین مقررہ وقتوں میں تم سے اجازت ضرور لے۔ خواہ وہ اسی گھر میں رہتا ہو جس میں تم رہتے ہو۔ یہ بھی فرمایا کہ عشاء کے بعد اور صبح کے وقت اور دوپہر کو جب تم کپڑے اتار ڈالتے ہو۔ تمہارے پاس اس لئے اجازت لے کر آنا لازم ہے کہ خداوند تعالیٰ نے یہ اوقات تمہاری خلوت اور عزت کے لئے مقرر فرمائے ہیں۔"

ترجمہ ـــ

"اور جب پہنچ جائیں بچے تمہارے سنِ بلوغ کو تو وہ (بھی) اجازت لیں جس طرح اجازت لیتے ہیں وہ جو اُن سے پہلے (جوان ہو چکے) ہیں یا اسی طرح بیان کرتا ہے۔ اللہ تمہارے آیات کو اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔" (۵۹)

تفسیر ـــ

اس آیت مجیدہ میں خداوند تعالیٰ گھریلو زندگی کے بعض آداب بتا رہا ہے اور ہدایت کر رہا ہے کہ جب تمہارے بچے بھی جوان ہو جائیں تو وہ بھی تین اوقات میں اجازت کے بغیر گھر میں داخل نہیں ہوں۔ کیونکہ جب وہ جوان

ہو جاتے ہیں تو دوسرے مردوں کی طرح کسی نامحرم گھر میں بغیر اجازت کے کسی وقت بھی داخل نہیں ہو سکتے لیکن اپنے گھر میں ہر وقت بغیر اجازت کے داخل ہو سکتے ہیں۔ سوائے تین اوقات مخصوصہ کے۔ چنانچہ خداوند کریم کہہ رہا ہے کہ تمہارے لئے میری آیات کھلی ہوئی ہیں۔ اور واضح احکام ہیں۔ اس لئے ان پر عمل کرنا ضروری ہے اور خداوند تعالیٰ تمہارے کسی عمل سے بے خبر نہیں ہے۔ کیونکہ وہ سب سے زیادہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اسی لئے اس نے تمہارے لئے واضح آیات نازل کی ہیں۔

ترجمہ ۔

"اور یائسہ عورتیں جو نہیں توقع رکھتیں نکاح کی۔ پس نہیں ان پر کوئی گناہ کہ اُتار دیں برقعوں کو نہ ظاہر کرنے والی ہوں زینت کو اور وہ اس سے بچیں تو ان کے لئے بہتر ہے اور اللہ سُننے والا جاننے والا ہے۔" (۶۰)

تفسیر ۔

اس آیت مجیدہ میں بوڑھی عورتوں کے لئے خداوند تعالیٰ حکم فرما رہا ہے اور ان کے احکام پردہ میں نرمی دے رہا ہے کہ وہ عورتیں جو ضعیف ہو چکی ہوں اور سن یاس کو پہنچ چکی ہوں کہ نکاح کرنا کوئی ان سے پسند نہیں کرے تو ان عورتوں پر پردہ اور برقعہ کی کوئی پابندی ضروری نہیں ہے۔ وہ کھلے منہ رہ سکتی ہیں بشرطیکہ مقاماتِ زینت کی نمائش نہ کرتی پھریں۔ اور ناپاک ارادہ دل میں نہ رکھتی ہوں۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ وہ برقعہ پہنے اور پورے حیا و شرم سے بسر اوقات کریں۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خداوند تعالیٰ عورت میں شرم و حیا کو کس قدر پسند کرتا ہے اور بوڑھی عورت تک کو منع فرماتا ہے کہ وہ کسی حال میں بھی اپنی شرم و حیا کو نہ جانے دیں۔ اور شرم و حیا کے حدود میں رہیں۔

آیت کے آخری حصے میں خداوند تعالیٰ اپنی حکمت کا ذکر فرما رہا ہے اور اپنی طاقت کا اعتراف کروا رہا ہے کہ اس سے کوئی بات یا کوئی حالت پوشیدہ نہیں ہے۔ اور وہ سب سے زیادہ سُننے والا اور جاننے والا ہے۔ اس لئے وہ تمہارے دلوں کے بھید کو خوب جانتا ہے۔

ترجمہ ۔

"نہیں اندھے پر حرج اور نہ لنگڑے پر حرج ہے اور نہ بیمار پر حرج ہے اور نہ تمہارے نفسوں پر کہ کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا وہ جس کی چابیوں کے تم مالک ہو یا تمہارے دوست کے گھر سے نہیں تم پر گناہ کہ مل کر کھاؤ یا الگ الگ پس جب داخل ہو گھر میں

تو سلام کرو ایک دوسرے پر دعا کے طور سے۔ اللہ کی طرف سے (یہ عمل) بابرکت پاکیزہ ہے۔
اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے آیات تاکہ تم عقل کرو" (۶۱)

تفسیر۔

تفسیر قمی میں بروایت ابی الجارود حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اسلام لانے سے پیشتر مدینہ کے لوگ اندھے، اپاہج اور بیمار لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے سے گریز کرتے تھے۔ پس انصار لوگ اپنے تکبر کے پیش نظر کہتے تھے کہ اندھے کو کچھ نظر نہیں آتا۔ اپاہج کے لئے مجمع میں بیٹھنا دشوار ہے اور بیمار آدمی تندرست کے ساتھ کھا نہیں سکتا۔ لہذا ان کو الگ حصہ نکال کر دے دیتے تھے۔ اور ان کے ساتھ کھانا گناہ سمجھتے تھے اور اسی طرح یہ لوگ بھی احساس کمتری میں مبتلا تھے کہ ہماری وجہ سے چونکہ دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے لہذا وہ لوگ الگ کھانے کو پسند کرتے تھے۔ پس جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگوں نے اس صورتِ حال کا ذکر کیا تو خداوند کریم نے یہ آیت نازل کی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب لوگ جہاد کو روانہ ہوتے تھے تو گھروں کی چابیاں اندھے، اپاہج اور بیمار لوگوں کو دے کر چلے جاتے تھے۔ اور ان کے لئے گھروں میں کھانا پینا حلال کر کے جاتے تھے لیکن یہ لوگ ان کی عدم موجودگی میں ان کے گھروں سے کچھ نہیں کھاتے تھے پس یہ آیت اُتری۔

بعضوں نے کہا ہے کہ آیت مجیدہ کا پہلا حصہ اندھے، اپاہج اور بیمار لوگوں کی جہاد میں عدم شرکت کو ان کی معذوری کے پیش نظر معافی کے اعلان کے لئے ہے۔

وَلَا عَلٰٓی اَنۡفُسِکُمۡ ۔

آیت مجیدہ میں حکم عام ہے کہ مذکورہ ذیل گھروں میں سے انسان کھانا کھا سکتا ہے۔ اگرچہ صاحب خانہ موجود بھی نہ ہوں لیکن اسراف کرنا اور ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا جائز نہیں۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام سے مروی ہے کہ ان مذکورہ گھروں میں سے انسان کے لئے بغیر اجازت کے کھانا جائز ہے۔ لیکن اپنی ضرورت سے تجاوز کر کے اسراف نہ کرے"۔

مِنۡۢ بُیُوۡتِکُمۡ ۔

اس میں اپنا گھر اپنی زوجات کا گھر اور اپنے بیٹوں، بیٹیوں کا گھر سب داخل ہیں۔ کیونکہ عورت کا گھر اور مرد کا گھر تو ایک ہے ہی۔ لیکن اولاد کے گھر کو اپنا گھر اس لئے کہا ہے کہ اولاد اور اولاد کا مال سب اسی کا مال ہے کیونکہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اَنْتَ وَ مَالُكَ لِاَبِيْكَ۔ یعنی تُو اور تیرا مال تیرے باپ کا مال ہے"۔ اسی بنا پر آیت مجیدہ میں ماں، باپ، بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کے گھروں کو نام بنام ذکر کیا گیا ہے لیکن اولاد کے گھروں کو الگ نام لے کر ذکر نہیں کیا گیا۔

علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ ان گھروں میں سے بلا اجازت کھانا پینا اسی طرح سے جائز ہے جس طرح بھوکے انسان کے لئے کسی باغ سے گزرتے ہوئے اس کا پھل کھانا جائز ہے۔ یا سفر میں جاتے ہوئے پیاسے انسان کے لئے راستہ میں کھڑی بھیڑ یا بکری کا دُودھ پی لینا جائز ہے۔ خداوند کریم نے اپنے لطف وکرم کے ماتحت انسانی ضروریات کے پیش نظر اس کو حلال کیا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ نیت درست ہو۔

اَوْ مَا مَلَكْتُمْ ـ

اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ غلام اور مملوک جس طرح خود اپنے آقا کی ملکیت میں ہیں اسی طرح ان کے باغات ومکانات کی کنجیوں کے مالک بھی وہی ہیں۔ اس لئے مالک اپنے غلام کے مال سے کھا سکتا ہے۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ جس طرح انسان کو کوئی زمیندار اپنی زمینوں، باغات و مکانات کے لئے وکیل یا سرپرست ونگہبان مقرر کرلے اور اسے چابیاں حوالہ کردے تو اس کے لئے باغات سے کھانا اور حیوانات کا دُودھ پینا حسب ضرورت وحاجت جائز ہے۔

اَوْ صَدِيْقِكُمْ ـ

صدیق وہ ہے جو سچی محبت رکھتا ہو اور اس کا ظاہر و باطن ایک ہو۔ یعنی دونوں فریقین کا ظاہر و باطن ایک جیسا ہو۔

آیت مجیدہ کی رو سے ایسا دوست دوست کے گھر سے اس کی عدم موجودگی میں اور اس کی اجازت کے بغیر بھی کھانا کھا سکتا ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ ـ

اس زمانے میں بعض لوگ تنہا کھانا نہیں کھاتے تھے اور خاص کر بنی کنانہ کے ایک قبیلہ کا دستور یہی تھا کہ جب تک کوئی انسان آ نہیں جاتا تھا وہ کھانا نہیں کھاتے تھے۔ چنانچہ یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی کہ تنہا کھا لینا بھی گناہ نہیں ہے۔

بعضوں نے کہا ہے کہ اس زمانے میں جب کسی انسان کے یہاں مہمان آجاتا تو وہ تنہا کھانا گناہ سمجھتے تھے بلکہ اکٹھا مل کر کھانا واجب سمجھتے تھے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی کہ اکیلا کھانا کھا لینا بھی گناہ نہیں ہے اور یہ تمہارے اختیار میں ہے کہ مل کر کھاؤ یا تنہا کھالو۔

تفسیر قمی میں روایت منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین وانصار میں مواخات کا صیغہ جاری فرمایا۔ پس حضرت ابو بکر و حضرت عمر و حضرت عثمان و حضرت عبد الرحمٰن۔ حضرت طلحہ و حضرت زبیر۔ حضرت سلمان فارسی و حضرت ابوذر غفاری۔ حضرت مقداد اور حضرت عمار یاسر۔ یعنی ایک مہاجر کو ایک انصار کا بھائی قرار دیا۔ چنانچہ اس صیغہ مواخات کے جاری ہونے کے بعد صحابہ کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی کسی جنگ یا سفر پر جاتا تو اپنے دینی بھائی کو گھر کی چابی دے کر بے فکر ہو کر چلا جاتا تھا اور اسے اجازت عام ہوتی کہ گھر سے جو چیز مرضی ہو لے۔ اور کھالے۔ لیکن وہ ایسا کرنے سے گریز کرتے تھے۔ حتیٰ کہ گھر میں رکھی ہوئی بعض کھانے پینے کی چیزیں ضائع ہو جاتی تھیں پس یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ۔

یعنی جب اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کہو اور اگر کوئی آدمی موجود نہ ہو تو اس طرح کہو۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا مِنْ رَّبِّنَا۔ خداوند کریم نے اس کو مبارک اور طیب قرار دیا ہے اور سلامتی کا پیش خیمہ اور آفات ومصائب سے نجات کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اپنے گھروں میں اپنے گھر والوں کو سلام کہو تاکہ گھر میں خیر و برکت زیادہ ہو۔ آیت مجیدہ کے آخر میں خداوند کریم ارشاد فرما رہا ہے کہ اس نے تمہارے لئے واضح ھدایت بیان کر دی ہیں۔ اور واضح نشانیاں ہیں تمہارے لئے۔ اس لئے تم عقل سے کام لو اور ان ہدایت پر عمل کرو۔

ترجمہ۔

"ماسوا اس کے نہیں مومن وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر۔ اور جب وہ کسی ایسے معاملے میں اس کے ساتھ ہوں جس میں سب کا جمع ہونا ضروری ہے تو نہ جائیں جب تک اجازت نہ لے لیں۔ بیشک جو لوگ آپؐ سے اجازت لیتے ہیں وہی لوگ ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر۔ پس جب آپ سے اجازت لیں کسی اپنے مطلب (کام) کے لئے تو اجازت دے دیجئے۔ جسے آپؐ چاہیں ان میں سے اور ان کے لئے استغفار کیجئے اللہ سے۔ بیشک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔" (۶۲)

تفسیر۔

تفسیر قمی سے منقول ہے کہ ایک قوم ایسی تھی کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی اہم کام کے لئے ان کو بھیجنا چاہتے تھے تو وہ مجمع میں سے کھسک جاتے تھے۔ پس خداوند تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر کے تنبیہ کر دی کہ مومن خالص کی شان یہ ہے کہ جب بھی کسی اجتماعی معاملہ میں موجود ہوں مثلاً مجلس مشاورت ہو یا نماز جمعہ ہو، یا لڑائی کی تیاری ہو تو ایسے مواقع پر اگر کسی خاص ضرورت کے لئے جانا بھی ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لئے بغیر نہیں جائیں گے۔

چنانچہ اس آیت مجیدہ میں خداوند تعالیٰ فرما رہا ہے کہ مومن کی شان یہ کبھی نہیں ہو سکتی کہ وہ اللہ کے رسولؐ کی اجازت کے بغیر آپؐ کے پاس سے چلا جائے۔ بلکہ وہ اللہ کے رسولؐ کی حکم کی تعمیل کرتا ہے اور جو لوگ اجازت کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے چلے جاتے ہیں وہ مومن نہیں ہو سکتے۔ یعنی مومن وہی ہیں جو آپؐ سے اجازت لے کر جاتے ہیں۔ اور جو اجازت لے کر نہیں جاتے ان کا ایمان خالص نہیں ہے۔

مسلمانوں کو تنبیہ کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خداوند تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر آپؐ سے کوئی اجازت مانگے تو آپؐ ان کو اجازت دے دیں۔ لیکن اس میں آپؐ کو اختیار ہے کہ جس کو چاہیں اجازت دیں۔ اور جس کو چاہیں اجازت نہ دیں یعنی خداوند تعالیٰ آپؐ کو پابند نہیں کر رہا ہے کہ آپؐ اجازت ضرور دیجئے بلکہ آپؐ کی اپنی مرضی پر ہے۔ لیکن ساتھ میں ارشاد باری تعالیٰ یہ ہو رہا ہے کہ آپؐ جس کو اجازت مانگنے پر اجازت دے دیتے ہیں تو پھر ان کے لئے استغفار بھی کیجئے۔ کیونکہ خدا کو ان کا یہ عمل پسند نہیں اور پھر شاید خداوند تعالیٰ ان کو آپؐ کے استغفار کے صدقے میں معاف کر دے۔ کیونکہ اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

آیت مجیدہ کے آخری حصے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خداوند تعالیٰ کو یہ بات قطعی پسند نہیں کہ اس کا رسولؐ کسی معاملے میں لوگوں کو جمع کریں اور وہ اجازت لے کر بھی وہاں سے ہٹے۔ مومن کی حقیقی شان یہ ہے کہ وہ کسی حال میں بھی اللہ کے رسول کا ساتھ نہیں چھوڑتے چاہے جنگ ہو یا کوئی اور معاملہ۔

ترجمہ۔

"نہ کرو رسول کا بلانا اپنے درمیان مثل ایک دوسرے کے بلانے کے تحقیق جانتا ہے اللہ ان کو جو کھسک جاتے ہیں تم میں سے نظر بچا کر پس ڈریں وہ جو مخالفت کرتے ہیں اس کے حکم کی کہ پہنچے ان پر آزمائش یا پہنچے ان کو عذاب" (۶۳)

تفسیر۔

اس آیت مجیدہ میں مسلمانوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلانے کو اس طرح مت سمجھو جس طرح تم آپس میں بلاتے ہو۔ کیونکہ حبیب اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہیں بلاتا ہے تو تمہیں حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے اور جو لوگ اللہ کے رسولؐ کے بلانے پر لبیک نہیں کہتے اور کھسک جاتے ہیں یا آپؐ کی مخالفت میں عمل کرتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو سخت آزمائش میں ڈالتے ہیں اور ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

دُعَاءَ الرَّسُوْلِ ـــ

اس کے معنی میں چند اقوال ہیں :-

(۱) رسولؐ کا تمہیں بلانا - تمہارے ایک دوسرے کے بلانے کی طرح نہیں ہوتا۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بلانا اللہ کا بلانا ہے۔ اور اس سے کنارہ کشی خدا کے حکم سے کنارہ کشی ہے۔

(۲) رسولؐ کی بددعا کو ایک دوسرے کی بددعا کی طرح نہ سمجھو بلکہ ان کی بددعا سے ڈرا کرو کیونکہ ان کی بات کو خدا رد نہیں فرماتا۔

(۳) عام خطاب میں تم جس طرح نام لے کر یا کنیت کر کے ایک دوسرے کو بلاتے ہو اس طرح رسولؐ یا محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور یا ابن عبداللہ کہہ کر نہ بلایا کرو۔ آپؐ کی عظمت، شان اور مرتبہ کا تقاضہ یہ ہے کہ آپؐ کو یا رسولؐ اللہ اور یا حبیبؐ اللہ کہہ کر خطابات سے بلایا کرو۔

تفسیر برہان میں بسند متصل منقول ہے کہ جناب سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں، میرے آقا و سید حضرت علیؑ نے میرے سامنے یہی آیت پڑھی پس جب میں اس کے بعد اپنے پدر عالی مقام کی بارگاہ میں پہنچی تو یا اباہ یعنی بابا جان! کی بجائے میں نے یا رسولؐ اللہ کے لقب سے خطاب فرمایا تو آپؐ میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا بیٹی یہ آیت تیرے لئے نہیں ہے اور نہ تیرے بچوں کے لئے ہے۔ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ یہ آیت تو بے ادب بدوی لوگوں کے لئے ہے۔ تیرا مجھے یا اَبَاہ (بابا جان) کہہ کر بلانا مجھے بہت پیارا لگتا ہے۔ اور میرا رب بھی اس سے خوش ہوتا ہے۔ اَنْتِ نِعْمَ الْوَالَو۔ تو میری بہترین اولاد ہے۔ پھر سر پر بوسہ دیا اور اپنا لعاب دہن مجھ پر مل دیا۔ جس کے بعد مجھے کسی خوشبو کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

یہ روایت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی منقول ہے۔

یَتَسَلَّلُوْنَ ۔

مومنوں کو ادب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درس دینے کے بعد اور متنبہ کرنے کے بعد خداوند تعالیٰ منافقوں کو متنبہ کر رہا ہے کہ ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو چھپ کر اور آنکھ بچا کر کھسک جاتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ ان کے اس عمل سے واقف ہے۔ اس لئے ان کے اس عمل کی وجہ سے اور مخالفت کی وجہ سے کہیں وہ دنیا میں بھی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائیں اور آخرت میں تو ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ دنیا میں ان پر بادشاہ ظالم کو حاکم کرے گا اور آخرت میں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔

بعض منافقین خطبہ جمعہ سے چھپتے چھپاتے مسجد سے کھسک جاتے تھے یا ایک قول کے مطابق میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ پس ان کو تنبیہ کرنے کے لئے یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی۔

ترجمہ ۔

"آگاہ ہو جاؤ بیشک اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ وہ جانتا ہے جس حالت پر تم ہو۔ اور جس دن پلٹائے جائیں گے اس کی طرف پس ان کو خبر دیگے اس کی جو انہوں نے عمل کیا۔ اور اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔" (۶۴)

تفسیر ۔

اس آیت مجیدہ سے پہلے مومنوں کو متنبہ کیا گیا تھا کہ وہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پابندی کریں اور آپ سے خطاب آپس میں لوگوں کی طرح نہ کیا کریں۔ اور آپؐ کو نام لے کر نہ پکارا کریں بلکہ ادب کے ساتھ یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کیا کریں۔

اس آیت مجیدہ میں خداوند تعالیٰ اپنی حاکمیت اور طاقت کو بیان فرما رہا ہے اور مومنوں کو خبردار کر رہا ہے کہ تم آگاہ ہو جاؤ کہ تمہارے کسی عمل سے خدا بے خبر نہیں ہے اس کو تمہاری ساری حالت کا علم ہے۔ اور پھر تمہاری ہی حالت کیا بلکہ وہ زمین و آسمان کا بنانے والا ہے اور اسی کی حکومت ہے۔ اس لئے اس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ چنانچہ تم آگاہ رہو کہ وہ تمہاری حالت کو بھی خوب جانتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور وہ بھی جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اس لئے اس سے ڈرو کیونکہ تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

یعنی اس دن سے (قیامت) ڈرو جس دن خداوند تعالیٰ تمہارے اعمالنامے تمہارے سامنے پیش کرے گا اور اس کے مطابق تمہیں سزا و جزا دے گا اس لئے اس سے ڈرو کیونکہ وہ تمہیں بھی تمہارے برے اعمال کے سبب دردناک عذاب دے سکتا ہے۔ کیونکہ وہ قدرت رکھنے والا اور جاننے والا ہے۔

"سُورَةُ الدَّهرِ"

سورۃ الدھر

یہ سورہ مدنی ہے۔ تفسیرِ برہان میں ہے کہ یہ سورہ، سورۃ الرحمٰن کے بعد نازل ہوا ہے

تفسیر میں ہے کہ اس کی آیات مجیدہ حضرت علی علیہ السلام و جناب فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا اور حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہم السلام کے حق میں نازل ہوئی ہیں اس لئے اس کا مکی ہونا بعید از قیاس ہے۔

بعض تفسیر میں اس کو مکی کہا گیا ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ فہرستِ سورہ جو مستند کتب سے ملتی ہیں اس سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ سورہ مدنی ہے۔ حضرت ابن عباس نے جو ترتیبِ سورہ پیش کی ہیں اس کے مطابق یہ سورہ مدنی ہے۔

ترتیب سُور قرآن

بروایت ابنِ عبّاس

ابو علی فضل بن حسن طبرسی قال حدثنا السید ابو الحمد مہدی بن نزار الحسینی القائنی قال اخبرنا الحکم ابو القاسم عبید اللہ بن عبد اللہ المسکانی قال حدثنا ابو نصر المفسر بالاسناد عن عثمان بن عطا عن ابن عباس۔

مکہ میں اُترنے والی سورتیں ترتیب وار اس طرح ہیں

اوّل ما نزل بمکۃ

۱	اِقرأ باسم ربک	۱۷	الکافرون	۳۳	ق	۴۹	بنی اسرآئیل
۲	ن والقلم	۱۸	الفیل	۳۴	لا اُقسم بہذا البلد	۵۰	یونس
۳	المزمل	۱۹	الفلق	۳۵	الطّارق	۵۱	ھود
۴	المدثر	۲۰	النّاس	۳۶	الفاتحہ	۵۲	یوسف
۵	تبّت	۲۱	التّوحید	۳۷	ص	۵۳	الحجر
۶	اذا الشّمس کوّرت	۲۲	والنّجم	۳۸	الاعراف	۵۴	الانعام
۷	الاعلیٰ	۲۳	عبس	۳۹	قل اوحی	۵۵	الصافات
۸	واللّیل اِذا یغشیٰ	۲۴	القدر	۴۰	یٰسٓ	۵۶	لقمان
۹	والفجر	۲۵	والشّمس	۴۱	الفرقان	۵۷	القمر
۱۰	والضحیٰ	۲۶	البروج	۴۲	الملآئکہ	۵۸	سبا
۱۱	الم نشرح	۲۷	والتّین	۴۳	کہیعص	۵۹	الزمر
۱۲	والعصر	۲۸	لایلاف	۴۴	طٰہ	۶۰	حم مومن
۱۳	والعادیات	۲۹	القارعہ	۴۵	الواقعہ	۶۱	حم سجدہ
۱۴	الکوثر	۳۰	القیامہ	۴۶	الشعراء	۶۲	حمعسق
۱۵	التکاثر	۳۱	الھمزہ	۴۷	النمل	۶۳	الزخرف
۱۶	اراَیت	۳۲	والمرسلات	۴۸	القصص	۶۴	الدّخان

(۶۵) الجاثیہ	(۷۱) نوح	(۷۷) الملک	(۸۳) الانشقاق
(۶۶) الاحقاف	(۷۲) ابراھیم	(۷۸) الحاقہ	(۸۴) الروم
(۶۷) الذاریات	(۷۳) الانبیاء	(۷۹) المعارج	(۸۵) العنکبوت
(۶۸) الغاشیہ	(۷۴) المومنون	(۸۰) عمّ یتساءلون	(۸۶) المطففین
(۶۹) الکہف	(۷۵) الم تنزیل	(۸۱) النازعات	
(۷۰) النحل	(۷۶) الطور	(۸۲) الانفطار	

یہ ۸۶ سورتیں ہیں جو مکہ میں اس ترتیب سے نازل ہوئیں۔
اس کے بعد مدینہ میں نازل ہونے والی سورتوں کی ترتیب اس طرح ہے۔

(۸۷) البقرہ	(۹۴) الحدید	(۱۰۱) الحشر	(۱۰۸) التحریم
(۸۸) الانفال	(۹۵) محمد	(۱۰۲) اذا جاء نصر اللہ	(۱۰۹) الجمعہ
(۸۹) آل عمران	(۹۶) الرعد	(۱۰۳) النور	(۱۱۰) التغابن
(۹۰) الاحزاب	(۹۷) الرحمٰن	(۱۰۴) الحج	(۱۱۱) الصف
(۹۱) الممتحنہ	(۹۸) الدھر (ھل اتٰی)	(۱۰۵) المنافقون	(۱۱۲) المائدہ
(۹۲) النساء	(۹۹) الطلاق	(۱۰۶) المجادلہ	(۱۱۳) الفتح
(۹۳) اِذا زلزلت	(۱۰۰) لم یکن	(۱۰۷) الحجرات	(۱۱۴) التوبہ

یہ ۲۸ سورتیں ہیں جو مدینہ میں اُتریں۔ حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ مکّہ میں سب سے پہلے سورہ فاتحہ اُتری اور اس کے بعد سورہ اِقرار اُتری کُل ۱۱۴ سورتیں ہیں اس کی کُل آیات ۶۲۳۶ ہیں اور کُل حروف ۳۲۱۲۵۰ ہیں۔ اس کو نیک لوگ پڑھتے ہیں اور اولیاء اس پر مداومت کرتے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی کی الاتقان فی علوم القرآن مطبوعہ مصر کا دوسرا ایڈیشن جس کے جزو اول کے صفحہ ۲۵ پر مکی و مدنی سورتوں کی تفصیل بروایت حضرت جابر بن زید یہ ہے۔

نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ
۱	اقراء	۲۴	عبس	۴۵	طٰہٰ	۶۶	الذاریات
۲	ن والقلم	۲۵	انا انزلنا	۴۶	الواقعہ	۶۷	الغاشیہ
۳	المزمّل	۲۶	والشمس	۴۷	الشعراء	۶۸	الکھف
۴	المدثّر	۲۷	البروج	۴۸	النمل	۶۹	الشوریٰ
۵	الفاتحہ	۲۸	التّین	۴۹	القصص	۷۰	ابراھیم
۶	تبّت یدا	۲۹	لایلاف	۵۰	بنی اسرائیل	۷۱	السجدہ
۷	التکویر	۳۰	القارعۃ	۵۱	یونس	۷۲	الانبیاء
۸	الاعلیٰ	۳۱	القیامۃ	۵۲	ھود	۷۳	النحل
۹	واللّیل	۳۲	ویل لکل ھمزۃ	۵۳	یوسف	۷۴	نوح
۱۰	والفجر	۳۳	المرسلات	۵۴	الحجر	۷۵	الطور
۱۱	والضحیٰ	۳۴	ق	۵۵	الانعام	۷۶	المومنون
۱۲	الم نشرح	۳۵	البلد	۵۶	الصافّات	۷۷	الملک
۱۳	والعصر	۳۶	الطارق	۵۷	لقمان	۷۸	الحاقہ
۱۴	والعادیات	۳۷	القمر	۵۸	السباء	۷۹	المعارج
۱۵	الکوثر	۳۸	ص	۵۹	الزمر	۸۰	عم یتساءلون
۱۶	التکاثر	۳۹	الاعراف	۶۰	المومن	۸۱	النازعات
۱۷	أرأیت	۴۰	الجن	۶۱	حٰم السجدہ	۸۲	الانفطار
۱۸	الکافرون	۴۱	یٰسین	۶۲	الزخرف	۸۳	الانشقاق
۱۹	الفیل	۴۲	الفرقان	۶۳	الدخان	۸۴	الروم
۲۰	الفلق	۴۳	الفاطر	۶۴	الجاثیہ	۸۵	العنکبوت
۲۱	النّاس	۴۴	مریم	۶۵	الاحقاف	۸۶	المطففین
۲۲	قل ھو اللہ احد						
۲۳	والنجم						

یہ کُل چھیاسی ۸۶ سورتیں ہیں جو مکہ میں نازل ہوئیں اور تفسیر الاتقان میں ہے کہ سورہ النحل کی چالیس آیتیں مکہ میں اور باقی مدینہ میں نازل ہوئیں۔ ان کے بعد مدینہ میں اترنے والی سورتوں کی علی الترتیب فہرست یہ ہے۔

نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ
۸۷	البقرہ	۹۴	اذا زُلزِلت	۱۰۱	البیّنہ	۱۰۸	الحجرات
۸۸	آل عمران	۹۵	الحدید	۱۰۲	الحشر	۱۰۹	التحریم
۸۹	الانفال	۹۶	محمدؐ	۱۰۳	اِذا جاءَ نَصرُ اللہ	۱۱۰	الجمعہ
۹۰	الاحزاب	۹۷	الرعد	۱۰۴	النور	۱۱۱	التغابن
۹۱	المائدہ	۹۸	الرحمٰن	۱۰۵	الحج	۱۱۲	الصف
۹۲	الممتحنہ	۹۹	الدھر	۱۰۶	المنافقون	۱۱۳	الفتح
۹۳	النساء	۱۰۰	الطلاق	۱۰۷	المجادلہ	۱۱۴	التوبہ

✱✱✱✱✱✱✱✱

تاج کمپنی کے موجودہ طبع شدہ قرآن میں سورتوں کی تنزیل کے ترتیب وار نمبر درج ہیں جو نمبر ۶۱ حٰم السجدہ تک روایت مذکورہ کے مطابق ہیں اور بعد میں قدرے اختلاف ہے چنانچہ وہ نمبر اس طرح ہیں۔

نمبر	نام سورہ	نمبر	نام سورہ	نمبر	نام سورہ	نمبر	نام سورہ
۶۲	الشوریٰ	۷۰	ابراھیم	۷۸	الحاقہ	۸۶	المطففین
۶۳	الزخرف	۷۱	نوح	۷۹	المعارج		**مدنی سورتیں**
۶۴	الدخان	۷۲	الانبیاء	۸۰	النباء		
۶۵	الجاثیہ	۷۳	النحل	۸۱	النازعات	۸۷	البقرہ
۶۶	الاحقاف	۷۴	المومنون	۸۲	الانفطار	۸۸	آل عمران
۶۷	الذاریات	۷۵	السجدہ	۸۳	الانشقاق	۸۹	الانفال
۶۸	الغاشیہ	۷۶	الطور	۸۴	الروم	۹۰	الاحزاب
۶۹	الکھف	۷۷	الملک	۸۵	العنکبوت	۹۱	الممتحنہ

نمبر	نام سورہ	نمبر	نام سورہ	نمبر	نام سورہ	نمبر	نام سورہ
۹۲	النساء	۹۸	الدھر	۱۰۴	المنافقون	۱۱۰	الجمعہ
۹۳	اِذَا زُلْزِلَت	۹۹	الطلاق	۱۰۵	المجادلہ	۱۱۱	الفتح
۹۴	الحدید	۱۰۰	البیّنہ	۱۰۶	الحجرات	۱۱۲	المائدہ
۹۵	مُحَمّدؐ	۱۰۱	الحشر	۱۰۷	التحریم	۱۱۳	التوبہ
۹۶	الرعد	۱۰۲	النّور	۱۰۸	التغابن	۱۱۴	النصر
۹۷	الرحمٰن	۱۰۳	الحج	۱۰۹	الصف		

موجودہ ترتیب مکّی و مدنی

دورِ حاضر میں موجودہ قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیب حسب ذیل ہے جو تاج کمپنی کے مطبوعہ قرآنوں میں موجود ہے۔

نمبر	نام سورہ	مکی یا مدنی	نمبر	نام سورہ	مکی یا مدنی	نمبر	نام سورہ	مکی یا مدنی	نمبر	نام سورہ	مکی یا مدنی
۱	الفاتحہ	مکیہ	۱۴	ابراھیم	مکیہ	۲۷	النمل	مکیہ	۴۰	المومن	مکیہ
۲	البقرہ	مدنیہ	۱۵	الحجر	"	۲۸	القصص	"	۴۱	حٰم السجدہ	"
۳	آل عمران	"	۱۶	النحل	"	۲۹	العنکبوت	"	۴۲	الشوریٰ	"
۴	النساء	"	۱۷	بنی اسرائیل	"	۳۰	الروم	"	۴۳	الزخرف	"
۵	المائدہ	"	۱۸	الکہف	"	۳۱	لقمان	"	۴۴	الدخان	"
۶	الانعام	مکیہ	۱۹	مریم	"	۳۲	السجدہ	"	۴۵	الجاثیہ	"
۷	الاعراف	"	۲۰	طٰہٰ	"	۳۳	الاحزاب	مدنیہ	۴۶	الاحقاف	"
۸	الانفال	مدنیہ	۲۱	الانبیاء	"	۳۴	سبا	مکیہ	۴۷	مُحَمّدؐ	مدنیہ
۹	توبہ	"	۲۲	الحج	مدنیہ	۳۵	فاطر	"	۴۸	الفتح	"
۱۰	یونس	مکیہ	۲۳	المومنون	مکیہ	۳۶	یٰسٓ	"	۴۹	الحجرات	"
۱۱	ہود	"	۲۴	النور	مدنیہ	۳۷	الصافات	"	۵۰	ق	مکیہ
۱۲	یوسف	"	۲۵	الفرقان	مکیہ	۳۸	ص	"	۵۱	الذاریات	"
۱۳	رعد	مدنیہ	۲۶	الشعراء	"	۳۹	الزمر	"	۵۲	الطور	"

نمبر	نام سورہ	مکی یا مدنی	نمبر	نام سورہ	مکی یا مدنی	نمبر	نام سورہ	مکی یا مدنی	نمبر	نام سورہ	مکی یا مدنی
۵۳	النجم	مکیہ	۶۹	الحاقہ	مکیہ	۸۲	الانفطار	مکیہ	۹۸	البیّنہ	مدنیہ
۵۴	القمر	"	۷۰	المعارج	"	۸۳	المطففین	"	۹۹	اذازلزلت	"
۵۵	الرّحمٰن	مدنیہ	۷۱	نوح	"	۸۴	الانشقاق	"	۱۰۰	العادیات	مکیہ
۵۶	الواقعہ	مکیہ	۷۲	الجن	"	۸۵	البروج	"	۱۰۱	القارعہ	"
۵۷	الحدید	مدنیہ	۷۳	المزمل	"	۸۶	الطارق	"	۱۰۲	التکاثر	"
۵۸	المجادلہ	"	۷۴	المدثر	"	۸۷	الاعلیٰ	"	۱۰۳	العصر	"
۵۹	الحشر	"	۷۵	القیامہ	"	۸۸	الغاشیہ	"	۱۰۴	الھمزہ	"
۶۰	الممتحنہ	"	۷۶	الدھر	مدنیہ	۸۹	الفجر	"	۱۰۵	الفیل	"
۶۱	الصف	"	۷۷	المرسلات	مکیہ	۹۰	البلد	"	۱۰۶	لایلاف	"
۶۲	الجمعہ	"	۷۸	النباء	"	۹۱	الشمس	"	۱۰۷	الماعون	"
۶۳	المنافقون	"	۷۹	النازعات	"	۹۲	واللّیل	"	۱۰۸	الکوثر	"
۶۴	التغابن	"	۸۰	عبس	"	۹۳	الضحیٰ	"	۱۰۹	الکافرون	"
۶۵	الطلاق	مدنیہ	۸۱	تکویر	"	۹۴	الانشراح	"	۱۱۰	النصر	مدنیہ
۶۶	التحریم	"				۹۵	التین	"	۱۱۱	اللّھب	مکیہ
۶۷	الملک	مکیہ				۹۶	اِقراء (العلق)	"	۱۱۲	الاخلاص	"
۶۸	القلم	"				۹۷	القدر	"	۱۱۳	الفلق	"
									۱۱۴	النّاس	"

اس سورہ مجیدہ کو الانسان۔ الدھر اور ھل اتٰی بھی کہا جاتا ہے اور اس کا نام سورۃ الابرار بھی ہے۔

سورہ الدھر کی آیات کی تعداد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے علاوہ اکتیس (۳۱) ہے۔

حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مروی ہے کہ جو شخص اس سورہ کو پڑھے گا اس کی جزا جنت ہوگی۔

یہ پورا سورہ اہلبیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان میں اور اظہارِ فضیلت میں نازل ہوا ہے۔ اس میں انسان کی خلقت، کفار و مومنین کی حالت، بہشت کی مدح، اہلبیتؑ کی عبادت کا قابلِ شکریہ ہونا، حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خطاب وغیرہ کا ذکر ہے۔

شانِ نزول۔

سورہ الدھر کی شانِ نزول یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام بیمار ہو گئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جناب امیر علیہ السلام سے کہا کہ بہتر ہوتا اگر تم بچوں کی صحت کے لئے نذر مان لیتے۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے حکمِ رسولؐ خدا کے مطابق منت مان لی کہ آپ تین دن کے روزے رکھیں گے۔ پس یہی منت جناب سیدہؑ نے اور حضرت امام حسن و حضرت امام حسین علیہم السلام اور جناب فضہ نے بھی مان لی۔ چنانچہ جب حضرت امام حسن و حضرت امام حسین علیہم السلام صحت یاب ہو گئے تو ایفائے نذر کے لئے روزے رکھے گئے۔ گھر میں روزہ کھولنے کے لئے غلہ نہیں تھا۔ پس حضرت علی علیہ السلام نے ایک یہودی سے ایک صاع جو لئے تاکہ اس کے بدلے میں ان کو اُون کات کر دی جائے۔ پس جناب سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا نے ایک تہائی جو پیس کر آٹا بنایا اور اس آٹے کا خمیر کیا اور روٹیاں پکائیں۔ جب کھانے کو تیار ہوئے تو دروازے پر ایک مسکین نے صدا دی۔ چنانچہ آپ سب نے اپنے اپنے حصہ کی روٹیاں اٹھا کر فقیر کو دے دیں۔ اور خود پانی سے روزہ افطار کر لیا۔ دوسرے دن پھر ایک تہائی آٹا خمیر کر کے روٹی تیار کی اور روزہ کھولنے کے لئے بیٹھے کہ ایک یتیم نے دروازے پر دستک دی۔ اور آپؑ سب نے اپنا اپنا کھانا اس کے حوالے کر دیا۔ اور روزہ پانی سے افطار کر لیا۔ تیسرے دن پھر جب افطار کا وقت ہوا اور آپؑ حضرات افطار کے لئے بیٹھے تو ایک اسیر نے سوال کیا کہ کوئی ہے جو اسیر کو کھانا کھلائے۔ آپؑ سب نے اپنا اپنا کھانا اس کے حوالے کر دیا اور پانی سے روزہ افطار کر لیا۔ اور سو گئے۔ چوتھے روز حضرت علی علیہ السلام اپنے دونوں صاحبزادوں کو لے کر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نقاہت سے عجیب عالم تھا۔ نقاہت کی

وجہ سے حضرت امام حسن علیہ السلام و حضرت امام حسین السلام کانپ رہے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ حالت دیکھی تو حضرت علی سے استفسار کیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے پورا حال بیان کیا۔ آپ حضرت علیؑ کے ساتھ خانۂ زہراؑ میں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپ مصلّے پر بیٹھی ہیں۔ اور بھوک سے پیٹ پیٹھ سے لگا ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یہ دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوئے۔ یکایک حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے سورۂ دہر کی آیات تلاوت کیں۔ اور خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اہلبیتؑ کی شان میں یہ آیات نازل فرمائی ہیں۔

سورۃ الدھر

سورۃ الدھر مکیۃ وھی احدی وثلثون ایۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ساتھ نام اللہ مہربان رحم کرنے والا

اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتی ہوں جو بڑا مہربان رحم کرنے والا

هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن

کیا آیا پر انسان وقت سے زمانے نہیں وہ تھا

بے شک انسان پر ایک ایسا وقت آچکا ہے کہ وہ کوئی چیز

شَيْئًا مَّذْكُورًا ① إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ

چیز ذکر کیا (قابل ذکر) بے شک ہم نے پیدا کیا ہم نے انسان سے نطفہ

قابل ذکر نہ تھا۔ بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے

أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ② إِنَّا

مخلوط اس کو آزمائیں پس اس کو بنایا سننے والا دیکھنے والا بیشک ہم نے

پیدا کیا تاکہ اس کو آزمائیں پس اس کو سننے والا دیکھنے والا بنایا بے شک ہم نے

هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ③ إِنَّا

اس کو ہدایت دی راہ یا شکر گزار اور یا انکار کرنے والا بیشک ہم نے

اس کو ہدایت کا راستہ بتایا خواہ شکر گزار ہے اور یا ناشکر گزار ہے بے شک ہم نے

أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَ وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا ④ إِنَّ

ہم نے تیار کی ہیں کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور دہکتی آگ بیشک

تیار کر رکھی ہے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی آگ۔ بے شک

الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِن كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ⑤

نیک پئیں گے سے پیالہ ہے اس کی آمیزش کافور

نیک بخت پئیں گے ایسے پیالے میں کہ ہوگی اس میں آمیزش کافور کی

عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ⑥

چشمہ وہ پئیں گے سے بندے اللہ لے جائیں گے اسے لے جانا جدھر چاہیں

چشمے سے پئیں گے وہ لوگ جو ہوں گے نیک بندے جسے وہ لے جائیں گے جس طرح چاہیں گے

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ

پورا کرتے ہیں منت نذر اور وہ ڈرتے ہیں دن ہے برائی اس کی

پورا کرتے ہیں منت کو اور ڈرتے ہیں اس دن سے جس کا شر پھیل

مُسْتَطِيرًا ⑦ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا

پھیل جانے والی۔ اور وہ کھلاتے ہیں کھانا پر اس کی محبت مسکین

پڑے گا۔ اور وہ کھلاتے ہیں کھانا اس کی محبت میں مسکینوں

وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ﴿٨﴾ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ

اور یتیموں اور قیدیوں سے ... ہم کھلاتے ہیں تم کو واسطے رضا مندی اللہ کی نہیں چاہتے ہم

اور یتیم اور اسیر (قیدی) کو۔ بیشک ہم کھلاتے ہیں تم کو اللہ کی رضا کے لئے، ہم ارادہ نہیں رکھتے

مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ﴿٩﴾ إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا

تم سے بدلہ اور نہیں شکریہ۔ بیشک ہم ڈرتے ہیں سے ہمارا رب

تم سے بدلہ کا اور نہ شکریہ کا۔ بیشک ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے

يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ﴿١٠﴾ فَوَقَاهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ

دن اداسی ہولناک سخت۔ پس بچا لیا ان کو (محفوظ رکھا) اللہ نے برائی سے (اس)

اس دن سے جو سخت دشوار ہوگا۔ پھر اللہ نے ان کو اس دن کی برائی سے بچا لیا

الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا ﴿١١﴾ وَجَزَاهُم بِمَا

دن اور لائے گا ان کے لئے تازگی اور سرور۔ اور بدلہ دیا ان کو بسبب کے

اور ان کو تازگی اور سرور عنایت فرمایا۔ اور اس نے ان کو جزا میں دیا

صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا ﴿١٢﴾ مُّتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ

صبر کرنے کے جنت اور ریشمی کپڑے تکیہ لگائے ہوئے اس میں پر تختوں (چھپرکھٹ)

ان کے صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس۔ تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے چھپرکھٹ پر

لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا ﴿١٣﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ

نہیں دیکھیں گے اس میں دھوپ اور نہیں سخت سردی۔ اور قریب ان پر

نہ وہاں دھوپ جلانے والی دیکھیں گے اور نہ سخت سردی۔ اور جھکے (درختوں)

ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ﴿١٤﴾ وَيُطَافُ

اس کے سائے اور نیچے کئے میوے اس کے جھکا کر اور پھرایا جائے گا

سائے ان کے قریب ہوں گے اور ان کے پھل پوری طرح ان کے قبضہ میں ہوں گے اور چاندی کے برتن

عَلَيْهِم بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرَا ﴿١٥﴾

ان پر برتن سے چاندی اور پیالے ہوں گے آبگینوں

اور آبخوروں کے ساتھ ان پر دور لگانے والے غلام مقرر ہوں گے کہ وہ چاہے شیشے کے ہوں گے

قَوَارِيرَ مِن فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ﴿١٦﴾ وَيُسْقَوْنَ

شیشوں سے چاندی انداز کیا اسکو انداز مناسب اور سیراب کیا جائے گا

ایسے دو پہلے شیشے جس کو انہوں نے صحیح اندازے سے پر کیا ہوگا۔ اور جنتی لوگوں کو سیراب کیا جائے گا

فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ﴿١٧﴾ عَيْنًا فِيهَا

اس میں پیالے ۔ ہے اس کی آمیزش سونٹھ ۔ چشمے اس میں

انکو پیالوں سے جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی ۔ جو ایک چشمہ ہے اس کا جس کا

تُسَمَّىٰ سَلْسَبِيلًا ﴿١٨﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ

نام رکھا جاتا ہے سلسبیل ۔ اور چکر لگائیں گے ان پر لڑکے

جس کا نام سلسبیل ہے ۔ اور ان پر ہمیشہ رہنے والے لڑکے چکر لگائیں گے

مُخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَنْثُورًا ﴿١٩﴾

ہمیشہ رہنے والے جب دیکھے گا ان کو تو گمان کرے گا ان کو موتی بکھرے ہوئے

کہ جب ان کو دیکھو گے تو سمجھو گے کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں

وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ﴿٢٠﴾

اور جب دیکھے گا پھر دیکھے گا نعمتیں اور ملک بڑے

اور جب تم وہاں نگاہ دوڑاؤ گے تو ہر طرف نعمتیں اور وسیع ملک دیکھو گے

عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ ۖ وَ

ان پر کپڑے باریک ریشم سبز اور ایک قیمتی ریشمی کپڑا اور

ان کے بدن پر سندس کا سبز اور استبرق کا لباس ہوگا اور ان کو

حُلُّوا أَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا

آراستہ کئے جائیں گے کنگن سے چاندی اور ان کو پلائے گا ان کا رب شراب

چاندی کے کنگن (زیور) پہنائے جائیں گے اور ان کو ان کا رب شراب

طَهُورًا ﴿٢١﴾ إِنَّ هَٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُمْ

پاک ۔ بے شک یہ ہے تمہارے لئے بدلہ اور ہے کوشش تمہاری

طہور سے سیراب کرے گا ۔ (کہا جائے گا) بیشک یہ تمہاری جزا ہے اور تمہاری دنیا میں سعی

مَشْكُورًا ﴿٢٢﴾ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ﴿٢٣﴾

قدردانی کی گئی ۔ بیشک ہم ہم نے نازل کیا آپ پر قرآن ٹھہر ٹھہر کر نازل کیا

مشکور ہے (اور اس کا یہ بدلہ ہے) بے شک ہم نے نازل کیا آپ پر قرآن ٹھہر ٹھہر کر

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ

پس صبر کرو حکم کے لئے اپنے رب اور نہیں مان ان میں سے گناہگار یا

پس صبر کرو (انتظار کیا کریں) اپنے رب کے حکم کا اور کہنا نہ مانا کریں ان میں سے کسی گناہگار

كَفُورًا ﴿٢٤﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٢٥﴾ وَمِنَ

ناشکرے والے۔ اور یاد کریں نام اپنے رب کا صبح اور شام اور سے

ناشکرا کا۔ اور آپ یاد کریں نام اپنے رب کا صبح اور شام۔ اور رات میں

اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ﴿٢٦﴾ إِنَّ

رات پس سجدہ کر اس کے لئے اور اس کی تسبیح رات بڑی بیشک

آپ سجدہ کیا کریں اس کا اور تسبیح کیا کریں اس کی بڑی رات کو ۔ بیشک یہ

هَٰؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ

یہ لوگ پسند کرتے ہیں جلدی کو اور وہ چھوڑ دیتے ہیں اپنے پیچھے

لوگ دنیا کی زندگی کو دوست رکھتے ہیں اور آخرت کے دن کو نظر انداز کر رہے ہیں جو بھاری ہے

يَوْمًا ثَقِيلًا ﴿٢٧﴾ نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ

دن بھاری ۔ ہم نے پیدا کیا ان کو اور مضبوط کئے ان کے جوڑ

آنے والا ہے۔ ہم نے ان کو پیدا کیا اور ہم نے ان کے اعضاء کو مضبوط کیا

وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلًا ﴿٢٨﴾ إِنَّ هَٰذِهِ

اور جب چاہیں ہم بدل دیں ان جیسے لوگوں کو بدل دینا بیشک یہ

اور جب ہم چاہیں ان کی جگہ ان جیسوں کو تبدیل کر سکتے ہیں ۔ بیشک یہ

تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿٢٩﴾ وَمَا

نصیحت (قرآن) پس جو چاہے پکڑے طرف اپنے رب کے راستہ اور نہیں

(قرآن مجید) نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی خوشنودی کا راستہ اختیار کرے۔ اور

تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٣٠﴾

تم چاہتے مگر یہ کہ چاہے اللہ بیشک اللہ ہے جاننے والا حکمت والا

چاہتے تم مگر جو اللہ چاہتا ہے بیشک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ

وہ داخل کرتا ہے جس کو چاہے اپنی رحمت میں اور ظالموں تیار کی ان کے لئے

داخل کرتا ہے جسے چاہے اپنی رحمت میں اور ظالموں کے لئے دردناک عذاب

عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٣١﴾

عذاب دردناک

تیار کیا ہے۔

سورہ دھر

آیات ۱ تا ۳۱ ترجمہ و تفسیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ترجمہ ۔

"بے شک انسان پر ایک ایسا وقت آچکا ہے کہ وہ کوئی چیز قابلِ ذکر نہیں تھا" ①

تفسیر ۔

هَلۡ اَتٰی ۔

یہ هَلۡ قَدۡ کے معنی میں ہے۔ یعنی یقیناً انسان پر ایک ایسا وقت آیا ہے جب کہ وہ قابلِ ذکر چیز نہیں تھا اور خداوند تعالیٰ نے استفہام کا لہجہ اس لئے اختیار کیا ہے کہ انسان اپنی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لے کہ وہ کیا تھا اور کیا ہو گیا۔

چنانچہ اس آیت مجیدہ میں انسان کو اس کا وہ زمانہ یاد دلایا گیا ہے جب اس کا کوئی نام و نشان بھی نہیں تھا۔ اور یقیناً انسان جب اپنی پیدائش پر غور کرے گا تو اس کی سمجھ میں یہ بات آجائے گی کہ وہ کس طرح فنا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو کس طرح وجود دیا۔ اور پھر یہی نہیں کہ اس کا وجود قائم کیا بلکہ اسے ناقابلِ ذکر حالت سے نکال کر ایک قابلِ ذکر حد تک پہنچا دیا وہ یقیناً میرا خالق محسن ہے اور اس کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔

دوسرے معنی اس آیت مجیدہ کے مفسرین نے یہ بھی لئے ہیں کہ اس دُنیا میں انسان کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اس کے وجود سے پہلے اس دنیا میں ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ اور انسان کا کہیں ذکر تک نہیں تھا۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق کیا۔ اور مرتبہ خلافت پر فائز کیا۔ انسان کو وہ مرتبہ عطا کیا کہ ہر شئے کو اس کے مطیع و مسخر کر دیا۔ چنانچہ اس آیت مجیدہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے کے زمانے کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ اے انسان تو اپنی ہستی کو یاد کر کہ تیرا وجود نہیں تھا اور ہم نے تجھے وجود دیا پھر وجود ہی نہیں بلکہ تجھے ہم نے اس منصب پر پہنچایا کہ تو قابلِ ذکر ہو گیا۔ اور آج تو اپنے مرتبہ پر فخر کر رہا ہے۔

ترجمہ ۔

"بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کو آزمائیں۔ پس اس کو سننے والا، دیکھنے والا بنایا" ②

تفسیر ۔

اس آیت مجیدہ میں انسان کو اس کی پیدائش کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ اے انسان ہم نے تجھے مخلوط نطفے سے پیدا کیا ذرا تو اپنی پیدائش پر غور کر تو تجھے اپنی کم ہستی کا احساس ہو جائے گا کہ تو کس چیز پر نازاں ہے۔ تیرے وجود کو اس طرح عمل میں لانے کا مقصد یہ ہے کہ تو کبھی اللہ تعالیٰ کو نہ بھلا سکے۔ اور اس کی رحمت کا اعتراف کرتا رہے۔ پھر ہم نے تجھے اس طرح وجود دینے کے بعد سننے والا اور دیکھنے والا بنایا۔ یعنی تجھ میں دیکھنے اور سننے کی صلاحیت عطا کی تاکہ اس کے ذریعے ہم تجھے آزمائیں کہ تو کتنا ہمارا شکر گذار ہے اور کتنا ناشکر گذار۔

ہم نے تجھے سننے والا اور دیکھنے والا اس لئے بنایا کہ تو کلام الٰہی کو سن سکے اور ہمارے نبیؐ کا کہنا مان سکے۔ اور دیکھنے والا اس لئے بنایا کہ تو قدرت کاملہ کو دیکھ کر اس پر ایمان لا سکے۔ اور اپنی آنکھوں سے برائی اور بھلائی کے نتائج دیکھ کر زندگی کی راہ متعین کر سکے۔ رات و دن کے انقلاب، زندگی اور موت کے مناظر دیکھ کر عبرت حاصل کرے۔

غرضیکہ اے انسان ہم نے تجھے جس طرح پیدا کیا اور پھر تجھے نعمتوں سے نوازا۔ اس لئے کہ تو ہماری رحمت کو اور ظلمت کو دیکھے اور سنے اور پھر اس سے راہِ مستقیم حاصل کرے۔ یہ زندگی تیرے لئے ایک امتحان ہے۔ جو ہماری ہدایت پر عمل کرے گا اور ان ذرائع (دیکھنے و سننے) سے فائدہ اٹھائے گا وہ کامیاب ہوگا۔

ترجمہ ۔

"بےشک ہم نے اس کو ہدایت کا راستہ بتایا۔ خواہ شکر گذار بنے اور یا ناشکر گذار بنے" ③

تفسیر ۔

اس آیت مجیدہ سے پہلے انسان کو اس کی حقیقت بتائی گئی کہ کس طرح اس کا وجود ہوا اور کس طرح خداوند تعالیٰ نے اس کو اپنی رحمت سے نوازا ہے کہ اس میں دیکھنے اور سننے کی صلاحیت عطا کی تاکہ انسان اپنی راہ متعین کر سکے۔

اب اس آیت مجیدہ میں نافرمانی اور شکر گذاری کا نتیجہ بتایا جا رہا ہے کہ ہم نے انسان کو سننے کی قوت اور دیکھنے کی بصارت عطا کی اور انسان کو راہِ حق دکھائی اور راہِ حق پر چلنے کے لئے انبیاء مرسلین علیہم السلام بھیجے۔ اور اپنا کلام رسولؐ کے ذریعے پہنچایا۔ اور یہ بتایا کہ کون سا راستہ تباہی کی طرف

جاتا ہے اور کون سا راستہ ہدایت کی طرف۔

دیکھنے اور سننے کے ذرائع عطا کرنے کے بعد اور عقل و شعور کی منزل پر پہنچانے کے بعد انسان کو اس بات کا اختیار دیا کہ وہ جو چاہے راستہ اختیار کرے۔ چاہے اپنے لئے راہِ ہدایت حاصل کرے اور شکر گذار بن کر آخرت حاصل کر لے اور نیکی پر گامزن رہے اور چاہے تو تباہی کا راستہ اختیار کرے اور ناشکر گذار بن کر اپنے لئے جہنم بنائے اور دنیا و آخرت میں تباہ و برباد ہو اور ذلیل و خوار ہو۔ اب یہ انسان کو اختیار ہے کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے۔

ھَدَیْنٰہ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیر اور شر کے دونوں راستے دکھا کر شکر کرنے یا کفر کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ بلکہ انسان کو اپنے اختیار سے جو راستہ چاہے لے لے۔ البتہ بروز محشر کافروں کے لئے عذاب جہنم اور مومنوں کے لئے جنت کی پیش کش فرما دی تاکہ اتمام حجت ہو جائے۔

ترجمہ۔

"بیشک ہم نے تیار کر رکھی ہے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی آگ" ④

تفسیر۔

اس آیت مجیدہ میں کافروں کو خبر دی جا رہی ہے جہنم کی اور عبرت ناک سزا کی۔ کہ جو اللہ کی ناشکری کرے گا اور اپنا فرض پورا نہیں کرے گا اور اس کی ہدایت کو جھٹلائے گا ان کے لئے آخرت میں سخت عذاب ہے۔ کیوں کہ ان نافرمانوں کے پاس واضح ہدایت موجود ہے لیکن پھر بھی وہ ناشکری کرتے ہیں۔ اس لئے اب ایسے نافرمانوں کے لئے آخرت میں طوق و زنجیریں تیار کی گئی ہیں اور آخرت میں وہ سخت عذاب میں جکڑے جائیں گے۔ اور ذلیل و خوار ہوں گے۔ جس طرح ایک مجرم قانون کے سامنے طوق و زنجیر میں لایا جاتا ہے۔ اسی طرح روز محشر ان کا حال ہوگا۔ اور ان کے گلے میں طوق ڈالے جائیں گے اور ان کو دوزخ کی دہکتی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ جو ایسے کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ کی رحمت کا (سننے اور دیکھنے کی صلاحیت کا) غلط استعمال کرتے ہیں۔

ترجمہ۔

"بیشک نیک پئیں گے ایسے پیالے میں کہ ہو گی اس میں آمیزش کافور کی ⑤ چشمے سے پئیں گے وہ لوگ جو ہوں گے نیک بندے جسے وہ لنڈھائیں گے جس طرح چاہیں گے ⑥ پورا کرتے ہیں منت کو اور ڈرتے ہیں اس دن سے جس کا شر پھیل پڑے گا ⑦ اور وہ کھلاتے ہیں کھانا اس

کی محبت میں مسکینوں اور یتیموں اور اسیروں کو (۸) بیشک ہم کھلاتے ہیں اللہ کے لئے ہم ارادہ نہیں رکھتے تم سے بدلہ کا اور نہ شکریہ کا۔ (۹) بیشک ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے اس دن سے جو سخت و دشوار ہوگا۔" (۱۰)

تفسیر۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ۔

ان آیات کے بارے میں جمیع علمائے شیعہ کا اور اکثر علمائے اہل سنّت کا جو کہ نہایت معتبر ہیں اتفاق ہیں یہ آیات حضرت علی ابن ابی طالب اور جناب فاطمہ زہراؑ اور حضرت امام حسن و حضرت امام حسین علیہم السلام اور جناب فضہ کنیز جناب فاطمۃ الزہراؑ کی شانِ اقدس میں نازل ہوئی ہیں۔

علامہ طبرسی نے دعوی کیا ہے کہ اُمۃ المسلمین کی روایات میں اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ آیات آپؑ حضرات کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ تفسیر کبیر میں ابن مردویہ نے بھی یہ روایت پیش کی ہے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ "ایک مرتبہ حضرت امام حسن و حضرت امام حسین علیہم السلام بیمار ہوگئے۔ اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کچھ لوگوں کے ساتھ عیادت کو تشریف لائے۔ جناب امیر عمر نے فرمایا کہ بہتر ہوتا اگر تم اپنے دونوں لڑکوں کی صحت کے واسطے نذر کرتے کہ خداوند تعالیٰ ان کو صحت بخشے۔ یہ سنتے ہی حضرت علی السلام نے نذر کی کہ الٰہی یہ دونوں فرزند میرے شفایاب ہوجائیں تو میں تین روزے رکھوں گا۔ جس وقت حضرت علی علیہ السلام نے مَنّت مانی اسی وقت جناب سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا اور حضرت امام حسن و حضرت امام حسین علیہم السلام اور جناب فضہ نے بھی نذر مان لی۔ غرض جب دونوں صاحبزادے اچھے ہوگئے اور نذر کے پورے کرنے کا وقت آیا تو گھر میں کچھ نہیں تھا۔ ابن مہران باہلی کی روایت میں مذکور ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ شمعون یہودی خیبری کے پاس گئے اور فرمایا کہ اے شمعون تیرے پاس کچھ اون ہے کہ تو اُجرت پر وہ اُون مجھے دے دے کہ فاطمہ زہراؑ دختر رسولؐ خدا تیرے واسطے اس کو کاتے اور اس کی اُجرت میں تو تین صاع جَو مجھ کو دے دے۔ شمعون نے اس معاملہ پر تین صاع جَو حضرت علیؑ کو دے دیئے۔ آپ وہ جَو اور اُون لے کر حجرہ جناب سیدہؑ میں آئے اور جناب فاطمۃ الزہراؑ نے ایک صاع جَو کو پیسا۔ اور پانچ روٹیاں پکائیں۔ بعد نماز مغرب کے کھانا اپنے رُوبرو رکھا اور روزہ کھولنا چاہتے ہی تھے کہ ایک سائل نے آواز دی السلام علیکم یا اہلبیتِ محمدؐ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) میں ایک مسلمان مسکین ہوں بھوکا ہوں مجھے کھانا دو کہ خدا تم کو جنت کے میوے کھلائے۔ یہ آواز سنتے ہی حضرت علی مرتضیٰؑ نے اپنی روٹی اس کو دے دی اور باقی اہلبیتؑ نے بھی آپ کی پیروی کرتے ہوئے اپنی اپنی روٹی اس کو دے دی اور

یہاں تک کہ جناب فضہ نے بھی اپنی روٹی سائل کو دے دی۔ اور آپ سب نے پانی سے روزہ افطار کر لیا اور بھی شب کو بھوکے سو رہے۔ اور دوسرا روزہ رکھ لیا۔ قریب شام جناب سیدہؑ نے پانچ روٹیاں جو کی پکائیں اور بعد نماز مغرب کے وہ پانچ روٹیاں ان پانچوں نے یعنی حضرت علیؑ اور جناب فاطمہؑ اور حضرت حسنؑ و حضرت حسینؑ اور جناب فضہ نے ایک ایک روٹی اپنے سامنے رکھی۔ اور چاہتے تھے کہ روزہ افطار کریں کہ ناگاہ ان کے کانوں میں آواز آئی کہ اے اہلبیت محمدؐ! میں ایک یتیم اور بیکس ہوں۔ اور بھوکا ہوں۔ مجھے کھانا کھلادو۔ چنانچہ سب نے اپنی اپنی روٹی اس کو دے دی۔ اور صرف پانی سے افطار کیا۔ تیسرے روز پھر روزہ افطار کرنے بیٹھے تھے کہ ایک قیدی نے آواز دی۔ اور تیسرے دن پھر سب بزرگوں نے اپنی اپنی روٹی دے دی۔ چوتھے دن صبح کو جناب امیر علیہ السلام نے صاحبزادوں کے ہاتھ پکڑے اور حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب رسولؐ اللہ کی نظر پڑی کہ بھوک کی شدت سے کانپ رہے ہیں تو فرمایا میں تم لوگوں کو کس قدر تکلیف کی حالت میں دیکھ رہا ہوں۔ پھر خود اُٹھے اور ان کے ساتھ جناب سیدہؑ کے مکان میں تشریف لائے تو جناب فاطمۃ الزہراؑ کو محرابِ عبادت میں دیکھا کہ ان کی پیٹھ پیٹ سے مل گئی ہے اور آنکھیں دھنس گئی ہیں یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت رنج ہوا کہ یکایک حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے۔ اور کہا تبتھجے یا رسولؐ اللہ! آپؐ کو مبارک ہو کہ خدا نے یہ سورہ آپ کے اہلبیت کی شان میں نازل کیا ہے۔ اور سورۂ دہر کی تلاوت فرمائی۔ (تفسیر کشاف جلد سوم ص ۲۳۹ مطبوعہ مصر)

(اس روایت کو بیضاوی وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے۔)

اور بعض کہتے ہیں کہ وہ جَو حضرت علی مرتضےٰ علیہ السلام جولائے تھے خود مزدوری کر کے (ایک شخص کے باغ میں تمام شب پانی دیا تھا) اسے خرید کر لائے تھے۔

کتاب مناقب میں بروایت اکثر مفسرین اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اس روایت کے آخر میں منقول ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور ان کے ہمراہ ایک سونے کا جڑاؤ اور موتیوں اور یاقوت کا کاسا تھا جس میں طعام بھرا ہوا تھا۔ اس کھانے میں مشک اور کافور کی خوشبو آتی تھی۔ رسولؐ خدا نے سب اہل بیتؑ کو ہمراہ بٹھا کر وہ طعام بہشت کا تناول فرمایا اور رسولؐ خدا اور اہلبیتؑ نے اس کو سیر ہو کر کھایا۔ مگر وہ بدستور اسی طرح بھرا رہا۔ اور اس میں سے کچھ کم نہیں ہوا۔ پس حضرت امام حسین علیہ السلام ایک ٹکڑا گوشت کا ہاتھ میں لئے ہوئے گھر سے باہر نکلے۔ ایک یہودی عورت نے دیکھ کر کہا کہ اے حسین علیہ السلام یہ تیرے پاس کہاں سے آیا ہے۔ میں بھوکی ہوں۔ مجھے دے دے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اس کو دینے کو بڑھایا کہ وہ گوشت اس کو کھلائیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور وہ ٹکڑا گوشت

کا حضرت امام حسینؑ کے ہاتھ سے لے لیا۔ اور وہ کاسہ آسمان کی طرف چلا گیا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر حسین علیہ السلام اس یہودی کے کھلانے کا ارادہ نہ کرتے تو وہ کاسہ ہمیشہ ہمارے اہلبیت کے پاس رہتا اور قیامت تک وہ اس میں سے کھاتے رہتے۔"

آیت نمبر ۵ اور ۶ میں نیک بندوں کی صفت بیان کی گئی ہیں۔ اور ان کو جنّت کی بشارت دی گئی ہے کہ بیشک نیک لوگ جنہوں نے دُنیاوی زندگی کے مقابلے میں آخرت کو پسند کیا اور اپنے رب کی فرماں برداری کی تو اُن کے لئے جنّت ہے۔ اور جنّت میں انہیں شراب طہور ملے گی جس میں چشمہ کافور کی آمیزش ہوگی۔ اور یہی نہیں کہ انھیں ایک پیالہ ملے گا بلکہ ان کے لئے ایک چشمہ جاری ہوگا جسے وہ جس طرح چاہیں گے استعمال کریں گے۔

آیت نمبر ۷، ۸، ۹، ۱۰ میں متقیوں کی صفات کو بیان کیا گیا ہے کہ ان کو یہ صلہ ان کے اس عمل کے صلہ میں ملے گا کہ انھوں نے اس دُنیا میں تکلیفیں و مشکلیں اُٹھائیں مگر اللہ کی راہ پر گامزن رہے۔ یہ لوگ جب نذر مانتے ہیں تو اس کو پورا کرتے ہیں۔ چاہے اس کے لئے انہیں بھوکا رہنا پڑے۔ اور یہ لوگ قیامت کے ہولناک دن سے پناہ مانگتے ہیں کہ جس دن اس کا عذاب ان پر ہوگا جنہوں نے خداوند تعالیٰ کے عہد کو توڑا اور اس کی نافرمانی کی۔

متقیوں کی یہ صفت بھی ہے کہ خود بھوکے رہتے ہیں لیکن جب سائل سوال کرتا ہے تو اس کو رد نہیں کرتے۔ چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ وہ یتیموں، مسکینوں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم یہ سب کچھ اس لئے نہیں کر رہے ہیں کہ لوگوں سے اس کا بدلہ لیں یا لوگ ہمیں معزز سمجھیں یا ہمارے مشکور ہوں بلکہ یہ کام ہم اس لئے کر رہے ہیں کہ ہم اس دن (قیامت) کے عذاب سے بچ سکیں جس کا عذاب پھیلنے والا ہوگا۔ اور وہ دن اداس اور بڑا ہی ہولناک ہوگا گویا ہم یہ سب کچھ اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضامندی کے لئے کر رہے ہیں۔

عَلٰی حُبِّهٖ ــــ

ضمیر غائب کا مرجع اللہ تعالیٰ بھی ہو سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت پر دیتے ہیں لیکن اس کا مرجع طعام کو قرار دینا بہتر ہے۔ یعنی طعام کی خواہش کے باوجود اپنی خواہش کو خوشنودیٔ خداوند تعالیٰ کے لئے نظر انداز کر کے سائل کو دے دیتے ہیں۔ (انوار النجف علامہ حسین بخش)

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ ــــ

معصوم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگرچہ انھوں نے یہ بات نہ کہی تھی البتہ ان کے دل کی

آدار تھی جس کو قرآن مجید نے بیان کر دیا۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ہر مومن کے حق میں تا قیامت جاری ہے جو بھی اس طرح کرے۔ (انوار النجف علامہ حسین بخش)

ابرار کون ہوتے ہیں؟ —

ان آیات مجیدہ میں ابرار کے متعدد اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) نذر کی ایفار کرنا۔

(۲) یوم قیامت کا خوف۔

(۳) ایثار شعاری یعنی حاجت مند ہونے کے باوجود مسکین و یتیم و اسیر کو کھانا کھلانا۔

(۴) احسان کرنے کے بعد بدلہ اور شکریہ کی توقع نہ رکھنا۔

(۵) اپنے پروردگار کا خوف دل میں ہونا۔

اہلبیتؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے موافقین اور اکثر مخالفین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس جگہ ابرار کے مصداق حضرت علی علیہ السلام جناب فاطمۃ الزہراؑ اور حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہ السلام ہیں اور یہ آیات انہی کی ذات مقدسہ کے بارے میں اتری۔

(انوار النجف علامہ حسین بخش)

کَافُوْرًا —

جنت میں ایک چشمہ کا نام ہے جس کی خوشبو پاکیزہ ہوگی۔

تَفْجِیْرًا —

یعنی جنتی لوگ جہاں چاہیں گے اس کا پانی بہالے جائیں گے اور کہتے ہیں کہ جنت کی نہریں زمین کے کھودے بغیر چلیں گی۔ پس جب مومن نہر کو چلانا چاہے گا تو زمین پر خط کھینچے گا اور پانی اسی راستہ پر چلنا شروع ہو جائے گا اور ادھر اُدھر نہ پھیلے گا۔

شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا —

یعنی ہولِ محشر سخت ہوگا یا یہ کہ عذابِ قیامت جہنمیوں کے لئے ہمہ گیر ہوگا اور عذاب کو شر اس لئے کہا گیا ہے کہ جلنے والوں کے لئے اس میں خیر کی کوئی امید نہ ہوگی۔

يُطْعِمُوْن۔

یعنی وہ لوگ اپنی حاجت پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کا نام ایثار ہے۔ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ جو مسلمان خود بھوکا ہونے کے باوجود دوسرے مسلمان کو کھانا کھلائے خداوند کریم اس کو جنت کے میوہ جات عنایت فرمائے گا۔ اور جو مسلمان حاجت مند ہونے کے باوجود دوسرے برہنہ مسلمان کو لباس پہنائے خداوند تعالیٰ ان کو حلۂ ہائے بہشتی پہنائے گا۔ اور جو مسلمان خود پیاسا ہونے کے باوجود دوسرے پیاسے مسلمان کو پانی پلائے گا تو خداوند کریم اس کو رحیق سے سیراب فرمائے گا۔

(انوار النجف)

ترجمہ۔

پس اللہ نے ان کو اس دن کی گرفت سے بچا لیا اور ان کو تازگی اور سرور عنایت فرمایا" ⑪

تفسیر۔

گذشتہ آیات مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے ان نیکوکاروں کا ذکر فرمایا تھا جو نذر و نیاز کو پوری کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں کھانا کھلاتے ہیں۔ خود تکلیفیں برداشت کرتے ہیں لیکن دوسروں کی مشکلوں کو حل کرتے ہیں یہ سب کچھ عمل خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ انسان سے نہ اس کا شکریہ چاہتے ہیں اور نہ ثنا۔

اس آیت مجیدہ میں خداوند تعالیٰ ان نیک بندوں کی جزا ارشاد فرما رہا ہے کہ:۔

ان لوگوں نے جو کچھ عمل کیا اور تکلیفیں اٹھائیں صرف آخرت کے عذاب سے بچنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تو خداوند تعالیٰ نے ان کے اس عمل کو قبول کیا اور ان کے اس عمل کے بدلے میں ان کو اس روز (قیامت) کے شر، تکلیفوں اور عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ ان پر اس روز (قیامت) کوئی آفت نہیں آئے گی۔ اور یہی نہیں ہوگا بلکہ (خداوند تعالیٰ) وہ اپنی نعمتوں سے مزید نوازے گا۔ انھیں اس روز (قیامت) تازگی اور سرور عنایت فرمائے گا۔

ترجمہ۔

" اور اس نے ان کو جزا میں دیا بوجہ صبر کے جنت اور ریشمی لباس ⑫ تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے چھپر کھٹ پر کہ نہ وہاں دھوپ جلانے والی دیکھیں گے اور نہ سخت سردی۔" ⑬

تفسیر۔

خداوند تعالیٰ ان آیاتِ مجیدہ میں اس جزا کا ذکر کر رہا ہے جو ان کو اس نیکی کے بدلے دی ہے جس میں انہوں نے فقیروں، یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلایا تھا اور خود بھوکے رہے تھے۔ اور باوجود اپنی ضرورت کے صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی اور دنیاوی خواہش کو ترک کرکے آخرت کی خواہش کی تھی۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ وہ انہیں اس عمل کے صلے میں جنّت عطا کرے گا۔ اور صرف جنّت ہی عطا نہیں کرے گا بلکہ ان کے صبر کے صلے میں ریشمی لباس بھی عطا کرے گا۔ اور بہت زیادہ مسرور کرے گا۔ پھر صرف اسی پر اکتفا نہیں کرے گا بلکہ ان کے لئے ایسا موزوں لباس ہوگا اور ایسا بہترین ٹھکانہ ہوگا کہ جس میں وہ عمدہ چھپر کھٹ اور طلائی پلنگ پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ وہاں وہ (جنّت میں) نہ تو سورج کی تپش محسوس کریں گے (یعنی گرمی محسوس کریں گے) اور نہ سردی محسوس کریں گے بلکہ ایسا متوازن موسم ہوگا جس میں لطافت ہوگی اور سرور ہوگا۔ کیونکہ روزِ محشر کافروں کے سروں پر سورج دہک رہا ہوگا وہ گرمی سے بلک رہے ہوں گے۔ لیکن مومن اس روز آرام و سکون سے بیٹھے ہوں گے۔

ترجمہ۔

"اور (جنّتی درختوں) سائے ان کے قریب ہوں گے۔ اور ان کے پھل پوری طرح ان کے قبضے میں ہوں گے۔ (۱۴) اور چاندی کے پیالوں اور گلاسوں کے ساتھ ان پر چکر لگانے والے غلام مقرر ہوں گے کہ وہ پیالے شیشے کے سے ہوں گے (۱۵) ایسے روپہلے شیشے جن کو انہوں نے صحیح انداز سے پُر کیا ہوگا۔" (۱۶)

تفسیر۔

ان آیاتِ مجیدہ میں بھی ان نعمتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو جنّت میں انھیں ملیں گے۔ یعنی صرف عمدہ و ریشمی لباس ہی میسر نہیں ہوگا اور نہ چھپر کھٹ پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے بلکہ عمدہ اور نفیس موسم کے ساتھ جنّت کے سائے ان پر کھلے ہوں گے۔ اور درختوں کے سائے ان کے قریب ہوں گے۔ اور پھل دار درختوں کے میوے ان کے قبضے میں ہوں گے جن کو لینے اور توڑنے میں انہیں کوئی دِقت نہیں ہوگی انہیں جنّت میں شاہانہ سامان دیا جائے گا۔ اور برتن بھی شاندار عطا کئے جائیں گے جو چاندی کے ہوں گے اور ایسے پیالے بھی ہوں گے جو بظاہر شیشے کی طرح پاکیزہ اور صاف و نفیس ہوں گے لیکن وہ دراصل شیشے کے نہ ہوں گے بلکہ ایک مخصوص چاندی کے ہوں گے اور دیکھنے میں دیدہ زیب ہونگے۔ اور ایسے برتن دُنیا میں کوئی نہیں بنا سکا اور نہ بنا سکتا ہے۔ یہ برتن خاص انداز سے بنائے گئے ہونگے

جو ان لوگوں کے لئے مخصوص ہیں اور ان برتنوں کی آمدورفت رہے گی جنھیں حسین وجمیل غلام لائیں گے اور ہر وقت ان کے خادم وہاں موجود ہوں گے۔

ترجمہ۔

"اور جنتی لوگوں کو سیراب کیا جائے گا ایسے پیالوں سے جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی (۱۷) جو ایسے چشمے سے لیا جائے گا جس کا نام سلسبیل ہے۔" (۱۸)

تفسیر۔

ان آیات مجیدہ میں بھی جنت کی نعمت کا ذکر کیا جارہا ہے کہ انھیں ایسی عمدہ چیز کا پیالہ پلایا جائے گا جس میں زنجبیل (سونٹھ) کی آمیزش ہوگی جسے انھیں فرحت محسوس ہوگی۔ اس پانی میں اور پیالے میں زنجبیل کی خوشبو ہوگی۔ ایسی خوشبو جو دُنیا کی زنجبیل میں نہیں ہے۔

پھر انہیں ایسے چشمے سے سیراب کیا جائے گا جس کا نام سلسبیل ہوگا۔

سلسبیل جنت کے ایک چشمے کا نام ہے اور یہ چشمہ خداوند تعالیٰ نے اہلبیتؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی حضرت علی علیہ السلام وجناب فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا اور حضرت امام حسن و حضرت امام حسین علیہم السلام کو عطا کیا ہے۔ اور یہ فخر آپ کو حاصل ہے کہ جہاں خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوثر عطا کی وہاں حضرت علی علیہ السلام وجناب فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا اور حضرت امام حسن وحضرت امام حسین علیہم السلام کو سلسبیل عطا کی۔

ترجمہ۔

اور ان پر ہمیشہ رہنے والے لڑکے چکر لگائیں گے کہ جب ان کو دیکھو گے تو سمجھو گے کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ (۱۹)

تفسیر۔

اس آیت مجیدہ میں جنتیوں کی حالت کو بیان کیا جارہا ہے کہ اہل جنت ریشمی اور خوبصورت لباس پہنے ہوئے چھپر کھٹ پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے۔ اور ہر چیز ان کو عیش وعشرت کی مہیا ہوگی۔ ان کی خدمت گذاری کے لئے خوبصورت خادم ہوں گے وہ لڑکے جو جنتیوں کی خدمت گذاری کے لیئے انھیں عطا کیئے جائیں گے۔ وہ ہمیشہ کے لئے ہوں گے۔ اور وہ بار بار اِدھر اُدھر پھرتے رہیں گے۔ ان کی آمدورفت مسلسل ہوتی رہے گی۔ وہ خادم ایسے خوشنما اور حسین وجمیل ہوں گے کہ معلوم ہوگا کہ جیسے موتی بکھرے ہوئے ہیں۔

ترجمہ۔

"اور جب تم وہاں نگاہ دوڑاؤ گے تو ہر طرف نعمتیں اور وسیع ملک دیکھو گے۔ (۲۰) ان کے اوپر سندس سبز اور استبرق کا لباس ہوگا اور ان کو چاندی کے (بازوبند) کنگن پہنائے جائیں گے۔ اور ان کو ان کا رب شرابِ طہور سے سیراب کرے گا۔" (۲۱)

تفسیر۔

ان آیاتِ مجیدہ میں جنتیوں کے لئے۔ جو نعمتیں ہوں گی ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان نعمتوں میں ارضِ جنت اور لباس و مشروبات کا خاص طور پر ذکر ہے۔ جب جنتی جنت میں دیکھیں گے تو ہزاروں نعمتیں اور بڑی سلطنت نظر آئے گی اور شاہانہ ساز و سامان نظر آئے گا۔ ایسی عظیم تر جگہ اور پاکیزہ جگہ انسان نے خواب میں بھی نہیں دیکھی ہوگی۔ غرض یہ کہ جنت میں ہر طرف بے شمار نعمتیں نظر آئیں گی اور وہ ساز و سامانِ عشرت میسر آئے گا۔ جو دنیا میں بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوا۔

جنتی اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ لباس شاہانہ پہنے ہوں گے۔ یہ لباس زرق برق چمکدار جگمگاتا ہوا سبز رنگ کا ہوگا اور صاف ریشم کے مہین کپڑوں کا ہوگا جو خاص طور سے جنتیوں کے لے مخصوص ہوگا۔ ریشمی خوبصورت لباس کے ساتھ انہیں زیورات بھی پہنائے جائیں گے۔ مثلاً چاندی کے کنگن وغیرہ۔ اور ساتھ میں ان کا رب انہیں شرابِ طہور پلائے گا۔ اور انہیں خوب سیراب کرے گا۔ مطلب یہ ہے کہ محبتِ الٰہی میں گم کردے گا۔ اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی نعمتوں میں مست ہوجائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جنت کی شراب دُنیا کی شراب کی طرح نہیں ہوگی کہ انسان خراب ہوجائے۔ بلکہ وہ نہایت خوشگوار اور پاکیزہ مشروب ہے۔ اور اس کے پینے سے انسان محبتِ الٰہی میں سرشار ہوجائے گا۔

ترجمہ۔

(کہا جائے گا) بیشک یہ تمہاری جزا ہے اور تمہاری دُنیا میں سعی مشکور ہے (اور یہ اس کا بدلہ ہے)۔ (۲۲)

تفسیر۔

ان بے شمار نعمتوں کو بخشنے کے بعد اہلِ جنت سے کہا جائے گا کہ یہ بخشش اور نعمتیں تم لوگوں کو تمہارے اعمال کے صلے میں ملی ہیں۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ نے تمہارے ان اعمال کو پسند کیا ہے اور تمہارے اوپر وہ مہربان ہے۔ کیونکہ تم نے اس کے لئے دُنیا میں تکلیفیں اُٹھائیں اور دُنیاوی عیش و عشرت کو ترک کیا اور ذاتی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دی اس لئے خداوند تعالیٰ کی خوشنودی تم نے

حاصل کرلی۔ اور یہ سب نعمتیں تمہاری اپنی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ اور ان اعمال کا بدل ہیں جو تم نے دنیا میں کئے ہیں۔

ترجمہ۔

"بیشک ہم نے نازل کیا آپ پر قرآن ٹھہر ٹھہر کر۔"

تفسیر۔

شانِ نزول۔

"ان آیاتِ مجیدہ کی شانِ نزول یہ بیان کی جاتی ہے کہ کفارِ قریش عموماً اور خاص طور پر عقبہ و ولید بن مغیرہ اور ابوجہل وغیرہ نزولِ قرآن کے بارے میں اعتراض کیا کرتے تھے کہ اگر قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے تو وہ یکبارگی کیوں نازل نہیں ہو جاتا اور حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رٹ
سناتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ گھڑ کر (معاذ اللہ) لوگوں کو سناتے ۔ تو ،
اپنے رسولؐ سے مخاطب ہو کر فرما رہا ہے کہ اے رسولؐ آپ ان کی باتو،
ہیں۔ اور یہ صرف حیلے بہانے کر رہے ہیں۔"

تفسیر۔

اس آیہ کریم

کر ا

ے

ے

سمجھ

نہیں سم

اس لئے

تم

کسی گر

تفسیر۔

اس آیت

کافروں کی پرواہ نہ ۔

ہیں۔ آپ اس کو دوسروں تک پہنچاتے رہیئے۔ اور اگر کوئی گنہگار اور ناشکر گذار آپؐ سے کچھ کہے بھی تو آپؐ اس کے کہنے کی پیروی نہ کریں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر سب چھوڑ دیجیے۔

اٰثِماً۔ کَفُوراً۔

اٰثم سے مراد عتبہ بن ربیعہ اور کفوراً سے مراد ولید بن مغیرہ ہے۔ کیونکہ ان دونوں نے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ اگر آپؐ اپنی تبلیغ سے باز آجائیں تو ہم آپ کو مال و دولت سے غنی کر دیں گے۔

ترجمہ۔

"اور آپؐ یاد کریں نام اپنے رب کا صبح و شام (۲۵) اور رات میں آپؐ سجدہ کیا کریں اس کا اور تسبیح کیا کریں اس کی بڑی رات کو۔" (۲۶)

تفسیر۔

ان آیات مجیدہ میں نماز کا حکم دیا جا رہا ہے کہ صبح و شام اپنے رب کا نام لیا کیجیے۔ مطلب یہ ہے کہ اے رسولؐ آپؐ پریشان نہ ہوں اور ان لوگوں کی پرواہ نہ کریں بلکہ صبح اور شام [illegible] نماز پڑھیں اور تسبیح کیا کریں۔

[illegible] ذکر سے صبح کی نماز مراد ہے۔

[illegible] ظہر اور عصر کی نماز کا وقت مراد لیا جاتا ہے۔

[illegible] مراد رات کا کچھ حصہ ہے اور مغرب و عشاء کی دونوں نمازوں کو رات کے ابتدائی حصے میں [illegible] مراد لیا جا سکتا ہے۔

[illegible] اور اس تسبیح سے مراد نماز تہجد ہے۔ جس طرح کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام [illegible] آپ سے احمد بن محمد بزنطی نے اس تسبیح کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ

ترجمہ۔

بیشک یہ لوگ دنیاوی فوائد کو دوست رکھتے ہیں اور سخت دن کو نظرانداز کرتے ہیں جو بعد میں آنے والا ہے (۲۷)

تفسیر۔

اس آیت مجیدہ میں کافروں کی حالت کو بیان کیا جارہا ہے کہ یہ دُنیاوی فوائد کو دوست رکھتے ہیں اور نفسانی خواہش میں گرفتار ہیں۔ اور دُنیاوی حرص ولالچ کی بنا پر آخرت کو انھوں نے چھوڑ دیا ہے۔ اور انھیں اس دن کی کچھ فکر نہیں جو بعد میں آنے والا ہے اور مختلف حیلے بہانے کرتے ہیں۔

ترجمہ۔

"ہم نے ان کو پیدا کیا اور ہم نے ان کے اعضاء کو مضبوط کیا اور جب ہم چاہیں گے ان کی جگہ ان جیسوں کو تبدیل کرسکتے ہیں" (۲۸)

تفسیر۔

اس آیت مجیدہ میں خداوند تعالیٰ فرمارہا ہے کہ ہم نے انہیں پیدا کیا ہے اس لئے یہ دوسروں سے تو بہانہ کرسکتے ہیں مگر ہم سے نہیں۔ کیونکہ یہ اس سے کیا بہانہ کریں گے جس نے ان کو پیدا کیا۔ ان کی بنیاد کو مضبوط کیا۔ اور ان کا جسم مضبوط بنایا۔ یہ نیک و بد کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ خدا طاقتور اور حکمت والا ہے اور جب ہم چاہیں تو انہیں مٹا کر ویسی ہی شکل وصورت اور قوت والے لوگ پیدا کرسکتے ہیں۔ اور ہم ایسا کرتے بھی ہیں جیسا کہ سابقہ قوموں کے ساتھ کیا۔

شَدَدْنَا۔

اس کے اصل معنی ہیں باندھنا اور اسی مناسبت سے قیدی کو اسیر کہا جاتا ہے اور اس جگہ اس سے مُراد انسان کے تمام اعضاء بدن ہیں جن میں انسان جکڑا اور بندھا ہوا ہے۔

بَدَّلْنَا۔

یہ کفّار کے لئے دھمکی اور تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ڈھیل سے دھوکہ نہ کھاؤ اور مضبوطیٔ جسم اور فراوانیٔ نعمت پر نہ اتراؤ۔ کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے پیدا کرنے پر قادر ہے اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کرکے تمہاری جگہ دوسری قوموں کو بھی آباد کرسکتا ہے۔

ترجمہ۔

بشک یہ (قرآن مجید) نصیحت ہے۔ پس جو چاہے اپنے رب کی خوشنودی کا راستہ اختیار کرے۔ (۲۹)

تفسیر۔

بے شک یہ قرآن مجید نصیحت ہے۔ اور یہ کسی خاص قبیلہ یا گروہ یا لوگوں کے لئے نہیں ہے بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے ہدایت ہے اور جو چاہے اس سے راہِ مستقیم حاصل کرے اور اللہ کی قربت حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب برابر ہیں۔ اور اس لئے یہ قرآن مجید بھی سب کے لئے رحمت ہے اور اس کی رحمت کی راہیں کھلی ہوئی ہیں۔

ترجمہ۔

" اور تم نہیں چاہتے مگر وہ جو اللہ چاہتا ہے۔ بشک اللہ جاننے والا و حکمت والا ہے" (۳۰)

تفسیر۔

اس آیت مجیدہ میں خداوند تعالیٰ اپنی طاقت اور قوّت کا اعتراف کروا رہا ہے کہ اے کفارِ قریش یاد رکھو کہ اللہ کی اجازت کے بغیر تم تو کچھ نہیں کر سکتے۔ مگر وہ سب کچھ کر سکتا ہے کیونکہ وہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اس لئے اسے تمہارے دلوں کا حال خوب معلوم ہے اس لئے تم اس سے بچ نہیں سکتے۔

وَمَا تَشَاءُونَ۔

پہلی جگہ مشیت سے مُراد اختیار ہے اور دوسری جگہ مشیت کے معنی اجبار ہے۔ یعنی تم لوگ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا راستہ اختیار نہیں کرو گے مگر اللہ تعالیٰ تم کو مجبور کرے۔ مگر اللہ تو کسی کو مجبور نہیں کرتا ہے بلکہ اس نے تو ہر انسان کو مختار بنا دیا ہے کہ چاہے تو ایمان اختیار کرے اور چاہے تو کفر کو اختیار کرے اور اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ تم جو کچھ چاہتے ہو اللہ وہی چاہتا ہے۔

ترجمہ۔

" داخل کرتا ہے جسے چاہے اپنی رحمت میں اور ظالموں کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔" (۳۱)

تفسیر۔

اس آیت مجیدہ میں خداوند تعالیٰ اپنی قوت اور طاقت کا اعتراف

کر دار ہا ہے کہ یاد رکھو کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہیں وہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور جسے چاہے درد ناک عذاب میں مُبتلا کرتا ہے۔

اور جو لوگ اس واضح ہدایت کے بعد بھی ایمان نہیں لائیں گے اور راہ مستقیم اختیار نہیں کریں گے تو ایسے کافروں کے لئے خداوند تعالیٰ نے درد ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ یعنی آخرت میں ان کے لئے سخت عذاب ہے۔

"حصۂ دوم"

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ولادت باسعادت ۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کے معزز ترین قبیلہ بنی ہاشم میں سے تھے۔ آپؐ کی ولادت کی تاریخ کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہے۔ اور آج تک یہ بات طے نہ ہو سکی کہ آپؐ کس تاریخ کو پیدا ہوئے؟ کوئی ۶ ربیع الاول کہتا ہے کوئی ۱۲ ربیع الاول کوئی ۱۷ ربیع الاول اور کوئی ۹ ربیع الاول کہتا ہے۔

اہلسنت کی مستند تاریخ کی کتابوں میں زیادہ تر ۹ ربیع الاول کو آپ کی ولادت باسعادت بتایا گیا ہے۔ چنانچہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النبیؐ میں لکھا ہے کہ مشہور ہیئت داں عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انہوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپؐ کی ولادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی۔ (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صـ۲۴)

تاریخ الخمیس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دسویں ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔

علامہ مجلسی حیات القلوب جلد دوم میں لکھتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت علمائے امامیہ کے اجماع کے نزدیک ۱۷ ربیع الاول ہے۔

صاحب کتاب عدد قویہ نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سترھویں ماہ ربیع الاول روز جمعہ طلوع صبح کے وقت اصحاب فیل کے ہلاک ہونے کے تیس سال پچپن یا پینتالیس روز بعد واقع ہوئی بعض کہتے ہیں کہ اسی روز اور زیادہ مشہور یہ ہے کہ اسی سال واقع ہوئی۔

(علامہ مجلسی حیات القلوب جلد دوم صـ۱۱۲)

عامۃ المسلمین کہتے ہیں کہ روز دوشنبہ کو حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے اور نوشیرواں کی بادشاہی کے سات سال باقی تھے۔ بعض کا قول ہے کہ ہرمز بن نوشیرواں کی

بادشاہی کے زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی۔

طبری کا قول ہے کہ نوشیرواں کی حکومت کے بیالیس (۴۲) سال گذرے تھے۔ اس قول کی تائید میں وہ روایت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں بادشاہ عادل کے زمانے میں پیدا ہوا بیان کرتے ہیں کہ شباط رومی کی بیس اور بعض کا قول ہے کہ پہلی یا بیس یا اٹھائیس تاریخ تھی۔ اور اہلِ فارس کے مہینے ونے کی سترھویں تاریخ تھی اور منزل قمر سے ستارہ عقرب طلوع تھا۔

(علامہ مجلسی حیات القلوب جلد دوم صـ۱۱۳)

ابو معشر (نجومی) کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا طالع جدی کی بیسویں درجہ میں تھا اور زحل ومشتری بُرج عقرب میں تھے۔ مریخ اپنے خانہ میں بُرج حمل میں تھا اور سورج شرف حمل میں تھا۔ اور زہرہ شرف میں، برج حوت میں تھا اور عطارد بھی حوت میں تھا۔ چاند بھی پہلے میزان میں اور راس جوزا میں تھا اور زنبا قوس میں اور حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مکان میں پیدا ہوئے۔ بعد میں وہ مکان عقیل بن ابی طالب کو دے دیا۔ اور حضرت عقیل نے اس کو محمد بن یوسف حجاج کے بھائی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس نے اس کو اپنے مکان میں شامل کر لیا۔ ہارون کا زمانہ آیا تو اس کی ماں خیزراں نے اس کو محمد بن یوسف کے مکان سے الگ کر کے مسجد بنا دیا وہ اب تک اسی حال میں ہے۔ (علامہ مجلسی حیات القلوب جلد دوم صـ۱۱۳)

چنانچہ ہم آپ کی ولادت باسعادت کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ فقہ جعفری کے ماننے والوں کے نزدیک اقوال آئمہ معصومین علیہم السلام کے مطابق آپؐ کی ولادت سترہ (۱۷) ربیع الاول ہے اور اہلسنت والجماعت کے مطابق آپؐ کی ولادت باسعادت ۹ ربیع الاول یا ۱۲ ربیع الاول ہے۔

آپؐ کے والد گرامی کا نام جناب عبداللہ بن عبدالمطلب تھا اور والدہ ماجدہ کا نام جناب آمنہ بنت وھب تھا۔ آپؐ کا نام آپؐ کے دادا جناب عبدالمطلب نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رکھا تھا۔

دلائل النبوۃ بیہقی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے ساتویں دن حضرت عبدالمطلب نے تقریبِ عقیقہ منعقد کر کے قریش کو مدعو کیا۔ جب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے جناب عبدالمطلب سے پوچھا کہ تم نے اس مولود کا نام کیا رکھا ہے۔ جس کی ولادت کی خوشی میں ہم کو مدعو کیا ہے۔ جناب عبدالمطلب نے فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لوگوں نے کہا ایسے نام کیوں نہیں رکھے جیسے اب تک اس گھرانے میں ہوتے آئے ہیں۔ جناب عبدالمطلب نے کہا کہ میں نے اس نیت سے یہ نام رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بچے کو ممدوح فرمائے سموات میں اور مخلوقِ خدا زمین پر

اس کی مدّاح کرے "

علامہ کلینی اور علامہ شیخ طوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بسند حضرت امام باقر علیہ السلام و حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جس دن جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پیدا ہوئے اسی کی صبح کو علمائے اہل کتاب میں سے ایک شخص قریش کی مجلس میں آیا جس میں ان کے بڑے بڑے لوگ موجود تھے ان میں ہشام اور ولید مغیرہ کے بیٹے اور عاص بن ہشام، ابوزجرہ بن ابی عمرو بن اُمیہ و عتبہ بن ربیعہ بھی تھے۔ اس عالم یہود نے کہا آیا آج رات تمہارے قبیلے میں کوئی فرزند پیدا ہوا ہے؟ ان لوگوں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا ضرور ایک لڑکا پیدا ہونا چاہیئے۔ جس کا نام احمدؐ ہوگا۔ اور اس میں ایک علامت مثل ایک گھاس کے جو سیاہی مائل ہوتی ہے ہونا چاہیئے۔ اہل کتاب کی خاص طور سے یہودیوں کی ہلاکت اسی کے ہاتھ سے ہوگی۔ ممکن ہے وہ لڑکا پیدا ہوا ہو۔ اور تم لوگوں کو اطلاع نہ ہو۔ وہ لوگ متفرق ہوئے تو لوگوں سے دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے فرزند پیدا ہوا ہے۔ پھر ان لوگوں نے عالم یہود کو بلایا اور کہا ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اس نے پوچھا کہ میرے بیان کرنے سے پہلے یا بعد میں پیدا ہوا ہے۔ کہا پہلے ہی۔ اس نے کہا مجھے اس کے پاس لے چلو میں اس کو دیکھوں گا۔ وہ لوگ جناب آمنہ کے پاس اس کو لے گئے۔ اور کہا کہ اپنے بچے کو باہر لاؤ کہ ہم بھی دیکھیں۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم میرا بچہ دوسرے بچوں کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ اس نے پیدا ہوتے ہی اپنے ہاتھوں کو زمین پر رکھا اور سر جانب آسمان بلند کیا تو ایک نور اس سے ظاہر ہوا جس کی روشنی میں میں نے بصرہ کے قصر شام میں دیکھے۔ اور ایک ہاتف ہوا میں کہہ رہا تھا کہ سیدِ اُمت پیدا ہوا لہٰذا کہو

" اُعِیْذُہٗ بِالْوَاحِدِ مِنْ شَرِّ کُلِّ حَاسِدٍ - "

(میں اس کو تمام حاسدوں کے شر سے خدائے واحد کی پناہ میں دیتی ہوں)

اور اس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رکھو۔ یہ سن کر اس عالم یہود نے کہا اس بچے کو مجھے دکھاؤ۔ جناب آمنہ اس کے سامنے آنحضرتؐ کو لائیں اس نے آپؐ کی پشت اور شانوں کو دیکھا اور مُہرِ نبوت مشاہدہ کی، وہ بیہوش ہوکر گر پڑا۔ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت آمنہ کی گود میں دے دیا اور کہا کہ خدا تم کو فرزند مبارک کرے۔ جب اس عالم کو ہوش آیا تو لوگوں نے پوچھا کہ تجھ کو کیا ہوا۔ اس نے کہا پیغمبری بنی اسرائیل سے قیامت تک کے لئے برطرف ہوگئی۔ خدا کی قسم یہی وہ ہے جو ان لوگوں کو ہلاک کرے گا۔ جب اس نے دیکھا کہ قریش اس کی گفتگو سے بہت خوش ہو رہے ہیں تو بولا کہ خدا کی قسم وہ تم پر ایسی ہیبت طاری کرے گا کہ اہل مشرق و مغرب یاد کریں گے۔

(علامہ مجلسی حیات القلوب جلد دوم ص ۱۱۹ ص ۱۲۰)

جناب امیرالمومنین علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب آپؐ پیدا ہوئے تمام بُت جو کعبہ کے گرد رکھے ہوئے تھے مُنہ کے بل گر پڑے اور شام ہوتے ہی ایک آواز آسمان سے آئی۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔

(آیت ۸۱ پ ۱۵۔ سورہ بنی اسرائیل)

(حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ بیشک باطل مٹ جانے والا ہی تھا)

اس رات تمام دُنیا روشن ہوگئی اور پتھر اور درخت بزبانِ حال خوشی کا اظہار کر رہے تھے اور زمین و آسمان میں جو کچھ ہے تسبیح خدا میں محو ہو گئے۔ اور شیطان بھاگا بھاگا پھر رہا تھا۔ کہتا تھا کہ اُمتوں میں سے سب سے بہتر۔ خلائق میں سب سے اعلیٰ۔ بندوں میں سب سے عزت والے۔ اور تمام عالم میں سب سے بزرگ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔

(علامہ مجلسی حیات القلوب جلد دوم ص۱۲۳)

ابن بابویہ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی رات ایوانِ کسریٰ کو لرزہ ہوا۔ اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ (حیات القلوب جلد دوم ص۱۲۲)

تاریخ ابو الفدا میں ہے کہ شب ولادت با سعادت نبویؐ نوشیرواں کے ایوان میں زلزلہ آیا اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے اور فارس کی آگ جو ہزاروں سال سے برابر شعلہ زن تھی دفعتہً بجھ گئی۔ اور بحیرہ ساوہ کا پانی سُوکھ گیا۔

محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں جناب عبدالمطلب سے یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ جس رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے میں کعبہ میں تھا۔ جب آدھی رات گذری تو میں نے دیکھا کہ خانۂ کعبہ بمقام ابراہیم کی جانب مائل ہو کر سجدے میں گیا اور اس سے تکبیر کی آواز آئی یعنی اللہ اکبر، اللہ اکبر اب مجھے میرے پروردگار نے بتوں کی پلیدگی اور مشرکوں کی نجاست سے پاک کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احمدؐ اور محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نام کے علاوہ بھی چند نام ہیں۔ جو ہمیں روایات اور قرآن مجید سے ملتے ہیں۔ ترمذی نے جبیر بن مطعم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ میرے چند نام ہیں محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) احمدؐ، حاشرؐ۔ یعنی جس کے زیرِ قدم لوگ محشور ہوں گے۔ ماحیؐ یعنی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹا دے گا۔ اور عاقبؐ اور فاتحؐ۔ عیاض نے کتاب شفا میں ذکر کیا ہے کہ خداوند تعالیٰ کے ناموں میں

سے ایک نام صادق ہے اور حدیث میں رسول مقبول کا نام بھی صادق مصدوق آیا ہے۔ نیز خدا کے نام ولی اور مولی بھی ہیں جن کے معنی ناصر و مددگار ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "انما ولیکم اللہ ورسولہ" اور رسول مقبول نے فرمایا "انا ولی کل مومن" نیز حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ "النبی اولی بالمومنین من انفسہم"۔

علامہ مجلسی حیات القلوب جلد دوم میں ابن بابویہ نے بسند معتبر جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" نے فرمایا کہ میں لوگوں میں جناب آدم علیہ السلام سے سب سے زیادہ مشابہ اور جناب ابراہیم علیہ السلام سب سے زیادہ صورت وسیرت میں مجھ سے مشابہ تھے۔ خدا نے بالائے عرش سے میرے دس نام اپنے عظمت وجلال کے رکھے اور میرے اوصاف بیان فرمائے اور ہر پیغمبر کی زبانی ان کی قوم کو میری خوش خبری پہنچائی۔ اور توریت وانجیل میں میرا بہت تذکرہ ہے۔ اپنے کلام کی مجھے تعلیم دی۔ مجھ کو آسمان پر بلند کیا اور میرا نام اپنے اسم بزرگ سے اشتقاق فرمایا۔ اس کا نام محمود ہے اس لئے اس نے میرا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رکھا اور مجھ کو بہترین زمانہ اور بہترین امت میں پیدا کیا۔ توریت میں میرا نام احید رکھا کیونکہ توحید ویگانہ پرستی خدا کے سبب میری امت کے اجسام آتش جہنم پر حرام قرار دیئے۔ انجیل میں میرا نام احمد ہے کیونکہ میں آسمانوں میں محمود ہوں اور میری امت حمد کرنے والی ہے۔ زبور میں مجھ کو ماحی کہا گیا ہے اس لئے کہ خدا میرے سبب سے زمین پر بتوں کی پرستش مٹائے گا۔ اور قرآن میں میرا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رکھا ہے۔ کیونکہ قیامت میں تمام امتیں میری مدح کریں گی۔ اس سبب سے کہ سوائے میرے کوئی شفاعت نہ کرے گا۔ مگر میری اجازت سے کرے گا اور قیامت میں مجھ کو حاشر کے نام سے پکاریں گے کیونکہ میری امت کا زمانہ قیامت کے زمانے سے متصل ہوگا۔ پھر مجھ کو موقف کے نام سے یاد کیا جائے گا۔ کیونکہ لوگوں کو خدا کے نزدیک حساب کے لئے کھڑا کروں گا اور خداوند تعالیٰ نے میرا نام عقب رکھا ہے کیونکہ تمام پیغمبروں کے عقب میں آیا ہوں اور میرے بعد کوئی نبی وپیغمبر نہ ہوگا۔ میں رسول رحمت ورسول توبہ اور رسول ملاحم ہوں۔ یعنی جنگ کرنے والا ہوں اور میں رسول مقفیٰ ہوں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے قفا میں یعنی بعد میں مبعوث ہوا ہوں اور میں قثم ہوں یعنی کامل تمام کمالات کا جامع اور میرے پروردگار نے مجھ پر احسان کیا ہے اور کہا ہے کہ ہر پیغمبر کو اس کی امت کی زبان میں یعنی ایک زبان کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ اور تم کو ہر سرخ وسیاہ پر مبعوث کیا ہے اور تمہاری مدد کی ہے اس خوف کے ساتھ جو تمہاری طرف سے تمہارے دشمنوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے۔ کسی دوسرے پیغمبر کے

بارے میں ایسا نہیں کیا۔ اور کافروں کا مالِ غنیمت تمہارے لئے حلال کر دیا ہے۔ لیکن تم سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا تھا۔ بلکہ ان کو یہ حکم دیا تھا کہ کافروں سے جو مالِ غنیمت حاصل ہو اس کو جلا دو۔ اور تم کو اور تمہاری امت کو عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ عطا کیا ہے۔ اور وہ سورہ فاتحۃ الکتاب کے سورتوں میں سے اور سورہ بقرہ کی آیتیں ہیں اور تمہارے اور تمہاری اُمت کے لئے تمام رُوئے زمین کو محل سجدہ قرار دیا ہے۔ گذشتہ امتوں کے برخلاف ان کو عبادت خانوں کے سوا کہیں سجدہ کا حکم نہ تھا۔ خاک کو تمہارے لئے پاک کرنے والی بنایا اور کلمۂ "اللہ اکبر" کو تمہیں اور تمہاری امت کو بخشا۔ اور اپنا ذکر تمہارے ذکر سے متصل کر دیا کہ جب تمہاری امت مجھ کو وحدانیت کے ساتھ یاد کرے تو تم کو رسالت کے ساتھ یاد کرے لہٰذا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم کو اور تمہاری امت کو خوشخبری ہو۔"

دوسری حدیث معتبر میں ہے کہ یہودیوں کا ایک گروہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور سوال کیا کہ کس سبب سے آپؐ کو احمدؐ، محمدؐ، ابو القاسمؐ اور بشیرؐ و نذیرؐ اور داعیؐ کہتے ہیں؟ فرمایا کہ مجھ کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس لئے کہتے ہیں کہ زمین میں مدح کیا گیا ہوں۔ احمدؐ اس وجہ سے کہ اہلِ آسمان نے میری ثنا کی ہے اور ابو القاسمؐ اس سبب سے میرا نام ہے کہ روزِ قیامت خدا بہشت و دوزخ میرے سبب سے تقسیم کرے گا۔ لہٰذا جو شخص گذشتہ و آئندہ لوگوں میں سے کافر ہو گیا ہے اور مجھ پر ایمان نہیں لایا ہو گا اس کو جہنم میں ڈالے گا اور جو شخص مجھ پر ایمان لایا ہو گا اور جس نے میری رسالت کا اقرار کیا ہو گا اس کو بہشت میں داخل کرے گا۔ مجھ کو داعیؐ اس سبب سے کہتے ہیں کہ میں لوگوں کو اپنے پروردگار کے دین کی دعوت دیتا ہوں۔ نذیرؐ اس لئے کہتے ہیں کہ جو شخص میری نافرمانی کرتا ہے اس کو آتشِ جہنم سے ڈراتا ہوں۔ بشیرؐ اس لئے نام ہوا کہ اپنے فرماں برداروں کو بہشت دیتا ہوں۔"

(حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۱۹۶)

دوسری حدیث موثق میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ کے دس نام ہیں پانچ نام قرآن مجید میں مذکور ہیں اور پانچ نام اس سے علیحدہ ہیں۔ قرآن مجید میں مذکور نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) احمدؐ، عبداللہ، یٰسینؐ اور نونؐ ہیں اور جو قرآن مجید میں نہیں ہیں وہ فاتحؐ، خاتمؐ، کافیؐ، مُقفّیؐ اور حاشرؐ ہیں۔"

علی بن ابراہیم سے روایت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مُزمّلؐ نام رکھا کیونکہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تو آپؐ کمبل اوڑھے ہوئے تھے اور مُدثّرؐ کا خطاب قیامت سے پہلے حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رجعت

کے اعتبار سے ہے۔ یعنی وہ جو کفن پہنے ہوئے زندہ ہو کر دوبارہ لوگوں کو عذاب سے ڈرائے"۔
ابن بابویہ نے بسند صحیح حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں آپ کا نام ماحیؐ ہے۔ توریت میں حادؐ، انجیل میں احمدؐ اور قرآن مجید میں محمدؐ ہے۔ (آگے کی روایت دی ہے جو پہلے گذر چکی ہے)۔ (حیات القلوب جلد دوم ص۱۹)

صفار نے بسند حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دس نام قرآن مجید میں ہیں۔ محمدؐ، احمدؐ، عبداللہ، طٰہٰ، یٰسینؐ، نونؐ، مزملؐ، مدثرؐ، رسولؐ اور ذکرؐ۔

جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔ (آیت ۱۴۴ سورہ آل عمران)
مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ۔
(سورۃ الصف آیت ۶ پ ۲۸)
وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا۔
(آیت ۱۹ سورہ جن پ ۲۹)
طٰهٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى ــــ (آیت ۱-۲ سورہ طٰہٰ پ۱۶)
يٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ــــ (سورہ یٰسین آیت ۱ پ ۲۲)
نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ــــ (آیت ۱ سورہ قلم پ ۲۹)
يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ــــ (آیت ۱ سورہ المزمل پ ۲۹)
يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ــــ (آیت ۱ سورہ المدثر پ ۲۹)
قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ۔
(آیت ۱۰-۱۱ سورہ الطلاق پ ۲۸)

بعض علماء نے قرآن مجید سے چار سو اسماء آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ثابت کئے ہیں۔
اکثر علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اسمائے گرامی اور القاب ان کے علاوہ، جو پہلے مذکور کر چکی ہوں اور جو قرآن مجید سے بیان کئے ہیں یہ ہیں۔ شاہدؐ، شہیدؐ، مبشرؐ، بشیرؐ، نذیرؐ، داعیؐ، سراج منیرؐ، رحمۃ للعالمینؐ، رسول اللہ، خاتم النبیینؐ، نبیؐ، امیؐ، نورؐ، نعمتؐ، رؤفؐ، رحیمؐ، منذرؐ، مذکرؐ، شمسؐ، نجمؐ، حٰمٓؐ۔ سماؐ اور متینؐ"۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتدا میں اپنی والدہ ماجدہ جناب آمنہ بنت وھب کا دودھ پیا۔ اور اس کے بعد جناب ثوبیہ کا اور جناب ثوبیہ کے بعد جناب حلیمہ بنت ابی ذویب کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔

ابن شہر آشوب نے روایت کی ہے کہ پہلی مرتبہ جناب ثوبیہ کنیز ابولہب کا جو آزاد کر دی گئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ پیا۔ اس کے بعد جناب حلیمہ سعدیہ کا۔ اور جناب حلیمہ سعدیہ کے پاس آپؐ پانچ سال تک رہے۔ (حیات القلوب جلد دوم ص۱۳۹)

ایک روایت کے مطابق آپؐ کے والد بزرگوار کا انتقال آپؐ کے پیدا ہونے سے پہلے ہو گیا تھا۔ اور دوسری روایت کے مطابق جب آپؐ دو ماہ کے بھی نہیں تھے جب ہوا تھا۔ چنانچہ آپؐ کو ترکہ میں پانچ اونٹ چند بھیڑیں اور ایک حبشی کنیز جناب اُم ایمن ملی تھیں۔

آنحضرتؐ کی ولادت کے وقت عرب میں یہ دستور تھا کہ شہر کے رؤسا اور شرفا شیر خوار بچوں کو اطراف کے قصبات اور دیہات میں بھیج دیتے تھے۔ یہ رواج اس غرض سے تھا کہ بچے بدوؤں میں پل کر فصاحت کا جوہر پیدا کریں اور عرب کی خالص خصوصیات سے بہرہ ور رہتے تھے۔

غرض اس دستور کی بنا پر سال میں دو مرتبہ دیہات سے شہر عورتیں آیا کرتی تھیں اور شرفائے شہر اپنے شیر خوار بچے ان کے حوالے کر دیا کرتے تھے۔ اس دستور کے مطابق آپؐ کی ولادت کے چند روز بعد قبیلۂ ہوازن کی چند عورتیں بچوں کی تلاش میں آئیں۔ ان میں حضرت حلیمہ سعدیہ بھی تھیں۔ اتفاق سے ان کو کوئی بچہ ہاتھ نہیں آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے ان کو مقرر کرنا چاہا تو ان کو خیال آیا کہ یتیم بچے کو لے کر کیا کروں گی لیکن خالی ہاتھ بھی نہ جا سکتی تھیں اس لئے جناب آمنہ کی درخواست قبول کی۔ اور آپؐ کو لے کر چلی گئیں۔ چنانچہ آپؐ پانچ برس کی عمر تک قبیلۂ بنی سعد میں پرورش پاتے رہے۔ اس دوران کبھی کبھی جناب حلیمہ سعدیہ آپؐ کو آپؐ کی والدہ ماجدہ سے ملانے کے لئے مکۂ معظمہ بھی لایا کرتی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار رضاعی بھائی بہن تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ عبد اللہ۔ انیسہ۔ حذیفہ اور حذافہ جو شیما کے لقب سے مشہور تھیں ان میں سے عبداللہ اور شیما کا اسلام لانا ثابت ہے۔ باقی لوگوں کا حال معلوم نہیں۔

جناب حلیمہ سعدیہ ارشاد فرماتی ہیں کہ آپؐ دوسرے بچوں سے مختلف تھے اور آپؐ نے کبھی کوئی خطا نہیں کی۔

نہج البلاغہ میں جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب سے منقول ہے کہ "خداوند عالم نے ایک

بلند فرشتہ کو مقرر کیا۔ جو ہر وقت آپؐ کے ساتھ رہتا تھا اور آپؐ کو مکارم آداب و محاسنِ اخلاق پر قائم رکھتا تھا۔

بسندِ معتبر منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت
اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۱ (آیت ۲۷ سورۃ الجن پ ۲۹)
(خدا جس رسول کو پسند فرماتا ہے اس کے آگے اور پیچھے نگہبان (فرشتے) مقرر کر دیتا ہے) کی تفسیر دریافت کی۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ خداوند عالم اپنے پیغمبروں کے ساتھ چند فرشتوں کو مقرر کرتا ہے جو ان کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کی طرف ان کی تبلیغ رسالت ادا کرتے رہتے ہیں۔ اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک بلند مرتبہ فرشتہ کو مقرر فرمایا۔ جس روز سے کہ آنحضرتؐ کا دودھ چھڑایا گیا وہ فرشتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکارم اخلاق اور نیکیوں پر قائم رکھتا اور مساوی اخلاق میں برائیوں سے محفوظ رکھتا تھا۔ اور اس وقت جب آپؐ سنِ شباب کو پہنچے آپؐ کو ندا دیتا تھا "السلام علیک یا محمدؐ" یا رسول اللہ۔ حالانکہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی مرتبہ رسالت پر فائز نہیں ہوئے تھے۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گمان کرتے تھے کہ یہ آواز پتھر یا زمین سے پیدا ہوئی ہے کیونکہ آپؐ کو کوئی نظر نہیں آتا تھا"

صاحب بحار الانوار نے بروایت جنابہ حلیمہ لکھا ہے کہ۔
"محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچپن میں نہ روتے تھے اور نہ کبھی خلافِ اخلاق زبان سے کوئی لفظ نکالتے تھے۔ جب کچھ کھانے لگتے تو دست چپ سے نہیں کھاتے تھے بلکہ دست راست سے تناول فرماتے تھے۔ اور جب وہ بات کرنا چاہتے تھے تو پہلے بسم اللہ کہہ دیتے تھے اور جب صغر سنی میں جسم کپڑا ہٹ جاتا تھا تو سکون نہیں ہوتا تھا۔ جناب حلیمہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بچپن ہی سے میں نے وہ عقل و فراست اور حکمت کی باتیں دیکھیں کہ میں بہت تعجب کیا کرتی تھی۔ حتیٰ کہ مجھ کو آپؐ سے خوف و لحاظ پیدا ہو گیا"

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام جناب حلیمہ سعدیہ کے مکان پر پانچ سال یا بعض روایات کے مطابق پانچ سال سے کچھ ماہ زیادہ رہا۔ پانچ سال کے بعد آپؐ اپنی والدہ ماجدہ کے پاس رہنے لگے۔ جب آپؐ چھ برس کی عمر کو پہنچے تو آپؐ کی والدہ ماجدہ آپؐ کو اپنے شوہر جناب عبداللہ کی قبر کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ لے گئیں اور ایک مہینے آپؐ نے اپنی والدہ گرامی کے ساتھ وہاں قیام کیا۔ ایک مہینے کے بعد جب آپ واپس مکہ معظمہ ہوئیں تو راستے میں بمقام ابواء (جو جحفہ سے ۲۳ میل پر ایک گاؤں ہے) ام

انتقال کر گئیں۔ جناب ام ایمن آپؐ کو لے کر مکہ معظمہ آگئیں۔ اس طرح آپؐ چھ سال کی عمر میں ماں باپ دونوں سے جُدا ہو گئے۔

والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد آپؐ کو آپؐ کے دادا جناب عبدالمطلب نے اپنے دامنِ محبت میں جگہ دی اور آپ کو تربیت دی۔ ہمیشہ آپؐ کو اپنے ساتھ رکھتے اور اپنی اولادوں پر آپؐ کو سبقت دیتے تھے لیکن خداوند تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا۔ آپ اس محبت سے بھی آٹھ سال کی عمر میں محروم ہو گئے۔

آپؐ کے دادا (جناب عبدالمطلب) نے مرتے وقت آپؐ کا ہاتھ اپنے صاحبزادے جناب ابوطالب کو دے دیا۔ اور نصیحت کی کہ "دیکھو اس کا خیال رکھنا۔ ایسا نہ ہو کہ یہ میرے بعد دُکھ درد اٹھائے یا دوسرں کا دست نگر بنے۔"

ابن عباس سے منقول ہے کہ کسی کے واسطے کعبہ معظمہ کے سامنے مسند نہیں بچھائی گئی سوائے عبدالمطلب کے۔ ان کی مسند پر ان کے احترام و اکرام کے سبب سے کوئی شخص نہیں بیٹھتا تھا۔ لیکن جب سرورِ کائناتؐ تشریف لاتے تھے اور ان کی مسند پر بیٹھنا چاہتے اور ان کے چچا وغیرہ روکنا چاہتے تو جناب عبدالمطلب فرماتے چھوڑو میرے فرزند کو کہ اس کی شان بزرگ ہے۔ وہ عنقریب تمہارا سید و سردار ہوگا۔ میں اس کی پیشانی سے بزرگی و سرداری کا نور مشاہدہ کرتا ہوں۔ وہ تمام خلق کا پیشوا ہوگا۔ پھر ان کو گود میں لیتے اور ان کی پشت پر ہاتھ پھیرتے اور بار بار پیار کرتے اور فرماتے کہ میں نے کبھی اس کے رخسار سے نرم و پاکیزہ تر اور اس کے جسم سے بہتر نہیں دیکھا۔ چونکہ جناب عبداللہ اور جناب ابوطالب حقیقی بھائی تھے۔ اس لئے جناب ابوطالب سے فرمایا کرتے کہ اس فرزند کی عزت و شان بہت بلند ہے لہٰذا اس کی حفاظت کرنا۔ کیونکہ وہ بے ماں باپ کا تنہا و اکیلا ہے۔ آپ پر مثل ماں کے مہربان رہنا تاکہ کوئی تکلیف اور صدمہ اس کو نہ پہنچے۔ پھر آپ کو اپنے کاندھے پر سوار کر کے سات مرتبہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔
جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھ سال کے ہوئے آپ کی مادرِ گرامی نے ابوا میں جو مکہ و مدینہ کے درمیان ایک منزل ہے انتقال کیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے خالوؤں کے پاس جو بنی عدی سے تھے لے گئے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماں باپ دونوں سے محروم ہو گئے تو حضرت عبدالمطلب کی شفقت و مہربانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زیادہ بڑھ گئی۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے سینہ پر بٹھایا ان کو پیار کرتے اور روتے تھے۔ پھر حضرت ابوطالب کی جانب رُخ کر کے بولے اس یگانۂ روزگار کی حفاظت و نگہبانی کرنا جس نے باپ کی خوشبو نہیں سونگھی ہے نہ ماں کی شفقت کا لطف اٹھایا ہے۔ اس کو اپنے جگر کا ٹکڑا سمجھنا میں نے دیکھا ہے

کہ آپؐ کو وہ بادشاہی و عظمت حاصل ہو گی کہ ویسی رفعت و منزلت ہمارے باپ داداؤں میں سے کسی کو بہتر نہیں ہوئی ہے۔ اے فرزند کیا تم نے میری وصیت قبول کی ؟ جناب ابو طالب نے کہا ہاں قبول و منظور کیا اور میں نے خدا کو اپنے اس عہد پر گواہ کیا۔ یہ سُنکر حضرت عبد المطلب نے حضرت ابو طالب کا ہاتھ پکڑ کر اقرار و پیمان کو مضبوط کیا۔ اور کہا کہ اب موت مجھ پر آسان ہو گئی ہے اور بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیار کرتے رہے اور کہتے جاتے تھے کہ میں نے ایسی پاکیزہ خوشبو اپنے فرزندوں میں سے کسی کی نہیں پائی۔ کاش میں تمہارے زمانۂ نبوت و رسالت تک زندہ رہتا۔ یہ کہتے ہوئے آپ کی روح مقدس ملاء اعلیٰ کی جانب پرواز کر گئی۔ اس وقت حضرت رسول خدا کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ پھر حضرت ابو طالب نے آپؐ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھا اور رات و دن کسی وقت آپؐ کو اپنے سے جُدا نہیں کرتے۔ اور کسی کا اعتبار نہیں کرتے تھے۔ آپؐ کو اپنے پاس سُلاتے تھے۔

(حیات القلوب جلد دوم ص۶۶ ص۶۸)

اس حدیث سے ایک بات واضح ہو جاتی ہے کہ جیسا کہ اکثر مسلمان کہتے ہیں کہ جناب ابو طالب و جناب عبد المطلب کافر تھے تو یہ ان کا نظریہ غلط ہے۔ کیونکہ وہ حضرات دینِ فطرت پر تھے۔ یعنی دین ابراہیمی کے پیروکار تھے۔ اس بات کی تصدیق میں علامہ مجلسی کی کتاب حیات القلوب جلد دوم ص۶۷ میں حضرت علیؑ کی اس روایت سے کرتی ہوں۔

حدیث معتبر میں حضرت امیر المومنینؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا واللہ نہ میرے باپ نے بُتوں کی پرستش کی اور نہ میرے دادا عبد المطلب نے۔ نہ میرے بزرگ جناب ہاشم نے نہ عبد المناف نے۔ بلکہ وہ لوگ کعبے کی جانب رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ اور دینِ ابراہیمؑ پر قائم تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین سے تمسّک رہے۔"

جناب ابو طالب نے باپ سے وعدہ کیا اور اس پر عمل کر کے دِکھا بھی دیا۔ اپنے بچوں پر آپؐ کو برتری دی اور ہر دکھ درد میں مرتے دم تک برابر کے شریک رہے۔ وہ ایثار و قربانی دی کی تاریخ آپ کی اس قربانی کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ جناب ابو طالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر محبت تھی کہ آپ کے مقابلے میں اپنے بچوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ سوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے کر سوتے۔ باہر جاتے تو ساتھ لے کر جاتے۔ آپؐ کی حفاظت اس طرح فرماتے تھے کہ رات کو جب آپؐ سو جاتے تو آپؐ کی جگہ بدلتے رہتے۔ اور آپؐ کی جگہ پر اپنے فرزند کو لٹا دیتے تھے تاکہ دشمن آپؐ کو نہ پا سکے۔ اسی لئے تو حضرت علی علیہ السلام نے ہجرت کی رات آرام سے سو کر گذاری تھی کیونکہ آپ بچپن سے رسولؐ مقبول کے بستر پر سونے کے عادی تھے اور ہمیشہ سے اپنی جان کو آپؐ پر قربان کر دینے کے لئے راضی تھے۔

سیرۃ النبویہ میں ہے کہ حضرت عبد المطلب نے اپنی وفات کے وقت رسول اللہ کے بارے میں حضرت ابو طالب کو وصیت فرمائی جو حضرت عبد المطلب کی طرح زمانۂ جاہلیت میں بھی شراب کو حرام سمجھتے تھے۔

جناب عبد المطلب کے بعد اب خانۂ کعبہ کے متولی بھی حضرت ابو طالب ہو گئے تھے اس لئے آپ کی بیوی جناب فاطمہ بنت اسد (مادر حضرت علیؑ) آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پرورش میں حقیقی اولاد سے زیادہ محنت اور توجہ کرنے لگیں۔

شام کا سفر۔

حضرت ابو طالب کا پیشہ تجارت تھا۔ چنانچہ اکثر وہ تجارت کے لئے باہر جایا کرتے تھے۔ جب آپؐ کا سن نو (۹) سال کا ہوا اور بعض روایات کے مطابق تقریباً ۱۲ سال یا ۱۳ سال کا تھا تو آپ ضد کر کے شام کے سفر پر اپنے چچا (جناب ابو طالب) کے ساتھ تشریف لے گئے۔ بصرے سے چھ (۶) میل ادھر قریہ کفر میں جب پہنچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ میں قیام کیا۔ جس کا نام بحیرا تھا۔ بحیرا نے جب آپؐ کو دیکھا تو آپ کے جمالِ اقدس سے بہت متاثر ہوا اور اس نے کہا (آپؐ کے چچا سے) کہ آپ اسے یہودیوں سے بچا ئیے گا۔ اور آپ اس کو شام مت لے جائیے گا۔ کیونکہ اگر یہودیوں نے آپؐ کو پہچان لیا تو پھر جان بچانا مشکل ہو جائے گی۔ کیونکہ آپؐ سید المرسلینؐ ہیں۔ آپؐ میں وہ باتیں موجود ہیں جو ہماری انجیل اور توریت میں بتائی گئی ہیں۔

تاریخ طبری حصہ اول ۵۹ء صفحہ میں بحیرا کے واقعے کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ واقعۂ فیل کے آٹھ سال بعد حضرت عبد المطلب مر گئے۔ چونکہ جناب ابو طالب اور رسولؐ اللہ کے باپ (حضرت عبد اللہ) حقیقی بھائی تھے اس لئے جناب عبد المطلب نے اپنے بعد رسولؐ اللہ کی پرورش اور ولایت حضرت ابو طالب کے سپرد کی تھی۔ اور حسنِ سلوک کی وصیت کی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد جناب ابو طالب رسولؐ اللہ کے ولی تھے۔ آپؐ انھیں کے پاس رہتے تھے۔ ایک مرتبہ جناب ابو طالب قریش کے قافلہ کے ساتھ تجارت کے لئے شام جانے لگے۔ جب قافلہ کی روانگی کا وقت آیا اور وہ جانے لگے تو رسولؐ اللہ ان سے لپٹ گئے۔ جناب ابو طالب کو ان پر ترس آیا اور انھوں نے کہا خدا کی قسم ہے میں اِسے بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ اور اب آئندہ کبھی آپؐ کو اپنے سے علیحدہ نہ رکھونگا۔ چنانچہ وہ رسولؐ اللہ کو ساتھ لے کر قافلے میں روانہ ہو گئے۔ یہ قافلہ شام کے علاقے میں مقام بصریٰ پر فروکش ہوا یہاں بحیرا نام کا ایک راہب اپنی

اپنی خانقاہ میں رہا کرتا تھا۔ یہ نصرانیوں کا بڑا عالم شخص تھا۔ ہمیشہ سے اسی خانقاہ میں جو راہب ہوتا تھا اسے وراثتاً علم کتابی ملتا تھا جب یہ قریش کا قافلہ اس سال اس کے ہاں فروکش ہوا۔ بحیرا نے ان کے لئے بہت سا کھانا پکوایا۔ اور یہ اس لئے کہ اس نے اپنے صومعہ میں سے رسول اللہؐ کو دیکھا تھا کہ تمام لوگوں کو چھوڑ کر صرف آپؐ پر ایک بدلی سایہ فگن چلی آتی ہے۔ جب یہ قافلہ اس کے قریب آ کر ایک درخت کے سایہ میں اترا اس نے اس کو دیکھا کہ اس نے درخت کی شاخوں کو رسول اللہؐ پر سایہ ڈالنے کے لئے جھکا دیا ہے۔ اور وہ اب پورے سایہ کے نیچے فروکش ہیں۔ یہ دیکھ کر بحیرا اپنی خانقاہ سے اترا اور ان سب کو اس نے اپنے پاس بلا بھیجا۔ رسول اللہؐ پر نظر پڑتے ہی اس نے آپؐ کو غور سے دیکھنا شروع کیا اور ان نشانیوں کی مطابقت کرنے کے لئے جو اسے پہلے سے معلوم تھیں وہ آپؐ کے جسم کی بعض چیزوں کو بغور دیکھنے لگا۔ جب تمام قافلہ کھانے سے فارغ ہو کر چلا گیا تو اس نے رسول اللہؐ سے ان کی حالتِ بیداری اور خواب کی کیفیت دریافت کی آپؐ نے اسے بتانا شروع کیا۔ یہ باتیں ان صفات کے عین مطابق تھیں جو اسے پہلے سے معلوم تھیں۔ اس کے بعد اس نے آپؐ کی پیٹھ دیکھی تو دونوں شانوں کے بیچ میں اسے مہرِ نبوت نظر آئی۔ اس نے جناب ابو طالب سے کہا کہ یہ لڑکا تمہارا نہیں معلوم ہوتا۔ انہوں نے کہا یہ میرا بیٹا ہے۔ بحیرا نے کہا یہ ہرگز تمہارا بیٹا نہیں ہے۔ اس بچہ کا باپ تو اب زندہ بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ جناب ابو طالب نے کہا یہ میرا بھتیجا ہے۔ بحیرا نے پوچھا اس کا باپ کیا ہوا۔ جناب ابو طالب نے کہا ابھی یہ لڑکا بطنِ مادر ہی میں تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ بحیرا نے کہا بالکل ٹھیک ہے۔ اچھا تم اسے اپنے گھر لے جاؤ اور یہودیوں سے اس کی حفاظت کرنا۔ اگر وہ اسے دیکھ لیں گے اور وہ علامات جن کو میں نے شناخت کر لیں انھوں نے بھی شناخت کر لیں تو ضرور اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ یہ ایک عظیم الشان انسان ہونے والا ہے۔ تم اسے فوراً گھر لے جاؤ۔ یہ سن کر جناب ابو طالب آپؐ کو لے کر فوراً روانہ ہو گئے اور آپؐ کو مکہ لے آئے۔"

ہشام بن محمد کہتے ہیں کہ "جب جناب ابو طالب رسول اللہؐ کو لے کر بصریٰ علاقہ شام آئے تھے اس وقت آپؐ کا سنِ شریف نو (۹) سال کا تھا۔"

ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ "جناب ابو طالب روانہ ہوئے تو رسول اللہؐ قریش اور شیوخ کے ساتھ آپ کے ساتھ ہوئے۔ جب ان کو وہ راہب نظر آیا یہ اتر پڑے اور انہوں نے اپنے کجاوے کھول دیئے۔ اس مرتبہ وہ راہب ان کے پاس آیا۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ اس کے پاس سے گذرتے تھے۔ وہ کبھی نہ ان کے پاس آتا تھا اور نہ التفات کرتا تھا۔ یہ اپنے کجاوے کھول رہے تھے کہ وہ راہب انہیں آ کر مل گیا اور لوگوں کو دیکھنے لگا۔ یہاں تک کہ اس نے رسول اللہؐ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگا یہ تمام عالم کا سردار ہے۔ یہ رب العالمین کا رسولؐ ہے اسے

اللہ تعالیٰ رحمۃ للعالمین کر کے مبعوث فرمانے والا ہے۔ قریش کے شیوخ نے اس سے پوچھا تم کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی، اس نے کہا جب تم گھاٹی سے برآمد ہوئے ہو کوئی درخت یا پتھر ایسا نہ تھا جو سجدے میں نہ گر پڑا ہو اور جمادات و نباتات صرف نبی کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ دوسرے میں اس مہر نبوت سے بھی جو سیب کے برابر ان کے شانے کے جوڑ کے نیچے واقع ہے۔ اس بات کو جانتا ہوں۔" ("تاریخ طبری حصہ اول صفحہ ۶۰-۶۱")

یہ روایات مختلف پیرایوں میں بیان کی گئی ہیں جس کو عام مورخین نے بھی بیان کیا ہے۔

چنانچہ جب جناب ابو طالب نے بحیرا (راہب عیسائی) سے یہ سنا کہ آپؐ سید المرسلین ہیں۔ اور یہودی آپؐ کے دشمن ہیں تو آپ نے تمام سامانِ تجارت مصر ہی میں فروخت کر دیا اور یہیں پر خوب نفع کمایا۔ اور واپس مکہ معظمہ ہو گئے۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا سفر تھا۔ اس کے بعد سولہ (۱۶) سال کی عمر میں ایک مرتبہ پھر جناب ابو طالب سے آپؐ اجازت لے کر بعض روایات کے مطابق حضرت عباس اور بعض روایت کے مطابق حضرت زبیر کے ساتھ تجارتی قافلے کے ساتھ یمن کی طرف گئے۔

عہد شباب۔

ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جوانی کا دور بھی بہت اہمیت کا حامل ہے اور خاص طور سے دو کارنامے تو آپؐ کی رسالت کی گواہی کے لئے کافی ہیں۔ ایک حلف الفضول اور دوسرا تعمیر کعبہ۔

حلف الفضول ــــ

آپ کی جوانی کا دور شروع ہی ہوا تھا کہ عرب کو ایک بڑی جنگ کا سامنا کرنا پڑا اور یہ جنگ نو (۹) سال تک جاری رہی۔ یہ جنگ (جنگ فجار) حرب فجار کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ کو فجار اس لئے کہتے ہیں کہ یہ جنگ ایام الحرام میں ہوئی یعنی ان مہینوں میں ہوئی جن میں لڑنا حرام ہے۔

عرب میں اسلام کے آغاز تک لڑائیوں کا جو متواتر سلسلہ چلا آتا ہے ان میں یہ جنگ سب سے زیادہ مشہور اور خطرناک ہے۔ (شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ)

یہ لڑائی بنی کنانہ اور بنی ہوازن کے درمیان تھی۔ (یعنی قریش اور قیس کے قبیلے کے درمیان) لیکن اس میں دوسرے قبیلے بھی مددگار کی حیثیت سے شریک ہو گئے تھے۔ شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حصہ اوّل میں لکھتے ہیں کہ قریش کے تمام خاندان نے اس معرکہ میں اپنی اپنی الگ فوجیں

قائم کی تھیں۔ آلِ ہاشم کے علم بردار زبیر بن عبد المطلب تھے اور اس صف میں جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شریک تھے۔ بڑے زور کا معرکہ ہوا اول قیس پھر قریش غالب آئے اور بالآخر صلح پر خاتمہ ہو گیا۔ چونکہ قریش اس جنگ میں برسرِ حق تھے اور خاندان کے ننگ و نام کا معاملہ تھا اس لئے رسول اللہ نے بھی شرکت فرمائی لیکن جیسا کہ ابن ہشام نے لکھا ہے آپ نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ امام سہیلی نے صاف تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود جنگ نہیں کی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

"اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لڑائی میں جنگ نہیں کی۔ حالانکہ آپ لڑائی کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لڑائی ایام الحرام میں پیش آئی تھی۔ نیز یہ وجہ تھی کہ قریش کافر تھے اور مسلمانوں کو لڑائی کا حکم صرف اس لئے خدا نے دیا ہے کہ خدا کا بول بالا ہو۔

(سیرۃ النبی ج حصہ اول ص ۱۸۲ شبلی نعمانی)

اس جنگ میں سینکڑوں گھر تباہ و برباد ہو گئے تھے اور ہزاروں لوگوں کا قتل ہو گیا تھا۔ چنانچہ جنگ کی واپسی پر حلف الفضول ہوا جس میں بنی ہاشم نے معاہدہ کیا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی مدد کرے گا اور ظلم و ستم کا خاتمہ کرے گا۔ اس معاہدے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شریک ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس معاہدے کے بارے میں عہدِ نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ معاہدہ کے مقابلہ میں اگر مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ بدلتا۔ اور آج بھی ایسے معاہدہ کے لئے کوئی بلائے تو میں حاضر ہوں۔" (مستدرک ج ۲ صفحہ ۲۲۰)

تعمیرِ کعبہ :-

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جوانی کا دوسرا اہم واقعہ تعمیرِ کعبہ ہے۔ پہلی مرتبہ تو کعبہ کے معمار حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ لیکن جب دوبارہ بوجہ شق دیوار قریش نے کعبہ کو از سرِ نو بنانا چاہا اور پہلی عمارت کو منہدم کر کے انہیں بنیادوں پر دیواریں بنائیں تو ہمارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تعمیر کعبہ میں شریک رہے۔ پتھر ڈھوتے ڈھوتے شانے زخمی ہو گئے جب خانۂ کعبہ تعمیر ہو گیا اور سنگِ اسود (حجرِ اسود) کے نصب کرنے کا وقت آیا تو اہلِ عرب میں لڑائی ہونے لگی۔ ہر قبیلے کا سردار یہ چاہنے لگا کہ سنگِ اسود نصب کرنے کی سعادت اس کو نصیب ہو۔ لیکن کس خوبصورتی سے پروردگارِ عالم نے لڑائی کو ختم کر کے کعبہ کے مالک سید المرسلینؐ سے حجرِ اسود نصب کروا دیا۔ تاریخ نے اس واقعہ کو مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ۔

کعبہ کی عمارت صرف قدِ آدم اونچی تھی۔ اور دیواروں پر چھت نہیں تھی۔ جس طرح ہمارے ملک میں عیدگاہیں ہوتی ہیں۔ چونکہ عمارت نشیب میں تھی۔ بارش کے زمانے میں شہر کا پانی حرم میں آتا تھا۔ اس کی روک کے لئے بالائی حصہ پر بندھ بنوا دیا گیا تھا۔ لیکن وہ ٹوٹ جاتا تھا اور عمارت کو بار بار نقصان پہنچتا تھا۔ بالآخر یہ رائے ہوئی کہ موجودہ عمارت ڈھا کر نئے سرے سے زیادہ مستحکم بنائی جائے۔ حسنِ اتفاق یہ کہ جدّہ کے بندرگاہ پر ایک تجارتی جہاز تباہ ہو گیا۔ قریش کو خبر لگی تو ولید بن مغیرہ نے جدہ پہنچ کر جہاز کے تختے مول لے لئے جہاز میں ایک رومی معمار تھا جس کا نام باقوم تھا ولید اس کو ساتھ لایا۔ قریش نے مل کر تعمیر شروع کی۔ مختلف قبائل نے عمارت کے مختلف حصے آپس میں تقسیم کر لئے تھے کہ کوئی اس شرف سے محروم نہ رہ جائے لیکن جب حجر اسود کے نصب کا موقع آیا تو سخت جھگڑا پیدا ہوا۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ کام اسی کے ہاتھ آئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تلواریں کھنچ گئیں۔ چار دن تک یہ جھگڑا برپا رہا۔ پانچویں دن ابو اُمیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر تھا رائے دی کہ کل صبح کو جو سب سے پہلے شخص آئے وہی ثالث قرار دے دیا جائے۔ سب نے یہ رائے تسلیم کر لی۔ دوسرے دن تمام قبائل کے معزز آدمی موقع پر پہنچے۔ کرشمۂ ربانی دیکھو کہ صبح کو سب سے پہلے لوگوں کی نظریں جس پر پڑیں وہ جمالِ جہانتاب چہرہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا۔ لیکن رحمتِ عالم نے قبول نہ کیا کہ اس شرف سے تنہا بہرہ ور ہوں، آپؐ نے فرمایا جو قبائل دعویدار ہیں سب کا ایک ایک سردار انتخاب کر لیا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چادر بچھا کر حجر اسود کو اس میں رکھ دیا اور سرداروں سے کہا کہ چادر کے چاروں کونے تھام لیں اور اوپر کو اٹھائیں۔ جب چادر موقع پر پہنچ گئی تو آپؐ نے حجر اسود کو اٹھا کر نصب فرما دیا۔ (علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ ۱۸۴-۱۸۵)

(مسند جلد اول۔ مستدرک حاکم جلد اول)

تاریخ طبری کی عبارت اس طرح ہے کہ "جب رکن (سنگ اسود) حجر اسود کو اپنے مقام پر نصب کرنے کا وقت آیا تو ہر شخص کی خواہش ہوئی کہ اس کے مقام پہ میں رکھوں۔ اس بنا پر سب کے سب آپس میں حدِ تحمل سے تجاوز کر گئے۔ اور قسم کھا کر جنگ و جدال کے لئے مستعد ہو گئے۔ بنی عبد الدار کو تو اتنا جوش ہو گیا جیسا کہ عرب میں سخت سے سخت قسمیں کھانے کا دستور تھا۔ انھوں نے خونِ تازہ سے ایک پیالہ بھر لیا اور دستورِ جہالت کے مطابق اپنے اور بنی عدی بن کعب کے قبیلہ والوں کے ہاتھ اس خون سے بھرے ہوئے پیالے میں ڈلوائے گویا کہ کشت و خون پہ نہایت استقلال سے آمادہ ہو گئے۔"

ابن ہشام نے اس طرح لکھا ہے کہ انھیں امور کے تصفیے میں قریش کو چار پانچ راتیں گذر گئیں۔ آخر کار

سب مسجد میں جمع ہوئے۔ اور اس امر کے تصفیہ کی نسبت مشورے کرنے لگے۔ بعض راویوں کا بیان ہے کہ ابا امیہ (ولید بن مغیرہ) جو قریش میں اس وقت سب سے زیادہ عمر رسیدہ تھے کہنے لگے کہ "اے قریش تم لوگوں کو چاہیئے کہ اس امر پہ فیصلہ کر لو کہ کل صبح جو شخص اس مسجد کے دروازے (باب شیبہ) سے سب سے پہلے داخل ہو وہی اس خدمت کو انجام دے۔ سب نے اس بات پر اتفاق کیا۔ (ابن ہشام مطبوعہ مصر ص۶۷)

جب اتفاق ہو چکا تو اتفاق سے درِ مسجد سے داخل ہونے والے پہلے شخص حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھے۔ جیسے ہی لوگوں نے ان کو داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو سب یک زبان ہو کر کہنے لگے یہ تو امین ہیں۔ یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ہیں ان پہ راضی ہیں۔ آپؐ نے ایک چادر منگوائی اور اس میں سنگِ اسود کو اپنے ہاتھ سے رکھ دیا اور قبائل قریش کے ممتاز افراد کو بلا کر کہا کہ اس چادر کو سب مل کر اٹھائیں۔ جب ان افراد نے چادر کو اٹھایا اور وہ جائے نصب کے مقابل آگئی تو آپؐ نے اپنے ہاتھ سے سنگِ اسود کو اٹھا کر نصب فرما دیا۔ ان چار افراد کے نام مندرجہ ذیل ہیں (۱) عتبہ بن ربیعہ۔ (قبیلہ عبد شمس) (۲) اسود بن عبد المطلب (بنی سعد) (۳) ابو حذیفہ بن مغیرہ (بنی مخذوم) (۴) قیس بن عدی (قبیلہ سہم)۔ (روضۃ الصفا ص۳۵)

علامہ کلینی نے بسند صحیح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب قریش نے جاہلیت میں کعبہ کو منہدم کر کے چاہا کہ پھر سے بنالیں لیکن نہ بنا سکے۔ آخر ان کے دل میں گذرا کہ کسی نے ان سے کہا ہے کہ تم میں ہر ایک کو چاہیئے کہ اپنے پاکیزہ مال لائے۔ ایسا مال نہ ہو جو قطعِ رحم یا دوسرے حرام طریقے سے حاصل کیا گیا ہو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا تو وہ مشکل دور ہو گئی۔ اور کعبہ کو بنانا شروع کیا۔ آخر حجر اسود نصب کرنے کا وقت آیا تو آپس میں اختلاف پیدا ہوا کہ کون نصب کرے۔ یہاں تک کہ ان میں باہم جنگ و جدال کی نوبت پہنچ گئی۔ آخر اس بات پر فیصلہ ہوا کہ جو سب سے پہلے مسجد الحرام میں آئے اس کو حاکم قرار دینا چاہیئے۔ تو سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخلِ کعبہ ہوئے ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حال بیان کیا۔ آپؐ نے ایک چادر بچھائی اور خود حجر اسود کو اٹھا کر اس پر رکھا اور رؤسائے قبیلہ سے کہا ہر طرف سے چادر پکڑ کر اٹھائیں۔ اس طرح لوگ حجر اسود کو اس مقام تک لائے۔ پھر آپؐ نے خود اٹھا کر اس کے مقام پر نصب کر دیا۔ خداوند تعالیٰ نے ان کو اس شرف کے مخصوص فرمایا۔" (حیات القلوب جلد دوم ص۱۶۶ ص۱۶۷)

ان تمام روایتوں سے یہ بات سامنے آگئی کہ حجرِ اسود نصب کرنے کی سعادت آپؐ کو ملی۔ اور کیوں نہ آپؐ کو یہ سعادت ملتی آپؐ ہی تو وارثِ کعبہ تھے۔ آپؐ کے ہوتے ہوئے کسی کو یہ حق نہیں تھا کہ وہ حجر اسود کو نصب کرے۔ اسی لئے تو پروردگار عالم نے بابِ شیبہ میں سب سے پہلے آپ کو داخل فرمایا۔

تعمیر کعبہ کی ضرورت کے بارے میں مختلف روایات ہمیں ملتی ہیں۔ کچھ نے کہا ہے کہ یہ عمارت آگ لگنے کی وجہ

سے منہدم ہو گئی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ سیلاب کی وجہ سے منہدم ہو گئی تھی۔ بہر حال تعمیر کعبہ کی ضرورت پڑی۔ اور اس کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں انجام پائی اور آج تک آپؐ کے ہاتھوں کا نصب کیا ہوا حجر اسود موجود ہے۔

مشاغل تجارت۔

جب آپ سن شعور کو پہنچے تو آپؐ کو فکر معاش ہوئی۔ چنانچہ آپؐ نے اپنے خاندانی پیشہ تجارت کو پسند کیا۔ آپؐ دوسروں کا مال لے کر مختلف جگہوں پر جانے لگے۔ آپؐ تجارت میں ہمیشہ اپنا معاملہ صاف رکھتے اور ہر شخص چاہے وہ امیر ہو یا غریب سب سے یکساں سلوک کرتے تھے۔ آپؐ کی دیانت داری اور خوش کرداری سے لوگ اس قدر خوش ہوئے اور متاثر ہوئے کہ "الامین" کہہ کر آپؐ کو پکارنے لگے۔ تجارت کی غرض سے شام وبصریٰ اور یمن کے متعدد سفر آپ نے کئے تھے۔

عقد جناب خدیجۃ الکبریٰ۔

جناب خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی قریش کی ایک معزز خاتون تھیں۔ آپ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا ہے۔ اور اس رشتہ کے لحاظ سے وہ آپؐ کی چچازاد بہن تھیں۔ آپ کی رسولؐ اللہ سے پہلے بعض روایات کے مطابق دو شادیاں اور بعض کے مطابق تین شادیاں ہو چکی تھیں۔

ڈاکٹر ایم۔ ایچ۔ حسینی نے اخلاق محمدؐ حصہ سوم صفحہ ۲۲۳ میں لکھا ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عقد جناب خدیجہ بنت خویلد سے اس وقت ہوا جب آپ کی عمر ۲۵ سال کی تھی اور جناب خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی۔ جناب خدیجہ کا عقد اس سے پہلے تین شخصوں سے ہو چکا تھا۔ اور ان سے جناب خدیجہ کے اولاد بھی موجود تھیں۔ اوّل شوہر کا نام عتیق بن عابد مخزومی تھا اور ان سے جو بچے پیدا ہوئے تھے ان کے نام یہ تھے۔ لڑکی کا نام زینب اور لڑکے کا نام ہند تھا۔ دوسرے شوہر کا نام مالک بن منذر اسدی کنیت ابوہالہ تھی۔ مالک سے دو بچے پیدا ہوئے ایک کا نام ہالہ تھا دوسرے کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔ یہ بچے جناب خدیجہ کے ہمراہ رہے۔ تیسرے شوہر کا نام صیفی بن امیہ تھا۔ ان سے ایک لڑکا ہند تھا چنانچہ دو لڑکوں کا نام ہند تھا۔ اس وجہ سے جناب خدیجہ کی کنیت ام ہند تھی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ کبھی کبھی ہند بر مالک فخریہ یہ کہا کرتا تھا۔

ترجمہ۔

ہند کہا کرتا تھا کہ میں بلحاظ باپ ماں بھائی بہن کے بہت زیادہ معزز ہوں کیونکہ میرا باپ رسولؐ خدا میری ماں خدیجہ میرا بھائی قاسم اور میری بہن فاطمہ ہے۔" (ڈاکٹر ایم۔ ایچ۔ حسنی اخلاق محمدؐ حصہ سوم)

سیرۃ النبی ابن ہشام (مطبوعہ یورپ ص۱۱) میں ہے کہ جناب خدیجہ کا پہلا نکاح ابو ہالہ سے ہوا۔ اس سے ایک لڑکا ہند اور ایک لڑکی زینب پیدا ہوئے۔ پھر جناب خدیجہ عتیق کے نکاح میں گئیں۔ اس سے ایک لڑکا عبداللہ اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔" (جس کا نام معلوم نہیں ہے۔)

تاریخ کامل میں ہے کہ "پھر بعد وفات ابو ہالہ حضرت خدیجہ کا تیسرا عقد جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا۔"

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شبلی نعمانی نے بھی جناب خدیجہ کی دو شادیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن ان کے شوہروں کے نام تحریر نہیں کئے۔

عقدِ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت جناب خدیجہ بیوہ تھیں۔ آپ مکہ معظمہ کی نہایت شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق اور مالدار خاتون تھیں۔ آپ کی پاکیزگی کی وجہ سے اہل مکہ (جو جاہل قوم تھی) آپ کو طاہرہ کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ "جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا تو اکیلا ان کا سامان تمام قریش کے برابر ہوتا تھا۔" جناب خدیجہ کے شوہر چونکہ مر چکے تھے اس لئے انھیں ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو ان کے شوہر کے تجارتی کاروبار کو سنبھال لے۔ اس زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنی نیکی اور سچائی کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔ اور آپؐ صداقت، دیانت اور پاکیزگی اور پاکیزہ اخلاق کی وجہ سے امین و صدیق کہلاتے تھے۔ جناب خدیجہ نے جب ان تمام اوصاف کو سُنا تو بہت متاثر ہوئیں اور آپؐ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپؐ میرا مال تجارت کا لے کر شام جائیں اور جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں اس سے دگنا میں آپؐ کو دوں گی۔ جناب رسولؐ خدا نے آپ کے پیغام کو قبول کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ کو ساتھ لے کر شام کی طرف تجارت کے لیے گئے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر بیس اور بعض روایات کے مطابق پچیس برس تھی۔ چنانچہ آپؐ نے تمام سامان بصرے میں خوب نفع سے فروخت کیا اور مکہ معظمہ واپس آ گئے۔

اس واقعہ کو علامہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النبیؐ جلد اول میں اس طرح بیان کیا ہے کہ جناب خدیجہ کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت بیانی اعلیٰ درجہ کی امانت داری اور عظیم ترین اخلاق کی خبریں پہنچیں تو انہوں نے خود اپنی طرف سے اس تصریح کے ساتھ پیغام بھیجا اور درخواست کی کہ آپؐ میرا اسباب تجارت لے کر میرے غلام میسرہ کے ساتھ شام کی طرف جائیں تو میں آپؐ کو اس کے معاوضے میں اس سے کہیں زیادہ دوں گی جو دوسرے تاجر آپؐ کو دیتے ہیں۔ آپؐ نے قبول فرمایا اور مال تجارت لے کر بصریٰ تشریف لے گئے۔"

اس سفر میں آپؐ کی ملاقات بحیرا راہب کے قائم مقام نسطوری سے ہوئی۔ اس نے بھی بحیرا کی طرح آپؐ کو پیغمبر آخر الزماں ہونے کی خوشخبری سنائی۔ اور مبارکباد دی۔ اس کے بعد یمن کے علاقے میں تجارت کے لئے گئے۔ اور وہاں بھی کامیابی حاصل ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو قافلے ہوتے تھے وہ آکر جناب خدیجہ سے آپؐ کی مدح کرتے اور آپ کی امانت داری اور دیانت داری کے گن گاتے تھے۔ جس کو سنکر جناب خدیجہ بہت متاثر ہوتیں تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تین مہینے میں ہی آپ حضرت رسولؐ خدا کے گن گانے لگیں اور تمام لوگوں پر آپؐ کو فضیلت دینے لگیں۔ آپؐ کو امین اور معزز سمجھنے کی وجہ سے آپؐ نے اپنا شادی کا پیغام بھی میسرہ کے ہاتھ بھیج دیا۔ جناب خدیجہ کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور عرب میں عورتوں کو یہ آزادی تھی کہ وہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کریں۔

جناب رسولؐ خدا کو بہت تعجب ہوا کہ اتنی مالدار اور نیک عورت مجھ جیسی حیثیت کے شخص سے شادی کا پیغام دے رہی ہے جب کہ اور لوگ خود اس جدوجہد میں ہیں۔ اس واقعہ کو تاریخ طبقات ابن سعد نے ص۴۸ نے اس طرح تحریر کیا ہے کہ نفیسہ بنت منیہ کا بیان ہے کہ جناب خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بہت عاقل و فرزانہ اور شریف خاندان خاتون تھیں۔ اور بایں ہمہ خدائے قدیر کا ارادہ توفیق خیر و برکت کے ساتھ اس کا رفیق تھا۔ وہ اس زمانے میں باعتبار حسب و نسب اعلیٰ ترین قریش تھیں۔ فضل و شرف کے لحاظ سے ان سے اعظم اور مال و دولت کے لحاظ سے تمام قریش سے زیادہ متمول اور خوش حال تھیں۔ کل قوم کے افراد ان سے نکاح کرنے پر حریص و متمنی تھے۔ اور حتی الامکان اس کے لئے سعی کرتے تھے۔ اگر اس کے لئے جناب خدیجہ ان کے تمام اموال بھی طلب کر لیتیں تو وہ بھی سب کچھ نذر کرنے کے لئے تیار تھے۔ نفیسہ کا بیان ہے کہ حضرت خدیجہ نے شام سے قافلہ تجارت کے واپس آنے کے بعد مجھ کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نکاح کا پیام لے کر بھیجا۔"

غرضیکہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب ابوطالب نے رشتہ منظور کر لیا۔ تمام معاملات طے ہوئے اور تاریخ شادی مقرر ہو گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حضرت ابوطالب نے اور جناب خدیجہ کی طرف سے ورقہ بن نوفل نے خطبۂ نکاح پڑھا۔ اور پانچ سو طلائی درہم مقرر کئے۔

روضۃ الاحباب اور روضۃ الصفا میں اس نکاح کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

"جناب خدیجہ کا عقد حضرت ابوطالب نے پڑھا۔ فرماتے ہیں خدیجہ بنت خویلد کا میں (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے خطبۂ نکاح پڑھتا ہوں اور ان کے مہر موجل و معجل میں بیس مہار اونٹ جو میری

ملکیت میں ادا کرتا ہوں " (روضۃ الاحباب حافظ جمال الدین محدث شیرازی)

اس واقعہ کو زرقانی ان الفاظ میں لکھتے ہیں ۔

دولابی کہتے ہیں کہ خطبۂ نکاح میں حضرت ابو طالب نے فرمایا یا معاشر قریش میں آپ لوگوں کے سامنے خاتون کریم خدیجہ کا خطبہ نکاح لطیب خاطر پڑھتا ہوں اور ان کے مہر موجل و معجل میں بارہ اوقیہ سونا دیتا ہوں "

سیرۃ النبیؐ میں شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ جناب ابو طالب نے خطبۂ نکاح پڑھا اور پانچ سو طلائی درہم مہر قرار پایا۔ (علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ جلد اول ص۱۸۸)

بسند معتبر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب سرور عالم نے جناب خدیجہ سے نکاح کرنا چاہا۔ جناب ابو طالب اپنے عزیزوں اور قریش کے چند اشخاص کو لے کر جناب خدیجہ کے چچا ورقہ بن نوفل کے پاس آئے اور خود کلام کی ابتدا کی اور خطبہ پڑھا جس کا مضمون یہ ہے :۔

حمد و ثنا اس خدا کے لئے زیبا ہے جو خانہ کعبہ کا پروردگار ہے ۔ اور اس نے ہم کو آل ابراہیم علیہ السلام اور ذریت اسمٰعیل علیہ السلام سے قرار دیا ۔ اور ہم کو امن و امان کی جگہ حرم کا ساکن اور تمام لوگوں پر سردار بنایا ۔ اور گھر سے ہم کو خصوصیت عطا فرمائی جس کی طرف اطراف عالم سے لوگ آتے ہیں ۔ وہ ایسا مقام ہے جہاں ہر طرف سے لوگ میوے لاتے ہیں ۔ اور خدا نے ہم کو اس شہر میں برکت عطا فرمائی ہے جس میں ہم ساکن ہیں ۔ اما بعد واضح ہو کہ میرے بھتیجے محمدؐ بن عبداللہ کو قریش کے تمام لوگوں پر فضیلت و فوقیت حاصل ہے ۔ کوئی شخص اس کے برابر نہیں ہو سکتا ۔ وہ سب سے بلند مرتبہ ہے ۔ خلق میں اس کا مثل و مانند نہیں ۔ اگر وہ مال و دولت میں کم ہے تو مال تغیر پذیر ہے ۔ سایہ کے مانند جو بہت جلد زائل ہو جاتا ہے اس کو (جناب) خدیجہ کی جانب رغبت ہے ۔ اور خدیجہ کو بھی اس سے محبت ہے ۔ اس لئے ہم آئے ہیں کہ آپ سے اس کے واسطے اس کی خواہش کے مطابق خدیجہ کی خواستگاری کریں ۔ اور جس قدر مہر آپ چاہیں میں اپنے مال سے دینے کو تیار ہوں ۔ جس قدر ابھی چاہیں لے لیں ۔ اور جس قدر چاہیں موجل قرار دیں ۔ اور رب کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس کی شان و منزلت بہت بلند ہے ۔ اس کی عقل و رائے کامل ہے ۔ اس کا دین شائع اور اس کی زبان فصیح ہے ۔ اتنا کہہ کر جناب ابو طالب خاموش ہو گئے ۔ پھر جناب خدیجہ کے چچا جو علمائے نصاریٰ میں سے تھے جواب دینا چاہا مگر چونکہ جناب ابو طالب کی باتوں کے جواب سے قاصر تھے اس لئے ان کی زبان لکنت کرنے لگی ۔ اور ان کے نفس میں اضطراب پیدا ہو گیا ۔ اور صحیح جواب دینا ممکن نہ ہو سکا ۔ جناب خدیجہ نے جو یہ حال دیکھا انتہائی شوق کے سبب پردۂ حیا کو ذرا سا اٹھا کر نہایت فصاحت کے ساتھ بولیں ۔ چچا جان اگرچہ اس موقع پر آپ ہی گفتگو کے لئے مجھ سے زیادہ

مناسب اور سزاوار ہیں لیکن آپ کو میرے نفس پر مجھ سے زیادہ اختیار نہیں ہے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) میں نے اپنے نفس کو آپ کے ساتھ ترویج کیا۔ اور میرا مہر خود میرے مال سے ہے۔ اپنے چچا سے کہیے کہ ولیمہ زفاف کے لئے اونٹ ذبح کریں۔ آپ جس وقت چاہیں اپنی زوجہ کے (میرے) پاس تشریف لائیں۔ اس وقت جناب ابوطالب نے فرمایا اے گروہِ مردم گواہ رہنا کہ اس نے خود اپنے تیئں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ترویج کیا۔ اور اپنے مہر کی ضامن خود ہی ہو گئی۔ یہ سن کر قریش کے ایک شخص نے کہا طرفہ ماجرا ہے کہ عورتیں مردوں کے مہر کی ضامن ہوتی ہیں۔ یہ سن کر جناب ابو طالب کو غصہ آ گیا اور جب کبھی ان حضرت کو غصہ آتا تھا۔ تمام قریش ان سے ڈر جاتے تھے۔ اور آپ کی ہیبت سے پناہ مانگتے تھے۔ جناب ابوطالب نے فرمایا اگر دوسرے شوہر میرے بھتیجے کے مانند ہوں گے۔ عورتیں بہت زیادہ مال اور زیادہ سے زیادہ مہر ان سے طلب نہ کریں گی۔ اور اگر تمہاری طرح ہوں گے تو مہر گراں ان سے لیں گی۔ پھر جناب ابو طالب نے ایک اونٹ نحر (ذبح) کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زفاف (ولیمہ) حضرت خدیجہ خیر النساء کے ساتھ منعقد ہوا۔ اس موقع پر ایک شخص نے جس کا نام عبداللہ بن غنم تھا چند شعر نظم کئے۔ جن کا مضمون یہ ہے کہ اے خدیجہ تم کو مبارک ہو کہ تمہارے ہمارے سعادت نے عزت و شرف کے عرش کے کنارے کی جانب پرواز کیا۔ اور تم بہترین اولین و آخرین کی شریک زندگی بن گئیں۔ دنیا میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مثل کوئی کہاں ممکن ہے۔ یہ وہ ہیں جن کی پیغمبری کی بشارت موسیٰؑ و عیسیٰؑ نے دی ہے اور بہت جلد ان کی بشارت کا اثر ظاہر ہونے والا ہے۔ برسوں کے کتاب ہائے آسمانی کے پڑھنے اور لکھنے والوں نے اقرار کیا ہے کہ وہ رسولِ بطحا اور اہل ارض و سما کے ہدایت کرنے والے ہیں۔" (علامہ مجلسی حیات القلوب جلد دوم ص ۱۷۳-۱۷۴)۔

دوسری روایت میں وارد ہوا ہے کہ جب جناب ابوطالب نے اپنا خطبہ تمام کیا قبل اس کے عمرو بن اسد جناب خدیجہ کے جواب دیں۔ ورقہ بن نوفل نے کہا کہ میں حمد کرتا ہوں اس خدا کی جس نے ہم کو ان لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ جن کا آپ نے ذکر کیا لہٰذا ہم بزرگان و پیشوایانِ عرب ہیں اور آپ کی شرافت و کرامت جیسا کہ آپ نے ذکر کیا مسلّم ہے۔ ہم آپ سے رشتہ کرنے میں فخر و عزت محسوس کرتے ہیں۔ لہٰذا اے گروہ قریش گواہ رہنا کہ میں نے خدیجہ دختر خویلد کو محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ چار سو اشرفی مہر پر تزویج کیا۔ ورقہ خاموش ہوئے تو جناب ابوطالب نے فرمایا چاہتا ہوں کہ ان کے چچا بھی کچھ کہیں۔ یہ سن کر عمرو نے صیغہ کے کلمات کا اعادہ کیا۔ اور قریش کے قبیلے گواہ ہوئے۔ اس کے بعد جناب خدیجہ کی کنیزوں نے دف بجا کر گانے گائے اور ناچنے لگیں۔ اسی روز جناب ابوطالب نے ایک اونٹ ذبح کیا اور ولیمہ زفاف قرار پایا۔"

سیرۃ الجلبیہ میں خصوصیت کے ساتھ لکھا ہے کہ "یہ پہلا ولیمہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صرف خاص سے اس تقریب میں تمام قریش کو دیا۔ جناب خدیجہ کی طرف سے بھی ولیمہ کا سامان کیا گیا۔ حضرت خدیجہ نے اپنے چچا سے کہا کہ آپ اپنے اونٹوں میں سے ایک اونٹ ذبح کریں۔ اور مع اپنے اہل و عیال کے شریک ہو کر تمام لوگوں کو کھانا کھلوائیں۔ چنانچہ تمام لوگوں کو دعوت ولیمہ دی گئی۔"

حضرت خدیجہ کے والد نہیں تھے اور وہ جنگ فجار سے قبل انتقال کر چکے تھے۔ امام سہیل نے بتصریح اور بدلیل نے اس کو ثابت کیا ہے کہ حضرت خدیجہ کے والد جنگ فجار سے قبل انتقال کر چکے تھے۔

ابن بابویہ نے روایت کی ہے کہ جناب خدیجہ کے بطن سے سب سے پہلے حضرت عبداللہ پیدا ہوئے۔"

(حیاتُ القلوب جلد دوم ص ۱۷۳-۱۷۵)۔

عقد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت جناب خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر پچیس (۲۵) سال تھی۔ آپ بہت مالدار خاتون تھیں اور اہلِ مکہ آپ کو معزز نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ اس نکاح کا اثر اہل مکہ پر بہت پڑا اور آپؐ کا وقار مکہ والوں میں اور زیادہ بڑھ گیا۔ دونوں خوش و خرم زندگی بسر کرنے لگے۔ شادی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فکرِ معاش بھی کم ہو گیا۔ اس لئے آپؐ نے تعمیری کاموں پر زور دینا شروع کر دیا۔

حضرت خدیجہ جس مکان میں رہتی تھیں (حسب بیان مؤرخ طبری) وہ آج بھی انہی کے نام سے مشہور ہے اور امیر معاویہ نے اس مکان کو خرید کر مسجد بنا دیا۔ (علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ)

بعثت۔ (مکی زندگی)

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر جب ۳۸ سال کی ہوئی تو آپ کو گوشہ نشینی اور عزلت گزینی کا شوق پیدا ہوا۔ کوہ حرا میں جس کو جبل نور بھی کہتے ہیں تشریف لے جاتے اور کئی کئی دن تک عبادت میں مشغول رہتے۔ اس عمر میں آپؐ کو ایک قسم کی تجلّی نظر آنے لگی اور آپؐ غیب کی آوازیں بھی سننے لگے۔

نبوت ملنے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر کے بارے میں اربابِ سلف کا اختلاف ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ قریش کے کعبہ کی تعمیر کرنے کے پانچ سال بعد جس وقت آپؐ کی عمر چالیس (۴۰) سال تھی۔ آپؐ نبوت پر فائز ہوئے۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ "بعثت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چالیس (۴۰) سال تھی۔"

انس بن مالک سے کئی سلسلے سے مروی ہے کہ "بعثت کے وقت رسولؐ اللہ کی عمر چالیس (۴۰) سال کے لگ بھگ تھی۔"

دوسرے راوی کہتے ہیں کہ آپؐ کو جب نبوت ملی اس وقت آپؐ کی عمر انتالیس ۳۹ سال تھی۔

اس سلسلہ میں ابن عباس سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی آپؐ کی عمر انتالیس ۳۹ سال تھی۔

سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ نزولِ وحی کے وقت آپؐ کی عمر انتالیس ۳۹ سال تھی۔ اسی راوی سے ایک دوسرے سلسلے سے مروی ہے کہ "نزولِ وحی کے وقت آپؐ کی عمر تینتالیس (۴۳) سال تھی۔"

(تاریخ طبری حصہ اول)

علی بن ابراہیم، ابن اشوب اور شیخ طبرسی بلکہ تمام محدثین و مفسرین نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبلِ بعثت اپنی قوم سے کنارہ کش ہو کر کوہ حرا پر تنہا عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ خداوند عالم آپؐ کو روح القدس کی تائید۔ سچے خوابوں، فرشتوں کی آوازوں اور سچے الہامات کے ساتھ ہدایت فرماتا رہتا تھا اور قرب و محبت و معرفت کے مدارج علیہ پر ترقی دیتا رہا۔ اور آپؐ کو زیورِ علم و فضل اور اخلاقِ حمیدہ اور آدابِ پسندیدہ سے آراستہ فرماتا رہا۔ ان حالات میں سوائے جناب امیرؑ اور جناب خدیجہ کے کوئی آپؐ کا مونس و محرم نہ تھا۔ یہاں تک کہ جب آپ کی عمر سینتیس ۳۷ سال کی ہوئی تو آپ نے خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ آپ کو ندا دے رہا ہے کہ یا رسولؐ اللہ۔ اس کے بعد ایک روز حضرت ابو طالب کی بھیڑیں چراتے ہوئے مکہ کی پہاڑیوں پر حضرتؐ کا گذر ہوا وہاں آپؐ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے آپؐ کو یا رسولؐ اللہ کہہ کر خطاب کیا اور آپؐ نے پوچھا تم کون ہو۔ وہ بولے میں جبرائیلؑ ہوں۔ خدا نے مجھے آپؐ کے پاس بھیجا ہے کہ آپؐ کو رسالت کی خوشخبری دوں۔ حضرت جبرائیلؑ علیہ السلام نے اپنا پیر زمین پر مارا تو ایک چشمہ جاری ہوا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وضو کیا اور آپؐ کو وضو کرنا سکھایا تو حضرت رسولِ خدا نے وضو کیا۔ پھر نماز کی تعلیم دی۔ اور آپؐ نے حضرت امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب کو تعلیم دی۔ اور ان کے ساتھ نمازِ ظہر ادا کی۔ بیت اشرف واپس گئے تو نمازِ عصر جناب خدیجہ کے ساتھ پڑھی۔"

(علامہ مجلسی حیات القلوب جلد دوم ص۴۲۲)

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے روایت ہے کہ "جب آپؐ چالیس ۴۰ سال کے ہو گئے اور خدا نے ان کے قلب کو نہایت خاشع اور خاضع اور سب سے زیادہ اپنا فرماں بردار پایا تو آپؐ کی آنکھوں میں ایک نور پیدا کیا اور حکم دیا تو آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے۔ فرشتے جوق در جوق زمین پر آتے تھے۔ اور حضرتؐ کو دیکھتے تھے۔ اور خدائے رحمت ساقِ عرش سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک متصل کر دی۔ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اس طرح کہ آسمان و زمین کو گھیر لیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بازو پکڑ کے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پڑھو۔ فرمایا کیا پڑھوں؟ کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ

مِنْ عَلَقٍ (پ ۳۰ آیت ۱ - ۲ سورہ علق) پھر خدا کی وحی ان کو پہنچائی "

جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر کے بارے میں اختلاف ہے۔ اسی طرح پہلی وحی کی تاریخ میں بھی اختلاف ہے۔ علمائے شیعہ کا اجماع ہے کہ آپؐ ستائیس ماہ رجب کو مبعوث برسالت ہوئے۔ اور آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کی حدیثیں اس کا ثبوت ہیں لیکن اُمت المسلمین کے درمیان اختلاف ہے۔ لبعضوں نے سترھویں رمضان المبارک کو بیان کیا ہے۔ لبعضوں نے اٹھارویں اور لبعض نے چوبیسویں ماہ رمضان المبارک کو بیان کیا ہے۔ اور لبعض نے بارھویں ماہ ربیع الاول کو بیان کیا ہے۔

حدیث معتبر سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ "آپ کو نبوت چالیسؐ سال کی عمر میں اور ۲۷ ماہ رجب کو ملی"

چالیس سال کی عمر میں ایک دن آپؐ غارِ حرا میں تشریف فرما تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور کہا پڑھو۔ حضرت رسولِ خدا نے پوچھا کیا پڑھوں تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حسب ذیل آیتیں تلاوت کروائیں۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ یعنی سورہ خلق پورا پڑھوایا اور یہی سورہ قرآن مجید کا سب سے پہلے نازل ہونے والا ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کے جانے کے بعد آپ کوہ حرا سے نیچے تشریف لائے تو آپؐ کو انوارِ جلال گھیرے ہوئے تھے کہ کسی کو تاب نہ تھی کہ آپؐ کو دیکھ سکے۔ آپ جب درختوں، پتھروں کی طرف گذرتے تھے تو سب آنحضرتؐ کو سجدہ کررہے تھے اور بزبان فصیح کہتے تھے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ط۔ جب آپؐ خانۂ خدیجہ میں داخل ہوئے آپؐ کے خورشید جمال کی شعاعوں سے سارا مکان منور ہوگیا۔ حضرت خدیجہ نے عرض کی اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ نور کیسا ہے جو میں آپؐ میں دیکھ رہی ہوں، فرمایا یہ نورِ رسالت ہے۔ کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ انہوں نے کہا میں برسوں سے آپؐ کی پیغمبری کا حال جانتی ہوں۔ پھر کلمہ شہادتین پڑھ کر ایمان لائیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا مجھے سردی محسوس ہورہی ہے مجھے کوئی چادر اُڑھا دو۔ حضرت رسولِ خدا چادر اوڑھ کر لیٹ گئے تو ندا آئی کہ یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ (پ ۲۹ آیت ۱ تا ۳ سورہ المدثر)۔

ترجمہ:۔ "اے چادر اوڑھنے والے اٹھو اور لوگوں کو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈراؤ۔ اور اس کی بزرگی بیان کرو"

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آواز سن کر اٹھے اور کانوں تک ہاتھ اٹھا کر ندا کی اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ حضرت کی آواز موجودات میں جس جس تک پہنچی اس نے حضرت رسالت مآب کی موافقت کی۔

حضرت خدیجہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وحی کی کیفیت سُنی تو آپؐ اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں اور انہیں تمام باتیں بتائیں۔ ورقہ بن نوفل نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں جو رسول اللہؐ کے

پاس آئے تھے وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے۔ اور اللہ کا پیام لے کر ہر نبیؑ کے پاس آتے ہیں۔ آپ کو مبارک ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) منصب نبوت پر فائز ہوئے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس آخری نبی کی بشارت دی تھی وہ آپؐ ہیں۔

اس دن کے بعد اکثر وبیشتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آتے اور خدا کے احکام آپؐ تک پہنچاتے رہے۔ آپ کی نبوت کی پہلی گواہ اور آپؐ پر پہلے ایمان لانے والی جناب خدیجہ تھیں اور اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام اور پھر حضرت زید بن حارثہ نے کلمہ پڑھا اور پھر اس کے بعد آہستہ آہستہ دوسرے لوگ بھی ایمان لائے۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ رسول مقبولؐ پر جناب خدیجہ کے بعد سب سے پہلے کون ایمان لایا اور کس نے آپؐ کی نبوت کی تصدیق کی۔ اور کس نے آپؐ کے ساتھ سب سے پہلے نماز پڑھی۔

ہمارے نزدیک آئمہ معصومین علیہ السلام کی روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے جناب خدیجہ ایمان لائیں۔ اور نبوت کی تصدیق کی۔ اور مردوں میں حضرت علی علیہ السلام آپ پر ایمان لائے۔ اور آپؐ کی نبوت کی تصدیق کی اور آپ کے ساتھ سب سے پہلے نماز پڑھی۔ میں اپنے قول کی تصدیق معتبر احادیث اور تاریخ کی کتابوں سے کرتی ہوں۔

ابن اثیر جزری تاریخ کامل میں لکھتے ہیں کہ جناب خدیجہ کے سابق الاسلام ہونے پر تو اتفاق ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ ان کے بعد کون اسلام لایا۔ علماء کا ایک گروہ تو یہ کہتا ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام ایمان لائے اور بعض کا قول ہے کہ اولاً حضرت ابوبکر اسلام لائے۔

علامہ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ زوجہ نبی کریم کے بعد مردوں میں سے سب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان کے بعد زید بن حارثہ اور ان کے بعد حضرت ابوبکر۔

ابن عسقلانی کتاب الاصابہ میں لکھتے ہیں کہ کثیر اہل علم کے قول کے مطابق ابوالحسن علی بن ابو طالب اسلام لانے والوں میں اول شخص ہیں ان کی ولادت بعثت نبوی سے دس سال پہلے ہوئی۔ انہوں نے رسول مقبولؐ ہی کی آغوش میں پرورش پائی۔ اور کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا نہیں ہوئے۔"

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ "مردوں میں سب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام جناب رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے اور نماز پڑھی۔ اور جو کچھ رسولؐ اللہ خدا کی جانب سے لائے اس کی تصدیق فرمادی۔ اس وقت حضرت علیؑ کی عمر دس سال تھی۔ اور منجملہ ان نعمات کے جو خدا نے حضرت علیؑ کو عطا کیں ایک یہ بھی ہے کہ وہ قبل از اسلام رسولؐ اللہ کی آغوش تربیت میں تھے۔ پھر حضرت علیؑ کے بعد حضرت زید بن حارثہ نے اسلام قبول کیا۔

اور نماز پڑھی۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر اسلام لائے۔"

ابن عبد البر مالکی نے استیعاب میں لکھا ہے کہ "محمد بن کعب قرظی سے لوگوں نے سوال کیا کہ پہلے حضرت علی نے اسلام قبول کیا یا حضرت ابوبکر نے۔ انہوں نے کہا سبحان اللہ علی ہی سابق الاسلام ہیں۔ (ابن عبد البر فرماتے ہیں۔) اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے نزدیک ان دونوں میں سے علی ابن ابی طالب ہی پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

نیز حضرت سلمان فارسی، حضرت ابوذر غفاری اور حضرت مقداد اور جناب جابر اور جناب ابوسعید خدری اور زید بن ارقم سے مروی ہے کہ درحقیقت علی بن ابی طالب ہی سابق الاسلام ہیں۔

(تاریخ احمد ص۱۵ نواب صاحب ہریانوان)

تاریخ طبری حصہ اول ص۲۳ میں لکھا ہے کہ اس کے متعلق بعض راوی کہتے ہیں کہ "مردوں میں علی بن ابی طالب نے سب سے پہلے رسول اللہ کی تصدیق کی اور ایمان لائے اور ان کے ساتھ نماز پڑھی"

ابن عباس سے مروی ہے کہ "سب سے پہلے حضرت علی نے نماز پڑھی" (تاریخ طبری حصہ اول)

حضرت جابر کہتے ہیں کہ "دوشنبہ کے دن رسول اللہ کے ہاتھ پر سب سے پہلے حضرت علی اسلام لائے تھے" (تاریخ طبری حصہ اول)

عباد بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ میں نے خود حضرت علی کو بیان کرتے سنا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس کے رسول کا بھائی ہوں اور صدیق الاکبر ہوں میرے بعد جو اس قسم کا ادعا کرے گا وہ جھوٹا اور مفتری ہوگا۔ میں نے دوسرے لوگوں سے سات سال قبل رسول اللہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ (تاریخ طبری حصہ اول ص۲۳)

محدث نسائی نے کتاب الخصائص میں عفیف سے روایت کی ہے کہ میں زمانۂ جاہلیت میں مکہ اس غرض سے آیا تھا کہ اپنے اہل و عیال کے لئے کپڑے اور عطر خرید کروں۔ چونکہ عباس بن عبد المطلب تجارت پیشہ تھے۔ لہٰذا میں ان کے پاس گیا۔ آفتاب بلند ہو کر ڈھل گیا تھا اور میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ کعبے کی طرف دیکھ رہا تھا ناگہاں میں نے دیکھا کہ ایک جوان آیا اور آسمان کی طرف نظر کر کے رو بقبلہ کھڑا ہو گیا۔ دیر نہ گذری تھی کہ ایک لڑکا آیا وہ بھی اس جوان کے داہنے جانب کھڑا ہو گیا۔ پھر ایک عورت آئی جو ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ جوان نے رکوع کیا۔ اس کے ساتھ لڑکے اور عورت نے بھی رکوع کیا۔ جب اس نے رکوع سے سر اٹھایا تو دونوں (لڑکے و عورت) نے سر اٹھایا اور جب اس جوان نے سجدہ کیا تو اس لڑکے اور عورت نے سجدہ کیا۔ میں نے (حضرت) عباس سے کہا کہ یہ تو ایک عظیم واقعہ ہے۔ انھوں نے کہا ہاں ضرور ایسا ہی ہے۔ کیا تم اس جوان اور لڑکے اور عورت کو جانتے ہو۔ میں نے کہا نہیں۔ عباس بولے کہ یہ جوان میرا بھتیجا (حضرت) محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم) ہے اور یہ لڑکا میرا بھتیجا (حضرت) علی ابن ابی طالب ہے۔ اور یہ عورت خدیجہ بنت خویلد اس

جو ان کی بیوی ہے۔ یہ جوان بیان کرتا ہے کہ اس کا خدا دہی ہے جو آسمان و زمین کا خدا ہے۔ اور اسی نے اس کو اس دین کا حکم دیا ہے۔ جس پر وہ قائم ہے۔ اے عفیف خدا کی قسم اس دین پر ہنوز ان تین شخصوں کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔"

(مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۲۵ ازلۃ الخفاء (ترجمہ) مقصد ۲ صفحہ ۲۶۶)

اس روایت کو حضرت عفیف سے تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ تاریخ طبری میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ تاریخ طبری میں اسی روایت کو دوسرے راویوں سے بھی نقل کیا ہے اور اس میں اتنا اضافہ ہے کہ راوی نے کہا کہ کاش میں بھی اس دن ایمان لے آیا ہوتا۔"

(تاریخ طبری حصہ اول صفحہ ۸۳-۸۴)

مردوں میں سب سے پہلے حضرت علی ابن ابی طالب رسول اللہؐ پر ایمان لائے۔ ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ اور ان کی رسالت کی تصدیق کی۔ اس وقت ان کی عمر دس سال تھی۔ اس کے علاوہ اللہ کا ان پر یہ انعام بھی تھا کہ وہ اسلام سے پہلے بھی رسول اللہؐ کے آغوش تربیت میں تھے۔ (تاریخ طبری حصہ اول صفحہ ۸۴)

مجاہد سے روایت ہے کہ "حضرت علی کی عمر دس سال تھی جب وہ اسلام لائے۔"

واقدی کہتے ہیں کہ "ہمارے دوستوں کا اس پر اتفاق ہے کہ نبوت کے ایک سال کے بعد حضرت علی اسلام لائے۔ اور وہ بارہ سال مکہ میں ہجرت سے پہلے مقیم رہے۔"

ان تمام روایتوں سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ رسول اللہؐ کی رسالت کی تصدیق کرنے والے اور اسلام لانے والے حضرت خدیجہ کے بعد پہلے حضرت علی تھے۔ اور اگر ہم یوں کہیں کہ حضرت خدیجہ اور حضرت علی ایک ساتھ ہی ایمان لائے تو بے جا نہ ہوگا۔

انس بن مالک سے روایت ہے کہ "پیر کے دن پیغمبر خدا نے تبلیغ اسلام شروع کی اور منگل کے دن سے حضرت علی ان کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔"

(جامع ترمذی صفحہ ۴۶۳ ۔ ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۸)

(استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۲ اسد الغابہ جلد ۷ صفحہ ۲۲)

"حضرت علی کا دعویٰ تھا کہ تمام آدمیوں سے سات سال قبل میں نے نماز پڑھنا شروع کر دی تھی۔"

(۱ سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۲ ۔ ۲ ریاض النضرہ جلد صفحہ ۱۵۸)

(اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۱۷ ۔ ۴ ازالۃ الخفاء مقصد ۲ صفحہ ۲۵۲)

ابن حاتم۔ ابو نعیم۔ ابن عساکر اور ابن مردویہ نے کئی طریقہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی نے ایک مرتبہ منبر پر فرمایا کہ قریش میں کوئی ایسا نہیں کہ جس کے بارے میں قرآن میں کچھ نہ کچھ نازل نہ ہوا ہو۔ یہ سن کر ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ آپ کے بارے میں کیا نازل ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے سورہ ہود کی

سترھویں آیت نہیں پڑھی۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ (آیت ۱۷۔ پارہ ۱۲ سورہ ہود)۔

ترجمہ۔

"تو کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل لے کر آیا ہو اور ایک گواہ جو اس کا جزو ہو اس کے پیچھے پیچھے آئے اور اس سے قبل موسیٰ کی کتاب (توریت) ہو (جو لوگوں کے لیے) پیشوا اور رحمت ہے۔ اس کی تصدیق کرتی ہو تو (وہ بہتر ہے یا کوئی اور) یہی قرآن کے ایمان لانے والے ہیں"

(تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۳ صفحہ ۳۲۴ سطر ۲۱ مطبوعہ مصر)

ان تمام راویوں سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ کی رسالت کی تصدیق کرنے والے اور اسلام لانے والے حضرات خدیجہ کے بعد پہلے حضرت علی تھے۔ اور اگر ہم یوں کہیں کہ حضرت خدیجہ اور حضرت علی ایک ساتھ ہی ایمان لائے تو بے جا نہیں ہوگا۔ اب یہ تاریخ کے مصنف کی اپنی رائے ہے کہ وہ جس کو چاہے اول (ایمان لانے والوں میں) قرار دے۔ تمام معتبر اور مستند تاریخ کی کتابوں میں اور روایات میں صرف حضرت علی کو پہلے اسلام لانے والا کہا گیا ہے۔ اور کہیں بھی بچے اور بڑے کی تفریق نہیں کی گئی۔ شبلی نعمانی نے بھی سیرۃ النبی میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت خدیجہ کے بعد حضرت علی ایمان لائے اور اس کے بعد حضرت زید بن حارثہ (آپ کے غلام) ایمان لائے۔ اس طرح علامہ شبلی نعمانی نے حضرت علی کی سبقت فی الاسلام کو تسلیم کر لیا ہے۔

(دیکھیے شبلی نعمانی سیرۃ النبی حصہ اول صفحہ ۲۰۶)

تین سال تک نور رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خاموشی سے اسلام کی تبلیغ کرتے رہے اور اس عرصے میں خاص خاص افراد و اقرباء و احباب وغیرہ بھی اسلام میں شامل ہو گئے۔ ان کی تعداد تقریباً ۴۳ تھی اور یہ تمام حضرات چھپ چھپ کر نماز بھی پڑھتے تھے۔

دعوت ذوالعشیرا۔

نبوت کے چوتھے سال آپ کو حکم الٰہی ہوا کہ آپ اپنے خاندان والوں میں اس دین کی اشاعت کریں۔ اور یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی صاف حکم آیا کہ

"فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ" (۹۴)

(پ ۱۴ آیت ۹۴ سورہ الحجر)

ترجمہ ۔
" اپنے رسالت کے امور منصبی کو ظاہر کرو اور مشرکین سے علیحدہ رہو "
اور نیز حکم آیا ۔
" وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ " (سورہ الشعراء آیت ۲۱۴ پ ۱۹)
ترجمہ ۔
" اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب سے ڈراؤ "

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حکم عام کا ملنا تھا کہ آپؐ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ وہ ایک دعوت کا انتظام کریں اور خاندان والوں کو مدعو کریں ۔ میں اس واقعہ کی تفصیل حضرت علی علیہ السلام کی روایت سے ہی کرتی ہوں ۔

" حضرت علی علیہ السلام سے نقل ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنے قرابت داروں کو دعوت اسلام دو تو رسولؐ اللہ نے مجھ کو بلایا اور کہا کہ اللہ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو ہدایت کروں لیکن میرا دل جلتا ہے کیونکہ میں جانتا ہوں جب میں ان کو دعوتِ اسلام دوں گا تو بہت سی ناخوشگوار باتیں پیدا ہوں گی صرف اس وجہ سے میں نے خاموشی بہتر سمجھی تھی لیکن حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے تھے اور آخری مرتبہ یہ کہہ کر گئے ہیں کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر آپ نے اللہ کے احکامات کو نہ پہنچایا تو یقیناً اللہ ناراض ہو جائے گا ۔ اس لئے علیؑ ایک صاع (ساڑھے تین سیر آٹے کا) کی روٹی ایک دنبہ کی ران اور کچھ دودھ کا انتظام کرو اور پھر تمام اولاد عبدالمطلب کو بلاؤ تاکہ میں اللہ کا حکم ان کو پہنچا دوں ۔

میں نے حسب الحکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام چیزیں فراہم کیں اور سب کو دعوت دی ۔ جب وہ آئے تو وہ سب چالیس جوان تھے ۔ جن میں رسولؐ اللہ کے چچا جناب ابوطالب ، حضرت حمزہ ، حضرت عباس اور ابولہب بھی تھے ۔ جب وہ سب اکٹھا ہو گئے ۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو کھانا لانے کے لئے کہا جو میں نے تیار کر رکھا تھا ۔ جب میں نے ان کو دستر خوان پر بٹھایا رسولؐ اللہ نے ایک گوشت کا ٹکڑا اٹھا کر دانتوں سے کاٹا اور پلیٹ کے کنارے رکھ دیا ۔ تمام مہمانوں سے کہا بسم اللہ کیجئے ۔ سب نے خوب سیر ہو کر کھایا اور پھر بھی رکابیاں بھری کی بھری رہیں ۔ کوئی نشان ان میں کمی کا نہ پایا جاتا تھا ۔ سوائے انگلیوں کے نشانات کے حالانکہ ایک آدمی ان میں سے وہ سب اکیلا کھا سکتا تھا ۔ جب مجھ کو جناب رسول خدا نے کچھ پینے کے لئے لانے کا حکم دیا میں نے دودھ کا برتن ان کے سامنے رکھ دیا سب نے خوب جی بھر پیا ۔ حالانکہ ایک آدمی اکیلا ان میں سے وہ سب پی سکتا تھا ۔

جب دعوتِ طعام ختم ہو گئی جناب رسولِ خدا کچھ کہنا چاہتے تھے کہ ابولہب ان کے بولنے سے پہلے ہی

چیخا۔ تم سب پر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے جادو کر دیا ہے۔ اس پر تمام لوگ اس دن کھڑے ہو گئے اور آپ کو موقع نہ مل سکا کہ اُن سے کچھ کہہ سکتے"۔

دوسرے دن پھر اللہ کے رسولؐ نے مجھ سے کہا اے علیؑ کل ابولہب نے میرے کلام پر سبقت کی اور قبل اسکے کہ میں کچھ کہوں قوم کے لوگ متفرق ہو گئے۔ آج پھر دعوت کا انتظام کرو اسی طرح روٹی اور دودھ کا جیسے پہلے کیا تھا۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ جب دعوت کا انتظام مکمل ہو گیا میں نے ان کو پھر مدعو کیا۔ رسول اللہؐ نے مجھے کھانا لانے کے لئے ارشاد کیا۔ میں نے فوراً ان کے سامنے کھانا پیش کیا اور گذشتہ روز کی طرح رسول اللہؐ نے پھر ویسے ہی کیا اور سب نے سیر ہو کر کھایا جب وہ کھانا کھا چکے تو پیغمبرِ خدا نے ارشاد فرمایا اے اولادِ عبدالمطلب! خدا کی قسم کوئی جوان بھی مجھ سے پہلے ایسا بہتر پیغام لے کر نہیں آیا جیسا کہ میں لوگوں کے لئے لایا ہوں۔ میں تمہارے لئے اس دُنیا اور آخرت کی برکتیں لایا ہوں۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم تک پہنچاؤں۔ اس لئے کون ہے میرے اس بوجھ کو اُٹھانے میں مدد دینے والا"۔

حالانکہ میں ان سب میں چھوٹا تھا۔ آنکھیں کمزور اور دُبلا پتلا۔ میں نے اقرار کیا میں آپؐ کے بوجھ کو ہلکا کرنے میں شریک رہوں گا۔ اے اللہ کے رسولؐ! تب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میری پُشت پر ہاتھ رکھا۔ اور اعلان کیا "میرے بھائی کو دیکھ لو۔ میرے نائب کو! یہ تمہارے درمیان میرا وصی ہے۔ اس کا حکم سنو۔ اور اس کی پیروی کرو۔ اس پر ساری جماعت ہنسنے لگی اور انہوں نے جناب ابوطالب سے کہا سنو تم کو حکم ہوا ہے کہ تم اپنے لڑکے کی اطاعت و فرماں برداری کرو"۔

(انتخاب از کنز العمال ص ۴۱-۴۲-۴۳ ۲ تفسیر ثعلبی
۳ تاریخ ابو الفدا ۴ تفسیر معلمۃ التنزیل ۵ تاریخ کامل ابن اثیر
(۶) دلیل النبوۃ ۷ تاریخ طبری ص ۹۰)

علامہ شبلی نعمانی نے اس آیت کے نزول کے بارے میں اس طرح لکھا ہے کہ تین برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہایت رازداری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا کیا۔ لیکن اب آفتابِ رسالت بلند ہو چکا تھا اسلئے صاف حکم آیا کہ "آپ اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو خدا سے ڈرائیے" چنانچہ آپؐ نے کوہ صفا پر چڑھ کر پُکارا یا معشر قریش! لوگ جمع ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ "اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آ رہا ہے تو تم یقین کر لو گے۔ سب نے کہا "ہاں"! کیونکہ تم کو ہمیشہ سے ہم نے سچ بولتے دیکھا ہے"۔ آپؐ نے فرمایا۔ "تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذابِ شدید نازل ہو گا"۔ یہ سُن کر سب لوگ جن میں ابولہب بھی تھا سخت برہم ہو کر چلے گئے"۔ (صحیح بخاری جلد دوم ص ۷۰۲)

چند روز کے بعد آپؐ نے حضرت علیؑ سے کہا کہ دعوت کا سامان کرو۔ یہ درحقیقت تبلیغِ اسلام کا پہلا موقع تھا۔ تمام خاندانِ عبدالمطلب کو مدعو کیا گیا۔ حضرت حمزہ، حضرت ابوطالب اور حضرت عباس سب شریک تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کو کفیل ہے۔ اس بارِ گراں کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا۔ تمام مجلس میں سناٹا تھا۔ دفعتہً حضرت علیؑ نے اٹھ کر کہا۔ مجھ کو آشوبِ چشم ہے۔ گو میری ٹانگیں تپلی ہیں اور میں سب سے نوعمر ہوں۔ تاہم میں آپؐ کا ساتھ دوں گا۔ (علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ جلد اول ص ۲۱۱)

قریش کے لیے ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص جن میں ایک تیرہ سالہ نوجوان ہے دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ حاضرین کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ لیکن آگے چل کر زمانہ نے بتا دیا کہ یہ سراپا سچ تھا۔"

علامہ شبلی نعمانی نے آگے کی روایت کو نقل نہیں کیا۔ اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کو نقل کیا ہے۔ لیکن ان کی عبارت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دعوت کا انتظام حضرت علیؑ نے ہی کیا اور ساتھ دینے کا وعدہ بھی حضرت علی علیہ السلام نے ہی کیا اس طرح مجمعِ عام میں اسلام لانے والے حضرت علی علیہ السلام ہوئے۔

• ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت علیؑ سے پوچھا: امیرالمومنین آپ اپنے چچازاد بھائی کے اپنے چچا کی موجودگی میں کیوں کر وارث ہوئے۔ انھوں نے کہا سنو۔ تین مرتبہ اس پر تمام حاضرین گوش بر آواز ہوئے کہ کیا کہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ رسول اللہؐ نے تمام بنو عبدالمطلب کو پلاؤ اور چھاچھ کی دعوت دی۔ آپؐ نے ان کیلئے صرف ایک صاع کھانا پکوایا تھا۔ تمام لوگوں نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا۔ اور پھر بھی وہ کھانا جوں کا توں باقی بچ گیا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا اے بنو عبدالمطلب اللہ نے مجھے خاص طور پر تمہاری طرف اور عام طور پر تمام انسانوں کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔ اس معاملہ کے متعلق جو کچھ ہے وہ تمہارا مشاہدہ ہے۔ کون میرے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے کہ وہ میرا بھائی، دوست اور میرا وارث بنے۔ کوئی شخص کھڑا نہ ہوا۔ میں آپؐ کے پاس گیا۔ حالانکہ میں سب سے کم عمر تھا۔ مجھ سے آپؐ نے کہا بیٹھو۔ اس بات کو آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا مگر ہر بار میں کھڑا ہو کر آپؐ کی طرف بڑھتا۔ تیسری مرتبہ آپؐ نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا۔ اس طرح میں اپنے چچازاد بھائی کا وارث ہوا اور میرے چچا نہ ہوئے۔" (تاریخ طبری ص ۹۰)

خاندان والوں کے بعد آپؐ نے مکہ کے تمام لوگوں میں دعوتِ اسلام دینے کا انتظام کیا۔ آپؐ پہاڑی پر گئے اور سب کو آواز دی۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپؐ نے کہا کہ اگر میں کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے دشمن ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا یقین کر لو گے۔ سب نے کہا ضرور یقین کر لیں گے کیونکہ آپؐ امین ہیں اور صادق ہیں۔ آپؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ مانو کہ اللہ نے ہمارے

دین کی تصدیق کردی ہے۔ اور ہماری قوم کی بداعمالی کی وجہ سے عذاب الٰہی اس پر نازل ہونے والا ہے۔ اگر ہم لوگ اپنے دین کی اصلاح نہیں کریں گے تو ہماری مصیبت نہیں ٹلے گی۔ جب سب لوگوں نے یہ سنا تو منہ بنالیا اور ابولہب نے کہا بلاوجہ ہمارا وقت خراب کردیا۔

ادھر اسلام کی اشاعت کا ہونا تھا کہ قریش چراغ پا ہو گئے۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانی دشمن ہو گئے۔ وہی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کل تک صادق تھے آج مجنوں اور جھوٹا کہلانے لگے۔ جس راہ سے گذرتے لوگ کانٹے بچھا دیتے۔ سر پر کوڑا کرکٹ پھینکتے۔ اور بچوں سے ڈھیلے پھنکواتے۔

بنی امیہ جو مدتوں سے بنی ہاشم کے دشمن تھے اس کو بھی اب خوب موقع مل گیا اور بنی امیہ کا سردار ابوسفیان بن حرب اور آپؐ کا چچا ابولہب تو آپ کے جان کے دشمن ہو گئے۔ ابوسفیان کا خسر عتبہ بن ربیعہ اور عقبہ ابن ابی معیط اور ابوجہل بن ہشام بھی آپؐ کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھے۔

تاریخ ابو الفدا میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ اسلام کرنے لگے اور ان کے معبودوں کو برا کہنے لگے تو چند آدمی قریش کے جناب ابوطالب کے پاس آئے جن میں عتبہ، شیبہ اور ابوسفیان اور ابوجہل، ولید بن مغیرہ عاص بن وائل وغیرہ تھے۔ ان سب نے جناب ابوطالب سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے دین کو برا اور ہم کو بیوقوف اور ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ بتاتے ہیں یا تو ان کو ان باتوں سے روکو یا ان کی مدد نہ کرو۔ جناب ابوطالب نے ان لوگوں کو مناسب طریقے سے سمجھا بجھا کر لوٹا دیا۔ اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسب معمول تبلیغ رسالت میں مصروف رہے۔ حتیٰ کہ کفار قریش پر یہ امر شاق گذرا اور انہوں نے مکرر جناب ابوطالب کے پاس آکر وہی درخواست کی جو پہلے کی تھی۔ نیز کہا کہ اگر تم اپنے بھتیجے کو نہ روکو گے تو تم سے اور ہم سے ایسی شدید جنگ ہوگی کہ بالآخر ایک فریق ہلاک ہو جائے گا۔ یہ سن کر جناب ابوطالب متفکر ہوئے اور انھوں نے آپؐ سے کہا کہ اے بھتیجے یہ لوگ ایسا ایسا کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سمجھے کہ جناب ابوطالب میری رفاقت سے دست بردار ہونا چاہتے ہیں۔ کہنے لگے کہ اے چچا اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں ہاتھ پر ماہتاب بھی رکھ دیں تب بھی میں امر حق سے باز نہ رہوں گا۔ یہ فرما کر غمگین اور افسردہ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جناب ابوطالب نے آپؐ کی جب یہ کیفیت دیکھی تو پکار کر کہا اے جان عم ادھر آؤ اور جو چاہو کرو۔ خدا کی قسم میں اپنے جیتے جی تمہاری رفاقت کبھی نہ چھوڑوں گا۔"

(ابن ہشام صفحہ ۸۹ تاریخ احمدی اور امام بخاری نے بھی اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے)۔

پس قبائل قریش ان لوگوں کو جو اسلام لائے تھے تکلیفیں پہنچانے لگے۔ مگر خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوجہ حمایت جناب ابوطالب محفوظ رکھا۔ علامہ ابو الفدا کہتے ہیں کہ جناب ابوطالب کے

بعض اشعار جن کا ترجمہ درج ذیل ہے اس بات کی دلالت کرتے ہیں کہ انھوں نے آپ کی رسالت کا صدق دل سے اقرار کیا تھا۔

ترجمہ اشعار جناب ابوطالب

"اے محمدؐ! تم نے مجھے دینِ اسلام کی طرف بلایا اور میں نے سمجھ لیا کہ درحقیقت تم صادق العقول راست باز اور امانت دار ہو اور بیشک مجھے یقین ہو گیا کہ دینِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمام دنیا کے دینوں سے بہتر ہے۔ خدا کی قسم جب تک میں زندہ ہوں قریش میں سے کوئی شخص تمہارا کچھ نہیں کر سکتا۔"

(تاریخ احمد ص ۱۹-۲۰ مؤلف نواب صاحب پریانواں)

غرضیکہ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے آپ نماز پڑھتے تو جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے۔ بدزبانیاں کرتے۔ ایک دفعہ آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آپؐ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپؐ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ پھر آپؐ پر ہی ظلم نہیں کرتے تھے بلکہ جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان پر بھی طرح طرح سے ظلم و ستم کرنے لگے۔ حج کے موقع پر جو لوگ آتے اور آپؐ ان کے سامنے تقریر کرتے تو یہ لوگ ان کو بھی بھگا دیتے۔ اور آپ پر پتھر برساتے۔ غرض جیسے جیسے دن گذر رہے تھے قریش کی نفرت کے شعلے اتنے پروان چڑھ رہے تھے۔ اور ہمارے رسولؐ پر مصیبت کی گھڑیاں اتنی سخت ہو رہی تھیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود اسلام بھی ترقی کر رہا تھا اور ہر مصیبت اور تکلیف سے بے نیاز ہو کر اللہ کے حبیبؐ تبلیغ کر رہے تھے اور دین کو پھیلانے کی جدوجہد کر رہے تھے۔ آپؐ وعظ کرتے اور دعوتِ اسلام دیتے رہتے تھے۔

ہجرت حبشہ ۵ھ

مکے والوں نے جب اسلام کی ترقی دیکھی تو وہ چراغ پا ہو گئے۔ اور انھوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ اور یہیں تک بس نہیں کیا۔ بلکہ آپؐ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی طرح طرح سے ستانے لگے۔ ظلم کی انتہا ہو گئی تھی۔ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا ظلم و جور تو برداشت کر رہے تھے لیکن مسلمانوں پر جب ظلم کی انتہا ہو گئی تو آپ تڑپ اُٹھے اور مسلمانوں کو ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔

تاریخ ابوالفداء میں ہے کہ جب کفارِ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو

سخت تکلیف دینے لگے تو آپؐ نے ان لوگوں کو جن کے کوئی حمایتی کنبہ نہیں تھا بجانب حبشہ ہجرت کرنے کی ہدایت فرمائی۔

حبشہ مکہ سے قریب تھا اور وہاں نجاشی کی حکومت تھی۔ یہ بادشاہ نہایت عادل اور انصاف پسند تھا۔ اور نسطوری فرقہ کا ایک عیسائی تھا۔ اس لئے تقریباً سو مسلمان (مرد و عورت) حبشہ ہجرت کر گئے۔ جب کفارِ مکہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے عمارہ بن ربیعہ اور عمرو عاص کو نجاشی کے پاس بھیجا اور درخواست کی کہ مسلمانوں کو واپس کر دیا جائے۔ نجاشی نے یہ درخواست منظور نہیں کی اور مسلمان حبشہ میں مقیم ہو گئے۔ یہ لوگ عرصے تک یہیں پر رہے۔ (یہ مسلمانوں کی پہلی ہجرت تھی)۔

شعب ابو طالب میں محصور ہونا یکم محرم ۷ نبوی :۔

کفارِ قریش کی مخالفت کے باوجود اسلام ترقی کر رہا تھا اور اتنے ظلم و جور کے باوجود حضرت عمر اور حضرت حمزہ جیسے بہادر ایمان لا چکے تھے۔ پھر نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ بھی دے دی تھی۔ چنانچہ ان حالات کو دیکھ کر کفارِ مکہ کی آگ اور بھڑک گئی۔ اور آپؐ پر اور زیادہ ظلم کرنے لگے۔ آپؐ کو نبوت ملے چھ سال گذر چکے تھے مگر ظلم و جور میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی بلکہ روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ جب ساتواں سال شروع ہوا تو کافروں کی مخالفت اور بڑھ گئی۔ اس کی وجہ جیسا کہ لکھ چکی ہوں اسلام کی ترقی اور نجاشی کی طرف سے مسلمانوں کو پناہ دینا تھی۔ چنانچہ اب ان لوگوں نے یہ تدبیر سوچی کہ آپؐ اور آپؐ کے خاندان کو محصور کر کے ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ کوئی شخص خاندان بنو ہاشم سے قرابت نہیں رکھے گا اور نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا۔ اگر جناب ابو طالب نے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہمارے حوالے نہیں کیا۔ چنانچہ وہ لوگ جناب ابو طالب کے پاس آئے اور کہا کہ آپ اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دیجئے۔ کیونکہ وہ ہمارے بتوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ ہمارے مذہب کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں ہم ان کو قتل کر دیں گے۔ حضرت ابو طالب نے ان لوگوں کو جواب دیا کہ میں تم لوگوں کی دھمکیوں میں نہیں آ سکتا۔ اور نہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو تمہارے حوالے کر سکتا ہوں۔ جناب ابو طالب کا اعلان سُن کر کفارِ مکہ بگڑ گئے۔ اور قریش نے بنی ہاشم کا بائیکاٹ کر دیا۔ مجبوراً آپ لوگ پہاڑ کی گھاٹی شعب ابی طالب میں پناہ گزیں ہو گئے۔ تاکہ رات کو قتل و غارت کی فکر سے آزاد ہو کر سو سکیں۔ اس قید و بند نے بنی ہاشم کو بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا تھا۔ بچے بھوک اور پیاس سے اتنا روتے کہ آس پاس کے رہنے والوں کی نیندیں تک اڑ جاتی تھیں۔

آگئی تھی۔ اور شعب ابو طالب سے نکلے ایک سال بھی نہیں ہوا تھا کہ آپؐ سے آپؐ کی دو محبوب ہستیاں بچھڑ گئیں۔ جناب ابو طالب اور اس کے تین دن بعد جناب خدیجہ۔ اب رسولؐ اللہ بالکل اکیلے تھے اور یہ جدائی آپؐ کو بہت شاق تھی۔ کیونکہ اس وقت سوائے ان دونوں ہستیوں کے کوئی مونس و ہمدرد نہیں تھا اور نہ کوئی دُکھ درد کا ساتھی تھا۔ آپؐ ان کے بچھڑنے کا جتنا قلق کرتے کم تھا جناب خدیجہ جیسی بیوی جس نے دُنیا کی ہر آسائش آپؐ کے لئے چھوڑ دی۔ مکہ کی امیر ترین خاتون جن کا دبدبہ اور رعب اہلِ مکہ پر چھایا ہوا تھا آپؐ کے ساتھ مسلسل تین سال تک شعب ابو طالب میں محصور رہ کر فاقہ کی زندگی بسر کی۔ اور آپؐ کی محبت میں ہر مصیبت کو ہنسی خوشی برداشت کیا دھن دولت سب آپؐ پر نچھاور کر دی۔ پھر آپ کو ہر لمحہ تسلّی و تشفّی بھی دیتی رہتی تھیں۔

جناب ابو طالب کا بھی آپؐ کو جتنا صدمہ تھا وہ قابلِ ذکر نہیں اور آپؐ کیوں نہ کرتے چچا بھی وہ چچا جس نے اہلِ مکہ کی دشمنی آپ کی خاطر مول لی۔ آپؐ کے وہ مونس و ہمدرد جو اہلِ مکہ سے آپؐ کو محفوظ کئے ہوئے تھے بچپن سے آپؐ کے غم خوار تھے۔ ایک لمحہ کو بھی اپنے سے جُدا نہیں کرتے تھے۔ اپنے بچوں پر آپؐ کو ترجیح دیتے تھے۔ آپؐ کی محبت میں تین سال تک شعب ابو طالب میں محصور رہے۔ اور تین سال تک فاقہ کی زندگی بسر کی کسی کی مجال نہیں تھی کہ جناب ابو طالب کے سامنے آپؐ کو کچھ کہہ سکے۔ لیکن اب انھوں نے بھی آپؐ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور اس دار فانی سے کوچ کر گئے تھے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ دونوں کی جدائی کا اتنا صدمہ تھا کہ اس سال کو "عام الحزن" (سالِ غم) قرار دیا۔

حضرت ابو طالب کے ایمان لانے پر مؤرخین میں اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ آپ ایمان لے آئے تھے اور آپ نے کلمہ پڑھ لیا تھا اور کچھ کہتے ہیں کہ آپ نے کلمہ نہیں پڑھا تھا۔

علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ جلد اول ص ۲۳۷ پر لکھتے ہیں کہ "جناب ابو طالب کی وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ پہلے سے موجود تھے۔ آپؐ نے فرمایا مرتے مرتے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیجئے کہ میں خدا کے یہاں آپ کے ایمان کی شہادت دوں" ابوجہل اور ابن ابی امیہ نے کہا کہ ابو طالب! "کیا تم عبد المطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟" بالآخر جناب ابو طالب نے کہا "میں عبد المطلب کے دین پر مرتا ہوں" پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف خطاب کر کے کہا "میں کلمہ کہہ دیتا لیکن قریش کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا" آپؐ نے فرمایا میں آپ کے لئے دعائے مغفرت کروں گا۔ جب تک کہ خدا مجھ کو منع نہ کر دے۔"

(صحیح بخاری و مسلم)

دوسری روایت میں علامہ شبلی نعمانی نے ابن اسحاق سے لکھی ہے کہ مرتے وقت جناب ابو طالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباس نے (جو اس وقت تک کافر تھے) کان لگا کر سنا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ تم نے جس کلمے کے لئے کہا تھا، ابو طالب وہی کہہ رہے تھے۔"

روایتوں میں ہے (جو صحابہ اکرامؓ کی زبانی سے مذکور ہیں) کہ طلح (درخت کا نام) کی پتیاں کھا کھا کر بسر کرتے تھے۔ چنانچہ سہیلی نے روض الالف میں تصریح کی ہے۔ حضرت سعد بن وقاص کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑہ ہاتھ آگیا۔ میں نے اس کو پانی سے دھویا پھر آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھایا۔

(علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ جلد اول ص ۲۴۵)

ابن سعد نے روایت کی ہے کہ بچے جب بھوک سے روتے تھے تو باہر آواز آتی تھی۔ قریش سن سن کر خوش ہوتے تھے لیکن بعض رحم دلوں کو ترس بھی آتا تھا۔

ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہ کا بھتیجا تھا تھوڑے سے گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہ کے پاس بھیجے۔ راہ میں ابو جہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا۔ اتفاق سے ابو البختری کہیں سے آگیا وہ اگرچہ کافر تھا لیکن اس کو رحم آیا اور کہا کہ ایک شخص اپنی پھوپھی کو کچھ کھانے کے لئے بھیجتا ہے تو تو کیوں روکتا ہے۔" (ابن ہشام۔ طبری۔ علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ)

غرضیکہ مسلسل تین سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور بنو ہاشم نے مصیبتیں جھیلیں۔ آخر کار ان ظالموں کو بھی رحم آگیا۔ اور ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے بچے کھائیں پیئیں اور یہ فاقہ کریں۔ چنانچہ انہی لوگوں نے معاہدہ توڑنے کی تحریک شروع کی۔ اس بات کا خیال سب سے پہلے ہشام بن عمر بن حرث کے دل میں آیا اور اس نے بہت سے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنالیا۔ ایک دن محفل میں سب سردار جمع تھے تو یہ ذکر چل گیا اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ عہد نامہ منسوخ کر دیا جائے۔ ابو جہل نے فوراً کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ تم لوگ کیوں مذاق کرتے ہو۔ کہیں عہد نامے بھی منسوخ ہوتے ہیں۔ اتنے میں جناب ابو طالب وہاں پہنچ گئے اور آپ نے کہا تم کس عہد نامہ کی بات کرتے ہو اس کو تو کیڑا چاٹ گیا ہے اور سوائے اللہ کے نام کے اس میں کچھ نہیں۔ یہ بات مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بتائی ہے۔ اگر یہ غلط ہوگا تو میں تمہیں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دے دوں گا۔ یہ سنتے ہی عہد نامہ منگوایا گیا۔ دیکھا تو واقعی اس کو کیڑے نے چاٹ لیا تھا اور سوائے اللہ کے نام کے کچھ باقی نہیں تھا۔ اس طرح بنی ہاشم تین سال تک نظر بند رہنے کے بعد اب آزاد ہو گئے تھے۔ لیکن ہمارے رسولؐ کی مصیبتیں اب بھی ختم نہیں ہوئی تھیں۔

حضرت ابو طالبؑ و حضرت خدیجہؑ کی وفات ۱۰ھ بعثت۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خاندان بنو ہاشم مسلسل تین سال تک شعب ابو طالب میں محصور رہنے کے بعد اب آزاد ہو گئے تھے لیکن اللہ کے حبیبؐ کے لیے مصیبتیں کم نہیں ہوئی تھیں۔ بلکہ اب ایک نئی آزمائش سامنے

پھر لکھتے ہیں کہ اس بنا پر جناب ابو طالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے۔ لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح تر مانی جاتی ہے اس لئے محدثین زیادہ تر ان کے کفر ہی کے قائل ہیں۔ (علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی جلد ا ص۲۴۳)

ابو الفدا لکھتے ہیں کہ جناب ابو طالب کے مرض نے شدت اختیار کی تو رسولؐ خدا نے فرمایا چچا جان کلمۂ شہادت پڑھ لیجئے تاکہ میں قیامت میں آپ کی شفاعت کر سکوں۔ آپ نے کہا اگر اس کا خوف نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے کہ میں نے موت سے ڈر کر کلمہ پڑھ لیا تو میں ضرور پڑھ لیتا۔ پس جب موت کا وقت بالکل آ لگا تو ہونٹ حرکت کر رہے تھے۔ حضرت عباس نے کان لگا کر سنا اور کہا خدا کی قسم اے بھتیجے جس کلمہ کی تو نے فرمائش کی تھی وہ ابو طالب نے پڑھ لیا۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا چچا خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپ کو ہدایت کی "

حیات القلوب جلد دوم ص۴۹۳ میں روایت ہے کہ بنو ہاشم شعب ابو طالب سے واپس آکر اپنے اپنے مکانوں میں قیام پذیر ہو گئے تو دو ماہ کے بعد جناب ابو طالب بیمار ہوئے اور آپ کے انتقال کا وقت قریب آگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا یہ حال دیکھ کر فرمایا کہ چچا جان آپ نے بچپن میں میری تربیت فرمائی اور عالم یتیمی میں میری کفالت کی۔ میری جوانی میں مدد کی۔ خدا آپ کو میری جانب سے بہترین اجر دے۔ میں اس وقت آپ سے ایک آرزو رکھتا ہوں اگر آپ قبول فرمالیں تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہو اور آپ کی غرض یہ تھی کہ لوگ جان لیں کہ وہ مسلمان ہو چکے ہیں۔ اور صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں مسلمان نہیں ہوئے ہیں۔ یہ سُنکر جناب ابو طالب نے کلمہ پڑھا اور اپنے اسلام کا اظہار فرمایا اور پیغمبروں کی امانتیں اور حضرت ابراہیمؑ کی وصیتیں ان کے سپرد کیں۔ اور برحمتِ الٰہی واصل ہوئے۔ آپؐ ان کے جنازے کے ساتھ روتے ہوئے ساتھ تھے۔ فرماتے تھے کہ چچا آپ نے صلۂ رحم کیا خدا آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے "

تاریخ الخمیس میں ہے کہ جب وفات کا وقت آیا تو جناب ابو طالب نے قریش کے سرداروں کو جمع کیا۔ اور وصیت کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ نیکی کے ساتھ پیش آنا۔ کیونکہ وہ صدیق عرب اور امین قریش ہے۔ وہ (خدا کی طرف سے) ایسی بات لے کر آیا ہے جس کو دل مانتا ہے۔ گو زبان بدنامی کے خوف سے انکار کرتی رہے۔"

حضرت ابو طالب کی اس وصیت کو تقریباً تمام علماء و محدثین نے نقل کیا ہے۔ اور اس وصیت سے آپ کے ایمان و اسلام کا پورا پتہ لگ جاتا ہے۔

امام برزنجی کی عبارت و الفاظ میں اس کو حسب ذیل نقل کرتی ہوں جو تفصیل سے ہے۔

"اے گروہِ قریش تم مخلوقاتِ خدا میں برگزیدہ ہو اور عرب کے دل ہو۔ سردار قابل اتباع اور دلاور، فراخ سینہ تم ہی میں سے ہوتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ عرب کی خوبیوں میں سے کوئی ایسا حصہ نہیں چھوڑا کہ جو تم نے نہ جمع کر لیا ہو اور کوئی

ایسی فضیلت نہیں باقی رہی جو تم کو نہ مل گئی ہو۔ اسی سبب سے تم لوگوں پر فضیلت رکھتے ہو۔ اور لوگ تمہارا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔ لوگ تمہارے لئے لڑنے والے اور تمہارے آلاتِ حرب ہیں۔ میں تمہیں اس مکان یعنی کعبہ کی تعظیم کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ اس میں پروردگارِ عالم کی خوشنودی۔ روزی کا سہارا۔ اور سامان کی درستی ہے۔ اور صلۂ رحم اختیار کرو۔ کیونکہ صلۂ رحم میں کشاکش ہے۔ اپنی عمر کی زیادتی اور نسل کی کثرت۔ بغاوت اور نافرمانی کو ترک کرو کہ ان دونوں کے سبب تم سے پہلے بہت سے قرن (قومیں) ہلاک ہو چکے (مذہب) حق کے دعوت کرنے والے کی سنو اور سائل کی حاجت پوری کرو۔ کیونکہ ان دونوں میں شرف حیات و ممات ہے۔ اور تمہیں سچ بولنا اور امانت کا ادا کرنا لازم ہے کیونکہ ان دونوں باتوں کے سبب سے خواص سے محبت ہوتی ہے۔ اور عوام میں عزت اور میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نسبت تم کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ امین قریش ہے اور صدیق عرب اور جن باتوں کی میں نے تمہیں وصیت کی ہے وہ ان تمام اوصاف کا جامع ہے۔ وہ ایسا امر لے کر آیا ہے۔ جسے دل تو قبول کرتا ہے مگر زبان بخوف طعن انکار کرتی ہے۔ خدا کی قسم میں گویا عرب کے فقیروں، قرب وجوار کے باشندوں اور کمزور لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ انھوں نے اس کی سنادی قبول کر لی ہے۔ ان لوگوں نے اس کے کلام کو برحق مان لیا ہے۔ اور اس کے حکم کو بزرگ سمجھ لیا ہے اور وہ ان کو لے کر موت کے بھنور میں کود پڑا ہے اور وہ لوگ قریش کے سردار بن گئے ہیں اور قریش کے سردار سب ادنیٰ درجہ کے ہو گئے ہیں، ان کے مکان تک برباد ہو گئے ہیں۔ اور وہ جو زبردست تھے زیردست ہو گئے ہیں۔ جو لوگ اپنے آپ کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بڑھ کر سمجھتے تھے وہ اس کے محتاج بن گئے ہیں اور جو اس سے دور تھے قریب آگئے ہیں اعراب بادیہ نے اس کی خالص دوستی اختیار کر لی ہے اور اپنے آپ کو اس کے اختیار میں دے دیا ہے۔ اے گروہِ قریش اس کے دوست بن جاؤ اور اس کے گروہ کے حامی بن جاؤ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تمہیں اور تمہارے بھائیوں کو لازم ہے کہ اس کے دوست بن جاؤ اور اس کے گروہ کے حامی ہو جاؤ۔ اور قسم بخدا کوئی ایسا نہیں ہے جو اس کی راہ چلے اور نیکی نہ پائے۔ اور اس کا ہدیہ قبول کرے۔ اور اگر میری زندگی میں کچھ دیر لگتی اور میری عمر کچھ اور ہوتی تو میں ہر قسم کی تکالیف و مصائب و شدائد کو ان سے دور کرتا اور ایک بار قریش سے یہ بھی کہا کہ جب تک تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنتے رہو گے اور اس کے احکام کی پیروی کرتے رہو گے تمہارے لئے بہتری ہی بہتری رہے گی لہٰذا اس کی اطاعت کر کے رشید ہو جاؤ۔"

یہ تمام روایتیں عام مورخین کی ہیں جنہوں نے اپنا اپنا انداز فکر اختیار کیا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک آئمہ معصومین علیہم السلام کی روایات مستند ہیں۔ آئمہ علیہم السلام سے روایات ہیں کہ "حضرت ابوطالب مسلمان تھے اور مسلمان ہی مرے۔"

"تاریخ پڑھنے والے جناب ابوطالب کے بارے میں خود ہی فیصلہ کر لیں کہ وہ کس دین پر تھے۔ اگر

صحیح بخاری کی روایت جس کو علامہ شبلی نعمانی نے پیش کی ہے اس کے مطابق اگر جناب ابوطالب اپنے باپ جناب عبدالمطلب کے دین پر مرے تو تب بھی مسلمان تھے۔ کیونکہ جناب عبدالمطلب کی وصیت تاریخ میں گواہ ہے کہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں نبوت کا علم تھا اسی طرح نبوت کے ملنے سے پہلے ہی جناب ابوطالب کو بھی آپؐ کی نبوت کا علم تھا۔ اس کا ثبوت آپؐ کے بچپن کا سفر ہے۔ اسی طرح آپؐ کا اور حضرت علیؑ اور حضرت خدیجہ کی نماز پڑھنے کا تذکرہ جہاں ملتا ہے وہاں بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ جناب ابوطالب کو آپ کے دین کے بارے میں علم تھا۔ پھر جناب رسولِ خداؐ کا (بقول مورخین کے کافروں کے) معبودوں کو گالیاں دینا اور کافروں کے لئے بُرا بھلا کہنا اور اس پر بھی جناب ابوطالب کا رسولؐ اللہ کا ساتھ دینا ایمان کی واضح دلیل ہے۔ اس کے علاوہ شعب ابوطالب میں تین سال محصور ہونا اور آپ کے کہنے پر کافروں میں جاکر یہ کہنا کہ معاہدہ کو دیمک چاٹ گئی ہے اور صرف اللہ کے نام کے کچھ باقی نہیں اور معاہدہ کا سامنے آنا اور کیڑے کا چاٹنا پھر شعب ابی طالب سے آزاد ہونا یہ سب باتیں کس چیز کی دلیل ہیں؟ کیا ان باتوں کو دیکھ کر بھی مورخین یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کافر ہیں۔ اگر آپ کافر ہوتے تو کبھی بھی اپنے آباؤ اجداد کے معبودوں کو بُرا نہیں سن سکتے تھے لاکھ محبت سہی لیکن اپنے دین کو کوئی بُرا نہیں کہہ سکتا۔

علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ ۲۳۹ میں لکھتے ہیں کہ جناب ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جو جاں نثاریاں کیں اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپؐ پر نثار کرتے تھے۔ آپؐ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنا لیا۔ آپؐ کی خاطر محصور ہوئے۔ فاقے برداشت کئے۔ شہر سے نکالے گئے۔ تین برس تک آب و دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت، یہ جوش یہ جاں نثاریاں سب ضائع ہو جائینگی۔"

علامہ شبلی نعمانی کا سوال بڑا وزنی اور بڑا اچھا ہے۔ اور مورخین کے لئے ایک زبردست لمحہ فکریہ ہے۔

ہمارے نقطہ نگاہ سے تو آپؐ کے آباؤ اجداد کوئی بھی کافر نہیں تھے۔ اور وہ سب دینِ ابراہیمی (یعنی اسلام) پر قائم تھے۔

غرضیکہ جناب ابوطالب نے علامہ مجلسی (حیات القلوب) کے مطابق رجب یا رمضان سنہ ۱۰ نبوی میں وفات پائی اور ابن اثیر کے قول کے مطابق شوال یا ذی قعدہ میں وفات پائی۔ حضرت ابوطالب کی وفات کے تین دن بعد حضرت خدیجہ نے وفات پائی ان کی عمر ۶۵ سال تھی اور مقام جحون میں دفن کی گئیں۔

حضرت ابوطالب اور جناب خدیجہ کی وفات کے بعد قریش کو اب کس کا پاس تھا۔ اب وہ نہایت بے رحمی و بے باکی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ راہ میں جا رہے تھے کہ ایک شقی القلب نے آکر جسم اطہر پر خاک ڈال دی۔ اسی حالت میں آپ گھر میں تشریف لائے۔ آپ

کی صاحبزادی جناب سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا نے دیکھا تو پانی لے کر آئیں۔ آپؐ کا سر دھوتی تھیں اور جوشِ محبت سے روتی جاتی تھیں۔ " آپؐ نے فرمایا جانِ پدر آزردہ نہ ہو خدا تیرے باپ کو بچا لے گا "۔

طائف کا سفر ۱۰ نبوی۔

حضرت ابو طالب اور جناب خدیجہ کے بعد مکے میں آپؐ کا کوئی مددگار نہیں رہا تھا اس لئے اب قریش بھی نہایت بے رحمی و بے باکی سے آپؐ کو ستاتے تھے۔ پھر ان دونوں (حضرت ابو طالب و جناب خدیجہ) محبوب ہستیوں کے بچھڑنے کے بعد آپؐ کا مکہ میں دل بھی نہیں لگ رہا تھا۔ اس لئے آپؐ کو مکہ میں تین مہینے گذارنا بھی مشکل ہو گئے۔ چنانچہ آپؐ نے اہلِ مکہ کی سنگ دلی سے مجبور ہو کر طائف میں منتقل ہونے کا ارادہ کر لیا۔ کیونکہ آپؐ کو جو منصب ملا تھا اس میں تبلیغ کرنا ضروری تھا۔ آپؐ حزن و ملال اور ایسے اضطراب و انتشار کے عالم میں بھی ہر وقت اسی فکر میں رہتے تھے کہ تبلیغ کریں تو کیوں کر کریں۔ چنانچہ نبوت کے دسویں سال شوال کے مہینے میں آپؐ طائف تشریف لے گئے۔

طائف کا شہر مکہ سے تقریباً ۶۰ میل دور ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے سفرِ طائف کے حالات کو اس طرح بیان کیا ہے :-

" اہلِ مکہ سے قطعی ناامیدی تھی اس لئے آپ نے ارادہ فرمایا کہ طائف تشریف لے جائیں اور وہاں دعوتِ اسلام فرمائیں۔ طائف میں بڑے بڑے امراء اور صاحب اثر رہتے تھے۔ ان میں عمیر کا خاندان رئیس القبائل تھا۔ یہ تین بھائی تھے۔ عبدیالیل، مسعود اور حبیب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے پاس گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ ان تینوں نے جو جواب دیئے وہ نہایت عبرت انگیز ہیں۔ ایک نے کہا کہ اگر آپؐ کو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو کعبہ کا پردہ (عظمت) چاک کر رہا ہے۔ دوسرے نے کہا کیا خدا کو پیغمبری کے لئے آپؐ کے سوا اور کوئی نہیں ملتا تھا۔ تیسرے نے کہا میں بہر حال تجھ (آپؐ) سے بات نہیں کر سکتا۔ تو (آپؐ) اگر سچا ہے تو تجھ (آپؐ) سے گفتگو کرنا خلاف ادب ہے اور اگر تو (آپؐ) جھوٹا ہے تو (آپؐ) گفتگو کے قابل ہی نہیں۔

ان بدبختوں نے اسی پر اکتفا نہیں کی طائف کے بازاریوں کو ابھار دیا کہ آپ کی ہنسی اڑائیں۔ شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے یہ مجمع دو رویہ صف باندھ کر کھڑا ہوا۔ جب آپؐ ادھر سے نکلے تو آپؐ کے پاؤں پر پتھر مارنا شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ آپؐ کی جوتیاں خون میں بھر گئیں۔ جب آپؐ زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر کھڑا کر دیتے۔ جب آپؐ پھر چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے اور ساتھ ساتھ تالیاں بجاتے جاتے۔ آخر آپؐ نے ایک باغ میں انگور کی ٹٹیوں میں پناہ لی۔ یہ باغ عتبہ بن ربیعہ کا تھا۔ جو باوجود کفر کے شریف الطبع اور نیک نفس تھا۔ اس نے آپؐ کو اس حالت میں دیکھا تو اپنے غلام کے ہاتھ جس کا نام

عداس تھا۔ انگور کا خوشہ ایک کشتی میں لگا کر بھیجا۔ اس سفر میں زید بن حارثہ ساتھ تھے۔

(علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۱۸۳)

طائف کے لوگوں نے آپ پر بہت ظلم و ستم کئے۔ اور آپ کے وعظ تک کو سُننا پسند نہیں کیا چنانچہ آپ کو وہاں سے بھی واپس آنا پڑا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ دس دن قیام کیا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ ایک مہینے قیام کیا۔ بہر حال آپ اس سے زیادہ طائف میں نہیں رُکے۔

طائف کے لوگوں نے آپ کو شہر سے نکال دیا۔ آپ زخموں سے چُور تھے۔ اس لئے مجبوراً عتبہ بن ربیعہ کے باغ میں بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر دم لے کر مصروفِ نماز ہوئے اور رو رو کر خدا سے یہ دعا فرمائی۔ ہم ان دعائیہ فقرات کو ابن ہشام کے الفاظ میں حسب ذیل لکھتے ہوں۔

"اپنی کمزوری بے سرو سامانی اور لوگوں کے تحقیر کرنے کی نسبت میں تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اور درماندہ عاجزی کا مالک ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے مجھے اب کس کے سپرد کیا جاتا ہے؟ کیا بیگانہ ترش رُو کے؟ یا اس دشمن کے حوالے کیا جاتا ہے جو کام پر قابو رکھتا ہے؟ لیکن جب مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی پرواہ کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات سے پناہ مانگتا ہوں جس سے سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں۔ اور دین و دُنیا کے کام درست ہو جاتے ہیں کہ تیرا غضب مجھ پر اُترے یا تیری ناراضگی مجھ پر وارد ہو۔ مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری طرف سے ملتی ہے۔"

(ابن اثیر۔ ابن ہشام۔ طبری جلد اول صفحہ ۱۲۰)

اس دعائیہ کلمات کے سننے کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے کہ آپ کہیں تو یہ پہاڑ طائف والوں پر گرا دوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ مجھے توقع ہے کہ ان کی اولاد سے اہلِ ایمان اُٹھیں گے۔" (ابن ہشام۔ ابن اثیر۔ صحیح بخاری)

آپ مایوسی اور شکستہ دلی کے ساتھ مکہ کی طرف آئے لیکن مکے میں داخل ہونے کی ہمت نہیں پڑی کیونکہ یہاں بھی اب آپ کا کوئی ہمدرد و مونس نہیں تھا نہ جناب ابو طالب اور نہ جناب خدیجہ۔ اس لئے آپ نے غار حرا میں قیام کیا اور اپنے رفیقِ سفر حضرت زید بن حارثہ کو شہر بھیجا کہ وہ کسی کو اگر میرا حامی و مددگار پائیں تو پھر شہر میں آکر آباد ہو جائیں۔ حضرت زید بن حارثہ شہر میں گئے اور سب سے ملے لیکن کسی کو مددگار نہ پایا سوائے معطم بن عدی کے جو آپ کے حامیوں میں سے تھے۔ معطم بن عدی نے آپ کو پناہ دی۔ اور تمام شہر میں منادی کروا دی کہ محمد بن عبداللہ ہماری پناہ میں ہیں اس لئے کوئی آپ کو اذیت نہ دے۔ آپ کو یہاں پناہ تو

مل گئی لیکن تبلیغ کا موقع نہ ملا۔ صرف میلوں میں اور حج کے موقع پر آپؐ کو تبلیغ کا موقع ملتا تھا۔ آپؐ کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ دشمن آپؐ کے اس عمل سے سخت وار آپؐ پر کر سکتے ہیں۔ لیکن خدا کے حبیب ہر اذیت اور ظلم سے بے نیاز یادِ الٰہی سے لبریز خدا کے احکام پر گامزن رہے۔

رجب سنہ ۱۱ بعثت کا واقعہ ہے کہ ایک دن آپؐ عقبہ منا میں کھڑے تھے کہ مدینہ کے چھ خزرجی عمرہ بجالانے کے لئے آئے۔ آپؐ نے ان لوگوں کو دعوتِ اسلام دی۔ یہ لوگ آپؐ کا وعظ سن کر مسلمان ہو گئے۔ اور جب یہ لوگ یثرب واپس گئے تو اپنے بھائیوں سے اس دین کی تعریف کی۔ دوسرے سال سنہ ۱۲ نبوی میں یہ خزرجی دوسرے سات اور بعض روایات کے مطابق بارہ مدینہ والوں کو لے کر حج کے لئے آئے اور وہ بھی عقبہ پر مسلمان ہو گئے اور آپؐ کی حمایت کا وعدہ کیا۔ (اس کو بیعت عقبہ اُولیٰ کہتے ہیں۔) آپؐ نے جب یہ دیکھا تو ان لوگوں کو نماز پڑھانے کے لئے مصعب بن عمیر (جو ہاشم بن عبد مناف کے پوتے تھے) کو اور قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لئے ابن مکتوم کو ساتھ بھیج دیا۔ اس طرح مدینہ میں اسلام پھیلنے لگا۔ اگلے سال سنہ ۱۳ بعثت میں ۷۲ اشخاص حج کے زمانے میں مکہ معظمہ آئے۔ اور اپنے ساتھیوں سے چھپ کر بمقام منیٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور مسلمان ہو گئے (اس کو بیعت عقبہ ثانیہ کہتے ہیں) اور ساتھ میں مدینہ منورہ تشریف لے چلنے کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جن باتوں پر انصار سے بیعت لی یہ تھی۔ شرک، چوری، زنا، قتلِ اولاد اور افترا کے مرتکب نہ ہوں گے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان سے جو اچھی بات کہیں گے اس سے سرتابی نہ کریں گے۔

یثرب کی طرف ہجرت سنہ ۱ھ (مدنی زندگی کا آغاز)

جناب ابو طالب اور جناب خدیجہ کے بعد رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر مکہ معظمہ میں وہ مصیبتیں پڑیں کہ آپؐ کو مکہ معظمہ میں رہنا مشکل ہو گیا اور آپؐ طائف چلے گئے۔ لیکن ظلم وستم نے آپؐ کا ساتھ وہاں بھی نہیں چھوڑا۔ اور اہل طائف نے وہ مصیبتیں آپؐ پر ڈھائیں کہ آپ کا رہنا وہاں بھی دشوار ہو گیا۔ اور آپؐ بعض روایات کے مطابق دس دن اور بعض کے مطابق ایک مہینے سے زیادہ وہاں نہیں رہ سکے۔ اور اس کے بعد آپؐ کو مجبوراً مکہ واپس آنا پڑا۔ مطعم بن عدی نے آپ کو پناہ تو دے دی لیکن تبلیغ کرنا آپؐ پر دشوار ہو گیا۔ آپؐ چھپ کر صرف حج کے موقع پر یا میلہ کے موقع پر تبلیغ کیا کرتے تھے۔ لیکن اس بات کو بھی قریش قطعاً پسند نہیں کرتے تھے۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ

"قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ کی سخت مخالفت کی اور چاہا کہ آپؐ کو اس قدر ستائیں کہ

مجبور ہو کر تبلیغ اسلام سے دست بردار ہو جائیں۔ سو اتفاق سے جو کفار آپؐ کے ہمسایہ تھے وہ ابوجہل، ابولہب اسود بن عبد یغوث، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف، منبہ بن حجاج، نضر بن حارث، عقبہ بن ابی معیط، حکم بن ابی العاص تھے۔ اور یہی سب سے بڑھ کر آپؐ کے دشمن تھے۔

(ابن سعد طبقات جلد اول ص ۱۳۴)

"یہ لوگ آپؐ کی راہ میں کانٹے بچھاتے تھے۔ نماز پڑھتے وقت ہنسی اڑاتے۔ سجدے میں آپؐ کی گردن پر اوجھڑی لاکر ڈال دیتے۔ گلے میں چادر ڈال کر اس زور سے کھینچتے کہ گردن مبارک میں بدھیاں پڑ جاتیں۔ آپؐ کی روحانی قوت کا اثر دیکھ کر لوگ جادوگر کہتے۔ دعویٰ نبوت کو سن کر مجنوں کہتے۔ باہر نکلتے تو شریر لڑکے پیچھے پیچھے غول باندھ کر چلتے"۔ (مسند امام احمد حنبل جلد اول ص ۲۰۳)

"نماز جماعت میں قرآن مجید آواز سے پڑھتے تو قرآن، قرآن کے بھیجنے والے (خدا) اور قرآن کے لانے والے رسول کو گالیاں دیتے"۔ (صحیح بخاری ص ۶۸۶)

"ایک دفعہ آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ رؤسائے قریش بھی موجود تھے ابوجہل نے کہا کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اٹھا لاتا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سجدے میں جاتے تو ان کی گردن پر ڈال دیتا۔ عقبہ بن معیط نے کہا یہ خدمت میں انجام دیتا ہوں چنانچہ اوجھ لاکر آپؐ کی گردن میں ڈال دی۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ کسی نے جاکر جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کو خبر کر دی وہ اگرچہ اس وقت پانچ چھ برس کی تھی لیکن جوش محبت سے دوڑی آئیں اور اوجھ ہٹاکر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بددعائیں دیں"۔

(بخاری باب الطہارت مسلم و زرقانی جلد اول ص ۲۹۴)

غرضیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر طرح طرح کی مصیبتیں اہل قریش ڈھا رہے تھے۔ لیکن اللہ کے حبیب بڑے صبر و تحمل سے سب مصائب برداشت کر رہے تھے لیکن جب مدینہ میں اسلام کو پناہ حاصل ہوئی تو آپؐ نے صحابہ کو اجازت دے دی کہ وہ لوگ مدینہ ہجرت کر جائیں۔

مدینہ منورہ کا اصل نام یثرب تھا۔ بنی عمالقہ میں یثرب نامی رئیس القبیلہ نے اس شہر کو اپنے نام سے آباد کیا تھا۔ اس لئے اس کا نام اسی کے نام سے منسوب ہو گیا لیکن جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے وقت سے اس کا نام مدینۃ النبیؐ ہو گیا۔ اور فی الحال کثرت استعمال سے مدینہ ہو کر رہ گیا۔ مدینہ کا شہر مکہ سے تین سو میل شمال میں آتش فشانی مادہ سے بنی ہوئی ناہموار پتھریلی سطح پر واقع ہے۔ اور بلند پہاڑیاں اس کی پشت پناہ ہیں۔ مدینہ کی آبادی دو گروہوں پر مشتمل تھی ایک

یہودی اور دوسرے اوس اور خزرج کے قبیلے جو بعد میں انصار کہلائے۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اوپر تو ظلم وزیادتی برداشت کر رہے تھے لیکن مسلمانوں کی تکلیف کو برداشت کرنا آپ پر بڑا گراں تھا۔ چنانچہ آپ نے مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت دے دی۔ اور مسلمانوں نے چھپ چھپ کر ہجرت کرنا شروع کر دی۔ جب کفّار کو پتہ چلا تو وہ اور زیادہ جلنے لگے۔ اور آپؐ کو جان سے ختم کرنے کے منصوبے بنانے لگے۔ علامہ شبلی نعمانی جلد اول صفحہ ۲۶۹ میں لکھتے ہیں کہ:۔

"قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان مدینہ میں جاکر طاقت پکڑتے جاتے ہیں۔ اور وہاں اسلام پھیلتا جاتا ہے۔ اس بنا پر انہوں نے دار الندوہ میں جو دار الشوریٰ تھا اجلاس عام کیا ہر قبیلہ کے رؤسا یعنی عتبہ، ابوسفیان، جبیر بن مطعم، نضر بن حارث بن کلدہ، ابو البختری، ابن ہشام، زمعہ بن اسود بن مطلب، حکیم بن حزام، ابوجہل، نبیہہ و منبہ، امیہ بن خلف وغیرہ وغیرہ، سب شریک تھے۔ لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں ایک نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال کر مکان میں بند کر دیا جائے۔ دوسرے نے کہا کہ جلاوطن کر دینا کافی ہے۔ ابوجہل نے کہا ہر قبیلہ سے ایک شخص انتخاب ہو اور پورا مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں سے ان کا خاتمہ کر دے۔ اس صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا۔ اور آلِ ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔"

تاریخ طبری حصہ اول صفحہ ۱۳۸ میں ہے کہ "قریش نے رسول اللہ کے خلاف قومی مجلس میں جمع ہو کر مشورہ اور تصفیہ کرنے کا فیصلہ کیا اور اس میں یہ لوگ شریک ہوئے۔ بنی عبد شمس میں سے ربیعہ کے بیٹے شیبہ اور عتبہ تھے ابوسفیان بن حرب تھا۔ بنی نوفل بن عبد مناف میں طعیمہ بن عدی، جبیر بن مطعم اور حارث بن عامر بن نوفل تھے۔ بنی عبد الدار بن قصی میں سے النضر بن حارث بن کلدہ تھے۔ بنی اسد بن عبد العزیٰ میں سے ابو البختری بن ہشام زمعہ بن الاسود بن المطلب اور حکیم بن حزام تھے۔ بنی مخزوم میں سے ابوجہل بن ہشام، بنی سہم میں سے حجاج کے بیٹے نبیہ اور منبہ۔ بنی جمح میں سے امیہ بن خلف تھا۔ ان کے علاوہ اور بہت سے بے شمار قریش اور دوسرے لوگ جمع تھے۔ اب گفتگو شروع ہوئی۔ کسی نے کہا اس شخص کو قید کر دیا جائے۔ کسی نے کچھ کہا اور آخر میں ابوجہل کے کہنے کے مطابق یہ فیصلہ ہوا کہ آپؐ کو قتل کر دیا جائے۔"

شیخ طوسی نے بھی یہ روایت تحریر کی ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ پھر بنی ہاشم میں سے ابولہب کو اپنا موافق بنایا اس وقت خدا نے یہ آیت نازل کی اور ان کی تدبیر سے آپؐ کو مطلع فرمایا۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۝ (پ ۹ آیت ۳۰ سورہ الانفال)

ترجمہ: (اے رسولؐ یاد کرو اس وقت کو) جب کہ کافروں نے تمہارے متعلق یہ مشورہ کیا کہ تم کو قید کر دیں یا مار ڈالیں یا مکہ سے تم کو باہر نکال دیں۔ وہ یہ کہ مکر و فریب کرتے ہیں۔ اور خدا ان کو اس کا بدلہ دیتا ہے اور وہ مکاروں کو ان کے مکر کا بہترین بدلہ دینے والا ہے۔"

ان تمام روایتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب کفّار نے آپؐ کے قتل کرنے کی تجویز کو قبول کر لیا تو خداوند تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر وحی نازل کی اور حکم دیا کہ آپؐ فوراً ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ آپؐ نے حکم الہٰی کے مطابق اپنے بستر پر حضرت علیؑ کو لٹایا اور ان کو لوگوں کی امانتیں سپرد کیں اور ہدایت کی کہ یہ امانتیں واپس کرنے کے بعد خود مدینہ منورہ آ جائیں اور ہجرت کے لئے آپؐ تشریف لے چلے۔ ایک مٹھی خاک لی اور اس پر سورہ لیٰسین دم کی اور اپنے اوپر ڈال لی۔ اس خاک کے اثر سے آپؐ تمام لوگوں کے سامنے سے نکل گئے۔ لیکن کوئی آپؐ کو دیکھ نہ سکا۔ شیر خدا کو اس بات کا علم ہے کہ یہ بستر مرگ ہے۔ لیکن جان نثار کرنے کے لئے بستر پر لیٹ گئے۔

سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ ۲۷۰ میں ہے کہ رسول اللہؐ سے قریش کو اس درجہ عداوت تھی تاہم آپؐ کی دیانت پر اتنا اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا آپؐ ہی کے پاس لا کر رکھتا تھا۔ اس وقت بھی آپؐ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں۔ آپؐ کو قریش کے ارادہ کی پہلے سے خبر ہو چکی تھی اس بنا پر حضرت علیؑ کو بلا کر فرمایا کہ مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا۔ تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو۔ صبح کو سب کی امانتیں جا کر واپس دے آنا۔ یہ سخت خطرے کا موقع تھا۔ حضرت علیؑ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپؐ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہؐ کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتح خیبر کے لئے قتل گاہ فرش گل تھا۔"

غرضیکہ کفارِ مکہ نے آپؐ کے گھر کو گھیرے میں لے لیا۔ اور صبح کا انتظار کرنے لگے۔ اہل عرب میں یہ دستور تھا کہ گھروں میں نہیں گھستے تھے کیونکہ عورتیں گھروں میں ہوتی ہیں۔ لیکن اہل مکہ (کفارِ مکہ) جب انتظار دیکھ کر تھک گئے تو گھر میں گھس گئے۔ اور آپؐ کی چارپائی کے پاس آئے۔ حضرت علیؑ فوراً بستر سے اٹھ کر سامنے کھڑے ہو گئے۔ حضرت علیؑ کو دیکھ کر کفّار گھبرا گئے۔ اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کہاں ہیں۔ حضرت علیؑ نے گرج کر کہا کہ خدا بہتر جانتا ہے۔ وہ جہاں بھی ہوں گے خدا کی پناہ میں ہوں گے۔ سب لوگ یہ سنکر واپس ہو گئے۔ حیات القلوب میں ہے کہ حضرت علیؑ نے تلوار نکال لی لیکن کوئی مقابلہ نہ کر سکا۔"

تاریخ طبری میں ہے کہ صبح کو قریش کی آنکھیں کھلیں تو پلنگ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بجائے حضرت علیؑ تھے۔ ظالموں نے آپؑ کو پکڑ کر اور حرم میں لے جا کر تھوڑی دیر محبوس رکھا اور چھوڑ دیا۔"

شیرِ خدا اور فخرِ رسولؐ جب بسترِ رسولؐ پر تھے تو خداوند تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام کی جانب وحی کی کہ میں نے تم دونوں میں رشتۂ برادرانہ قائم کیا اور تم سے ہر ایک کی عمر کی بہ نسبت دوسرے کے زیادہ کی پس تم دونوں میں سے کون ہے جو اپنے صاحب کی زندگی کو اپنی حیات پر ترجیح دے۔ یہ خطاب الٰہی سنکر حضرت جبرائیل وحضرت میکائیل نے اپنی اپنی زندگی کو عزیز سمجھا اور ایثار بالحیواۃ کو گوارا نہ کیا تب خداوند تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ تم میں سے کوئی بھی علیؑ ابن ابی طالب کی طرح نہیں ہو سکتا۔ دیکھو میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور (حضرت) علی میں مواخات قائم کی اور (حضرت) علی اس وقت بسترِ نبیؐ پر اس غرض سے لیٹے ہیں کہ ایثار بالحیواۃ کر کے اپنی جان کو اپنے بھائی پر فدا کریں۔ اب تم جاؤ اور (حضرت) علی کی حفاظت کرو — حضرت جبرائیل علیہ السلام فرماتے تھے کہ مرحبا مرحبا کون ہے مثل تیرے اے ابوطالب کے بیٹے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ملائکہ پر خود فخر کرتا ہے۔"

ثعلبی اور احمد بن حنبل نے اور غزالی نے احیا میں اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین ومفسرین نے روایت کی ہے کہ اس رات حضرت امیر المومنین حضرت سید المرسلین کی جگہ پر سوئے تو خدا نے حضرت جبرائیل وحضرت میکائیل کو وحی کی کہ میں نے تم دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا۔ اور تمہاری عمریں ایک دوسرے سے زیادہ مقرر کیں۔ تم میں کون اپنے بھائی کو اپنی جان کے عوض میں اختیار کرتا ہے کہ اس کی عمر بڑھ جائے۔ دونوں میں سے کسی نے منظور نہیں کیا تو حق تعالیٰ نے ان پر وحی نازل کی کہ کیوں علی بن ابی طالب کے مانند نہیں ہوتے ہو کہ میں نے اس کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جگہ پر اپنی جان ان پر نثار کر کے سو رہا ہے۔ لہٰذا زمین پر جاؤ اور اس کی دشمنوں کے شر سے حفاظت کرو۔ یہ سنتے ہی وہ دونوں فرشتے آئے اور حضرت جبرائیل حضرت علی کے سرہانے اور حضرت میکائیل پائینتی بیٹھے اور بولے مبارک ہو مبارک ہو اے پسر ابوطالب آپ کو۔ آپ کا مثل کون ہو سکتا ہے کہ خدا آپ کے بارے میں فرشتوں پر مباہات کرتا ہے۔ پھر خدا نے یہ آیت نازل کی۔

مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ٥ (آیت ۲۰۷ پ۲ سورہ بقرہ)

(اور لوگوں میں (خدا کے کچھ بندے) ایسے بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں۔)۔

جب آپؐ گھر پر نہیں ملے تو کفار آپ کی تلاش میں مصروف ہو گئے اتنے میں حضرت ابوبکر آ گئے اور حضرت علی سے دریافت کیا کہ رسول اللہؐ کہاں ہیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ آپؐ مدینہ منورہ کی طرف تشریف لے گئے ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر بھی آپ کے پیچھے تشریف لے گئے اور حضرت رسولِ خدا سے مل گئے۔ اور غارِ ثور میں آپؐ کے ساتھ تین دن قیام کیا۔ حضرت ابوبکر کے ساتھ جانے کے متعلق بھی مختلف روایات ہیں۔ صحیح بخاری میں

ابن عباس سے جس کو امام احمد بن حنبل اور امام حاکم نے عمر ابن میمون سے بھی روایت کی ہے کہ "بعد تشریف لے جانے کے جناب رسول خدا کے مشرکین علیؑ پر پتھر برسا رہے تھے۔ اور یہ سمجھ رہے تھے کہ رسول اللہ لیٹے ہوئے ہیں اتنے میں حضرت ابو بکر آئے اور کہا یا رسول اللہ یہ سنکر حضرت علی نے کہا کہ رسول اللہ تو بیر میمون کی طرف گئے ہیں آپ بھی جا کر مل جائیں۔ حضرت ابو بکر ادھر روانہ ہوئے اور حضرت رسول خدا کے ساتھ داخل غار ہوئے"

(یہ روایت ترمذی اور نسائی میں بھی ہے اور تفسیر درمنشور امام سیوطی جلد دوم صفحہ ۲۴۰ پر بھی ہے)۔

ابن مردویہ اور ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں لکھا ہے کہ جب رسول خدا شب کو مکان سے نکلے اور قریب غار پہنچے تو آپ کے پیچھے حضرت ابو بکر بھی آئے۔ رسول خدا نے جب ان کی آہٹ سنی تو خوف ہوا کہ کوئی پکڑنے والا تو نہیں ہے۔ حضرت ابو بکر نے کھنکھارا تو آپ نے آواز کو پہچانا اور کھڑے ہو گئے۔ حتیٰ کہ دونوں ایک ساتھ ہو گئے اور پھر غار تک پہنچے"

تاریخ طبری جلد اول صفحہ ۱۲۹ میں ہے کہ حضرت ابو بکر حضرت علی کے پاس آئے اور رسول خدا کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت علیؑ نے بتایا کہ غار ثور کی طرف گئے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو وہاں چلے جائیں۔ حضرت ابو بکر تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے رسول اللہ کے پیچھے چلے اور اثنائے راہ میں آپ کے ساتھ آملے۔ رسول اللہ نے رات کی تاریکی میں حضرت ابو بکر کی چاپ سنی آپ نے سمجھا کہ کوئی مشرک آرہا ہے اس خیال سے آپ قدم بڑھا کر بڑی تیزی سے چلنے لگے۔ جس سے آپ کے جوتے کا اگلا حصہ پھٹ گیا اور ایک پتھر کی ٹھوکر سے پاؤں کا انگوٹھا زخمی ہوا جس سے بہت زیادہ خون بہنے لگا۔ اور اب آپ نے رفتار میں اور تیزی کر دی۔ حضرت ابو بکر کے دل میں خیال آیا کہ اس طرح میرے تعاقب سے آپ کو تکلیف ہو گی۔ انھوں نے بلند آواز سے آپ سے کلام کیا۔ رسول اللہ نے ان کو پہچان لیا اور کھڑے ہو گئے۔ جب وہ آپ کے پاس آگئے تو پھر دونوں چلے۔ رسول اللہ کا تمام پاؤں خون سے بھر گیا تھا اس طرح صبح ہوتے ہوتے آپ غار ثور پہنچے اور اس کے اندر چلے گئے"

علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۲۷۲ میں لکھتے ہیں کہ کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں نکلے اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے دہانے تک آ گئے۔ آہٹ پاکر حضرت ابو بکر غمزدہ ہوئے اور آنحضرت سے عرض کی کہ اب دشمن اس قدر قریب آ گئے کہ اگر اپنے قدم پر ان کی نظر پڑ جائے تو ہم کو دیکھ لیں گے۔ آپ نے فرمایا :-

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (توبہ)

"گھبراؤ نہیں۔ خدا ہمارے ساتھ ہے"

مشہور ہے کہ جب کفار غار ثور کے قریب آ گئے تو خدا نے حکم دیا دفعۃً ببول کا درخت اُگا اور اس

کی ٹہنیوں نے پھیل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو چھپا لیا۔ ساتھ ہی دو کبوتر آئے اور گھونسلا بنا کر انڈے دے دیئے اور غار کے منہ پر مکڑی نے جالا بنا دیا جسے دیکھ کر کفار نے سمجھا کہ یہاں کوئی نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر اپنے ساتھ دو اونٹنیاں لیکر آئے تھے۔ اس لئے آپ نے اس کو آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیں اور کہا کہ جو آپؐ کو پسند ہو اُسے لے لیجئے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نو سو درہم پر ایک اونٹنی خرید لی۔ چوتھے روز جب پیچھا کرنے والوں کا جوش کم ہو گیا تو آپؐ نے یثرب کی طرف رُخ کیا۔ چوتھے روز عبداللہ بن اریقط اور عامر بن فہیرہ بھی آپؐ کے پاس حاضر ہو گئے۔ یہ چاروں افراد معمولی راستہ چھوڑ کر بحیرہ قلزم کے کنارے کنارے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے ادھر کفار نے آپؐ کے سر کے عوض انعام مقرر کر دیا تھا چنانچہ ہر شخص آپ کی تلاش میں لگا ہوا تھا۔ ایک شخص سراقہ بن مالک بھی آپؐ کی تلاش میں نکلا ہوا تھا۔ اتفاق سے وہ آپؐ تک پہنچ گیا۔ حضرت ابوبکر نے جب سراقہ کو دیکھا تو پریشان ہو گئے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مطمئن رہے۔ اور کہا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے آپؐ کو جب سراقہ نے دیکھا تو اس پر وہ ہیبت طاری ہوئی کہ واپس چلا گیا۔ اور کہہ دیا کہ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا کچھ پتہ نہیں۔

کلینی نے بسند حسن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب آپؐ غار سے مدینہ کی جانب متوجہ ہوئے قریش نے اعلان کیا کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ڈھونڈ کر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ یہ سنکر سراقہ بن مالک بن جعشم آپؐ کی تلاش میں روانہ ہوا۔ جب وہ حضرت رسولِ خداؐ کے قریب پہنچا آپؐ نے دُعا کی کہ خداوند تعالیٰ مجھے سراقہ کے شر سے جس طرح تو چاہے محفوظ رکھ۔ تو سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ یہ دیکھتے ہی وہ گھوڑے سے کود پڑا۔ اور دوڑ کر حضورؐ کے پاس آیا اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) میں نے سمجھ لیا یہ بلا آپؐ کی طرف سے آئی ہے۔ دعا فرمائیے کہ خدا میرے گھوڑے کو نجات دے۔ میں اپنی جان کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر آپؐ کو مجھ سے کوئی بھلائی نہ ہوئی تو کوئی بُرائی بھی نہ ہوگی۔ یہ سُنکر حضرت رسولِ خداؐ نے دعا کی تو خدا نے اس کے گھوڑے کو نجات دی"۔

(اس روایت کو ابن خلدون، ابوالفدا اور ابن اثیر نے بھی نقل کیا ہے۔)

قبا میں حضرت رسولؐ خدا کی آمد

مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر جو بالائی آبادی ہے اس کو عالیہ اور قبا کہتے ہیں یہاں

انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے۔ ان میں سب سے زیادہ ممتاز عمرو بن عوف کا خاندان تھا اور کلثوم بن الہدم خاندان کے افسر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں پہنچے تو تمام خاندان نے جوشِ مسرت میں اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ یہ فخر ان کی قسمت میں تھا کہ میزبان دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان ہی کی مہمانی قبول کی۔ انصار ہر طرف سے جوق در جوق آتے اور جوشِ عقیدت کے ساتھ سلام عرض کرتے۔

(صحیح بخاری ص۵۶۰ طبقات ابن سعد سیرۃ نبوی ص۱۵۸)

پیر کا دن تھا۔ ۱۲ ربیع الاول تھی۔ زوال کے قریب آپؐ قبا میں پہنچے۔ یہ یثرب (مدینہ) سے دو میل دور ایک آبادی ہے۔ بہت شاداب و زرخیز خطہ ہے۔ اور یہاں کی آب و ہوا بہت خوش گوار و صحت بخش ہے۔ یہاں ایک مقام پر آپؐ کا اونٹ خود بخود بیٹھ گیا۔ اور آگے نہ چلا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کلثوم بن الہدم کا اور دوسرے کہتے ہیں کہ سعد بن خیثمہ کا مکان تھا۔ حضرت وہیں فروکش ہو گئے۔ قبا میں آپؐ نے چار دن قیام کیا۔ (ابن خلدون۔ تاریخ خمیس)

یہاں پر آپ نے چار دن قیام کیا اور یہیں پر سب سے پہلے آپ نے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جسے مسجد قبا کہتے ہیں۔ جناب امیرؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روانہ ہونے کے تین دن بعد مکہ سے چلے اور یہیں پر آپؐ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت علی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور ارکان خاندان کو ساتھ لے کر آئے تھے۔ اور پھر (حضرت علی) مسجد بنوانے میں آپ کے برابر کے شریک ہوئے۔ تمام مورخین اور ارباب سیر لکھتے ہیں کہ آپؐ نے یہاں صرف چار دن قیام کیا۔ لیکن صحیح بخاری میں ہے کہ چودہ دن قیام فرمایا۔

یثرب میں داخلہ۔

جب مدینہ منورہ کے مسلمانوں کو آپؐ کی آمد کا علم ہوا تو جوق در جوق استقبال کے لئے آنے لگے۔ آپؐ کا جلوس ۱۶ ربیع الاول بروز جمعہ کو مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ بریدہ بن الحصیب علم لئے ہوئے آگے آگے تھے۔ ان کے ساتھ ستر سواروں کا رسالہ تھا۔ جب آپؐ محلہ بنی سالم میں پہنچے تو نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ اس لئے یہیں پر نماز پڑھائی۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی با جماعت نمازِ جمعہ تھی۔ جہاں پر اب مسجد نبویؐ ہے۔ یہیں پر حضرت ایوب انصاری کا گھر تھا۔ جس میں آپ سات مہینے تک مقیم رہے۔ اس عرصے میں مسجد نبوی اور آس پاس کے حجرے تیار ہوئے۔ مدینہ منورہ میں آنے کے بعد جو کام سب سے پہلے آپؐ نے کیا وہ مسجد نبوی کی تعمیر کا کام ہے۔ مسجد کے ساتھ ان لوگوں کے لئے گھر بھی بنائے گئے جو گھر نہیں رکھتے تھے اور جب یہ حجرے تیار ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مکان میں منتقل ہو گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ

یہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی۔ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بمعاوضہ خرید لیا تھا۔ بعض اصحاب کے دروازے مسجد نبوی میں کھلتے تھے۔ لیکن بعد میں بحکم الٰہی ان کو بند کر دیا گیا۔ سوائے حضرت علیؑ کے (ان کا دروازہ کھلا ہوا تھا)۔

نسائی نے خصائص میں زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ "بعض اصحاب رسولؐ کے دروازے مسجد نبویؐ کی جانب تھے۔ رسولِ مقبولؐ نے علی ابن ابی طالب کے سوا اور سب اصحاب کو حکم دیا کہ اپنے اپنے دروازوں کو بند کر دیں۔ اس پر اصحاب نے کچھ کلام کیا تو آپؐ نے کھڑے ہو کر بعد حمد و ثنا الٰہی فرمایا کہ میں نے حکم ایزدی کے مطابق تم لوگوں کے دروازے بند کرائے۔ اور علیؑ کا دروازہ کھلا رکھا۔ تم نے اس بارے میں فضول چون چرا کی۔ میں نے نہ کوئی دروازہ بند کیا اور نہ کھولا بلکہ خدا نے جو حکم دیا اس کی تعمیل کی۔"

(شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جذب القلوب میں اور علامہ مجلسی نے حیات القلوب جلد دوم میں تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہیں۔)

مسلمانوں کی ہجرت کے بعد تعلیم کی بھی ضرورت تھی۔ کیونکہ وہ تعلیم سے ناآشنا تھے اس لئے آپؐ نے قرآن مجید پڑھانے کے لئے اور دینی تعلیم دینے کے لئے مسجدِ نبویؐ کے ایک کونے میں سائبان تیار کروایا جس کو صفہ سائبان کہتے ہیں۔ اس میں بہت سے نادار لوگوں کو بھی آباد کر دیا تھا۔ اور جب کہیں سے صدقے کا کھانا آتا تو آپؐ ان لوگوں کو بھیج دیتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیسائیوں وغیرہ سے بھی صلح کر لی تھی۔ اب مسلمان آزادانہ زندگی گزار رہے تھے اور اسلام کو اسی وجہ سے مدینہ منوّرہ میں بہت فروغ ہوا۔ اور یہ دین خوب پھلا پھولا اور پروان چڑھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے بعد ہی نماز پنجگانہ کی سترہ رکعتیں مقرر ہوئیں اور نماز کی خاص علامت جس سے باجماعت نماز ادا ہو سکے اذان کا قیام ہوا۔

آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؐ کے ساتھ بہت سے مسلمان بھی آئے تھے وہ بہت اداس رہتے تھے۔ اور اپنے آپ کو غیر محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے جب یہ محسوس کیا تو ان میں یہ فرق ختم کرنے کے لئے رشتۂ اخوت کو قائم کیا۔

علامہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النبیؐ جلد اوّل صفحہ ۲۸۴، صفحہ ۲۸۵ پر ابن ہشام صفحہ ۱۷۸ سے اخوت کے رشتہ کی فہرست پیش کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ مواخاۃ کے رشتے سے جو لوگ آپس میں بھائی بھائی بنے اُن میں سے بعض حضرات کے نام یہ ہیں :—

مہاجرین	انصار
حضرت ابوبکر	حضرت خارجہ بن زید انصاری
حضرت عمر	حضرت عتبان بن مالک انصاری
حضرت عثمان	حضرت اوس بن ثابت انصاری
حضرت ابو عبیدہ جراح	حضرت سعد بن معاذ انصاری
حضرت زبیر بن العلوم	حضرت سلامۃ بن وقش
حضرت مصعب بن عمیر	حضرت ابوایوب انصاری
حضرت عمار بن یاسر	حضرت حذیفہ بن یمان
حضرت ابوذر غفاری	حضرت منذر بن عمرو
حضرت سلمان فارسی	حضرت ابو درداء
حضرت بلال	حضرت ابو رویحہ
حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ	حضرت عباد بن بشر
حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل	حضرت ابی بن کعب

مورخ نے اختصار سے کام لیتے ہوئے مواخات کے رشتہ میں حضرت علیؑ اور حضرت رسولِ خداؐ کے بھائی بھائی ہونے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اب ہم ابن ہشام کی اصل عبارت تحریر کرتے ہیں۔

"جناب رسالتمآبؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت صحابہ میں مہاجرین و انصار کے درمیان عقد مواخاۃ کی تنظیم کا ارادہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے خدا کا حکم آیا ہے اور اگر نعوذ باللہ جوئیں کبھی تم سے ایسی بات کہوں جو مجھ سے نہ کہی گئی ہو کر میں تم لوگوں کے درمیان صیغۂ اخوت جاری کروں اور تم لوگوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دوں۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت علی ابن طالب کا ہاتھ تھاما اور فرمایا یہ میرا بھائی ہے۔ رسول اللہ صلعم سید المرسلین امام المتقین اور رسول رب العالمین تھے اور بندوں میں کوئی شخص سوائے علی ابن ابی طالب کے رسول اللہؐ کا نظیر و مثل فی القدر و منزلت نہیں ہو سکتا تھا۔ اس بناپر یہ دونوں بزرگوار بھائی بھائی بنے۔ اور حضرت حمزہ جو اسد اللہ اور اسد رسولؐ کے لقب سے مخصوص تھے اور جناب رسولِ خداؐ کے چچا تھے۔ زید بن حارثہ کے ساتھ جو آپ کے غلام تھے بھائی بنے۔ چنانچہ جنگِ احد میں زخمی ہو کر قریب وفات حضرت حمزہ ہی کو وصیت فرمائی تھی اور جناب جعفر ابن ابی طالب جن کا لقب ذوالجناحین

(دو بازو والے) اور طیار فی الجنت (بہشت میں اڑنے والے) تھا۔ اور معاذ بن جبل انصار کے جو بنی سلمہ کے تھے۔ بھائی بنائے گئے۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ حضرت جعفر طیار ابن ابی طالب اس وقت ملک حبشہ میں مقیم تھے۔ آگے کے نام وہی ہیں جو علامہ شبلی نعمانی نے تحریر کئے ہیں۔

قسطلانی کتاب ارشاد الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مہاجرین میں رشتہ برادرانہ قائم کیا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو بھائی بھائی قرار دیا۔ اور حضرت حمزہ اور زید بن حارثہ اور حضرت عثمان اور حضرت عبد الرحمن بن عوف کو اور زبیر بن العلوم اور ابن مسعود کو اور عبیدہ بن الحارث اور بلال کو اور مصعب بن عمیر اور سعد بن ابی وقاص کو اور ابو عبیدہ اور سالم مولی ابن حذیفہ کو اور سعید بن زید اور طلحہ بن عبید اللہ کو اور اپنی اخوت کا شرف حضرت ؐ نے حضرت علی ؑ ابن ابو طالب کو عطا فرمایا"

ابو الفدا لکھتے ہیں کہ "پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مابین مہاجرین و انصار (دو دو آدمیوں میں) رشتہ برادرانہ قائم فرمایا۔ چنانچہ حضرت علی ؑ کو اپنا بھائی ہونے کا شرف عطا فرمایا۔ اور حضرت ابو بکر اور خارجہ بن زید انصاری کو باہم بھائی قرار دیا۔ اور اسی طرح ابو عبیدہ بن الجراح اور سعد بن معاذ انصاری کو۔ اور حضرت عمر بن الخطاب اور عتبان بن مالک انصاری کو اور عبد الرحمن بن عوف اور سعد بن ربیع انصاری کو۔ حضرت عثمان بن عفان اور اوس بن ثابت انصاری کو اور طلحہ بن عبید اللہ اور کعب انصاری کو آپس میں بھائی قرار دیا"۔

علامہ سمہودی کتاب خلاصہ الوفا میں لکھتے ہیں کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین و انصار میں رشتہ برادرانہ قائم کیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ دو دو آدمی (یعنی) ایک مہاجر اور ایک انصار آپس میں دینی بھائی بن جاؤ۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی ابن ابی طالب کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ یہ میرا بھائی ہے"۔

مواخات کا رشتہ ایک ایسا رشتہ ثابت ہوا کہ دنیا نے دیکھ لیا کہ ان دینی بھائیوں نے اپنے بھائی سے زیادہ عزیز کسی شئے کو نہیں رکھا۔ اور دولت تو ایک طرف اگر کسی کی دو بیویاں تھیں تو ایک بیوی تک ان کو دینے کی خواہش کی۔ مدینہ میں آکر اسلام کو صرف پناہ ہی حاصل نہیں ہوئی بلکہ اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی اور اسلامی معاشرہ کا قیام عمل میں آیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ کے انتقال کے ایک ماہ بعد سودہ بنت زمعہ سے نکاح کر لیا اور اسی سال جناب عائشہ بنت حضرت ابو بکر آپ کی زوجیت میں داخل ہوئیں۔

تحویل قبلہ ۲ھ

اس سال اسلام کی زندگی میں دو عظیم الشان واقعات ہوئے ایک تحویل قبلہ اور دوسرا دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں

...اد کرنا۔

طبقات ابن سعد کے موافق ۱۵ شعبان ۲ھ کو تحویلِ قبلہ ہوا۔ یعنی ہجرت کے اٹھارہ مہینے کے بعد"
ابن ہشام و تاریخ طبری میں ہے کہ "قبلہ کی تحویل شعبان کے مہینے میں منگل کے دن مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے اٹھارہ مہینے کے بعد واقع ہوئی"۔

علامہ شبلی نعمانی کے مطابق "۱۶ مہینے کے بعد شعبان ۲ھ میں تحویل قبلہ ہوا" کلینی نے بسند حسن روایت کی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا جناب رسولؐ خدا بیت المقدس کی جانب رُخ کرکے نماز پڑھتے تھے۔ فرمایا ہاں۔ پوچھا کیا کعبہ کی طرف پیٹھ کرتے تھے۔ فرمایا جب تک مکہ میں تھے پشت بھی نہ کرتے تھے۔ لیکن جب مدینہ تشریف لائے تو کعبہ کی جانب حکم دیا"۔

ابن بابویہ نے روایت کی ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے مکہ میں مبعوث برسالت ہونے کے تیرہ سال تک اور انیس مہینے تک مدینہ میں بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھی تو یہودیوں نے کہا کہ تم ہمارے تابع ہو اور حضرتؐ رنجیدہ ہوئے اور رات کے وقت باہر نکل کر آسمان کی جانب نظر کی۔ یعنی وحی کے انتظار میں تھے۔ صبح ہوئی اور آپؐ نے نماز ادا کی۔ اور وحی کا انتظار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ظہر کا وقت آیا اور آپؐ نے دو رکعت نماز ادا کی تھی کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور یہ آیت لائے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا (پ۲ آیت ۱۴۴ سورۂ البقرہ)

ترجمہ:۔ "بیشک ہم تمہارا آسمان کی طرف بار بار نظر کرنا دیکھتے تھے لہٰذا ہم تم کو اس قبلہ کی طرف پھیرے دیتے ہیں جس کو تم پسند کرتے ہو"

اور حضرت جبرائیلؑ نے نماز ہی میں آپؐ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو قبلہ کی طرف پھیر دیا۔ وہ لوگ جو آپؐ کے پیچھے تھے سب نے کعبہ کی جانب رُخ کرلیا۔ مرد عورتوں کی جگہ اور عورتیں مردوں کی جگہ پر ہو گئے۔ تو پہلی دو رکعت بیت المقدس کی طرف ہوئی اور آخری دو رکعت کعبہ کی طرف ادا کی گئی۔ یہ خبر مدینہ کی دوسری مسجدوں میں بھی پہنچی تو وہاں کے لوگوں نے بھی جو دو رکعت ادا کر چکے تھے اثنائے نماز ہی میں کعبہ کی جانب رُخ کرلیا۔ اس سبب سے وہ مسجد دو قبلہ والی مسجد مشہور ہو گئی۔ (علامہ مجلسی حیات القلوب جلد دوم ص ۵۲۹ تا ۵۳۰)

آغازِ جہاد ۲ھ۔

مدینہ منورہ آنے کے بعد خدا کی طرف سے پیغمبرِ اسلام کو حکم جہاد ہوا اس حکم جہاد کا مقصد یہ نہیں تھا کہ بزورِ شمشیر اسلام پھیلایا جائے بلکہ اس کا مقصد اپنی حفاظت کرنا اور امن قائم کرنا تھا۔

حضرت رسولِ خدا رحمۃ للعالمین بن کر دنیا میں آئے تھے۔ اسی لئے جو دین یعنی اسلام لیکر آئے تھے وہ "مسلم" اور "امن" سے مشتق ہے اور یہ بات گواہی دیتی ہے کہ آپؐ اور آپؐ کا دین صرف سلامتی اور امن پھیلانے کے لئے ہے۔ یہ مار دھاڑ یا جبر سے پھیلانے کا نام نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان باتوں کے باوجود اپنی حفاظت کرنا بھی ضروری ہے۔ اسی لئے خدا نے حکم جہاد دیا۔

پھر یہ بات بھی مسلّم ہے کہ مشرکینِ مکہ کو صرف آپؐ سے دشمنی نہیں تھی کیونکہ اگر ان کو فقط آپؐ سے دشمنی ہوتی تو وہ آپؐ کی ہجرت کے بعد سکون کا سانس لیتے لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ ان کی دشمنی تو دن بدن بڑھ رہی تھی اس لئے کہ اسلام ترقی کر رہا تھا اور اصل دشمنی و عداوت تو آپؐ کے مشن سے تھی جسے آپؐ پھیلا رہے تھے۔ اسی لئے انھوں نے آپؐ کے ہجرت کے منصوبے کو ختم کرنا چاہا تھا اور یہ سوچا تھا کہ جب آپؐ نہیں ہوں گے تو پھر آپؐ کا مشن کہاں ہوگا۔ لیکن خدا کو کچھ اور منظور تھا۔ اور خداوند تعالیٰ نے اپنے حبیب کی حفاظت کی اور اس طرح حفاظت کی کہ آپؐ صحیح و سلامت مدینہ منورہ تشریف لے آئے یہ کفار کی بہت بڑی شکست تھی جس کو وہ بھول نہیں سکتے تھے۔ اور پھر اب آپؐ آزادی سے دین کی تبلیغ کر رہے تھے۔ اور وہاں کے (مدینہ کے) لوگ بھی آپؐ کے مددگار تھے اسی لئے کفار مکہ کو اہلِ مدینہ سے بھی دشمنی بڑھ گئی تھی۔ پھر ساتھ میں کفارِ مکہ کو یہ بھی خوف تھا کہ کہیں مسلمان زیادہ قوی نہ ہو جائیں۔ اور طاقتور ہونے کے بعد مکہ پر حملہ نہ کر دیں۔ چنانچہ اس خیال کے پیشِ نظر انھوں (کفار مکہ) نے مدینہ کے ان لوگوں سے سازباز کر لی جو بظاہر تو مسلمان تھے لیکن حقیقت میں وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ان منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی سلول تھا۔

جب ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے مدینہ کی حفاظت کے لئے اور امن و امان قائم رکھنے کے لئے انتظامات شروع کر دیئے۔ چنانچہ آپؐ نے مختلف لوگوں کو مختلف کاموں پر مامور کر دیا۔ مثلاً قریشِ مکہ کی خبر رکھی جائے کہ وہ کیا منصوبہ بنا رہے ہیں یا اطرافِ مدینہ کی کون کون قومیں ان کا ساتھ دے رہی ہیں۔ پھر اس بات کا لوگوں سے معاہدہ کرنے کے لئے کہ وہ قریش کی مدد نہ کریں اور اگر عہد شکنی کریں تو ان کا مقابلہ کریں۔ مسلمانوں کی مدد کے لئے جو مکہ میں تھے اور آنا چاہتے تھے۔ غرض یہ کہ آپؐ نے ہر محاذ پر اپنے آدمی مقرر کر دیئے تھے تاکہ وہ صورتِ حال سے نمٹتے رہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جہاد دو قسم کی تھیں۔ ایک وہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود شریک ہوتے تھے۔ اور دوسری وہ جس میں آپؐ شریک نہیں ہوتے تھے بلکہ کسی کو اپنا قائم مقام مقرر کر دیتے تھے۔ پہلی قسم جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شریک ہوتے تھے غزوہ کہلاتی تھیں۔ اور دوسری قسم جس میں آپؐ شریک نہیں ہوتے تھے سریہ کہلاتی تھیں۔ علامہ طبری لکھتے ہیں کہ غزوات کی تعداد چھبیس ۲۶ ہے اور سریہ کی تعداد چھتیس ہے۔

شیخ طبرسی نے مجمع البیان میں روایت کی ہے کہ جن غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس موجود تھے وہ چھبیس[۲۶] ہیں۔ سب سے پہلا غزوۂ ابوا[۱] تھا پھر غزوۂ بواط[۲]۔ غزوہ عشیرہ[۳]۔ غزوہ بدر اولی[۴]۔ غزوہ بدر کبری[۵]۔ غزوہ بنی سلیم[۶]۔ غزوہ سویق[۷]۔ غزوہ ذی امر[۸]۔ غزوہ احد[۹]۔ غزوہ بحران[۱۰]۔ غزوۂ اسد[۱۱]۔ غزوہ بنی نضیر[۱۲]۔ غزوہ ذات الرقاع[۱۳]۔ غزوہ بدر اخیر[۱۴]۔ غزوہ دومۃ الجندل[۱۵]۔ غزوہ خندق[۱۶]۔ غزوہ بنی قریظہ[۱۷]۔ غزوہ بنی لحیان[۱۸]۔ غزوہ بنی قرد[۱۹]۔ غزوہ بنی مصطلق[۲۰]۔ غزوہ حدیبیہ[۲۱]۔ غزوہ خیبر[۲۲]۔ فتح مکہ[۲۳]۔ غزوہ حنین[۲۴]۔ غزوہ طائف[۲۵]۔ غزوہ تبوک[۲۶]۔

(علامہ مجلسی حیات القلوب جلد دوم ص ۵۲۹)

خاص خاص سریات یہ ہیں :۔

سریہ رابغ[۱]۔ سریہ سیف البحر[۲]۔ سریہ خرار[۳]۔ سریہ بطن نخلہ[۴]۔ سریہ ابوسلمہ[۵]۔ سریہ عبداللہ بن انیس[۶]۔ سریہ فدک[۷]۔ سریہ وادی القری[۸]۔ سریہ عرنیہ[۹]۔ سریہ موتہ[۱۰]۔ سریہ ذات السلاسل[۱۱]۔ سریہ بنو خثیم[۱۲]۔ سریہ وادی الرمل[۱۳]۔ سریہ جناب امیر[۱۴]۔

یہاں پر ان تمام غزوات کی تفصیلات کی ضرورت نہیں۔ اس لئے چند اہم اور بڑی غزوات جو ہیں ان کو بیان کرنا ضروری سمجھتی ہوں۔

غزوۂ بدر۔ ۱۷ رمضان المبارک جمعہ ۲ھ۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۔

(پ ۳ آیت ۱۲۳ سورہ آل عمران)

"اے مسلمانو! خدا نے واقعہ بدر میں ایسے موقع پر تمہاری نصرت و حمایت کی ہے جب تم بالکل کمزور اور ضعیف ہو رہے تھے۔"

مدینہ منورہ سے تقریباً ۸۰ میل پر ایک کنواں تھا جس کا نام بدر تھا۔ یہ کنواں قبیلۂ غفار کے بدر نامی ایک شخص کی ملکیت تھا۔ چنانچہ یہ جنگ اس کنوئیں کے قریب ہوئی تھی اس لئے اس غزوہ کا نام غزوہ بدر رہوا۔ یہ جنگ ہجرت کے انیس مہینے کے بعد بعض مؤرخ کے بیان کے مطابق ۱۷ رمضان المبارک اور بعض کے نزدیک ۱۹ رمضان المبارک کو ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک مکہ معظمہ میں تشریف فرما رہے۔ اس وقت تک اہل مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دیتے رہے اور انتہا یہاں تک پہنچی کہ آپؐ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا لیا لیکن پروردگار عالم نے آپؐ کی حفاظت فرمائی اور آپ کو ہجرت کا حکم دے دیا۔

آپؐ ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لے آئے لیکن اس کے باوجود بھی اہلِ مکہ کی دشمنی اور انتقامی آگ ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ مدینہ منورہ میں تو آپؐ کی عزت وعظمت اور اسلام کی شان دیکھ کر اور بھی زیادہ دشمن ہو گئے۔ کیونکہ اہلِ مکہ کو آپؐ کی ذات سے نہیں بلکہ آپؐ کے مشن سے دشمنی تھی۔ اسی لیے ان لوگوں نے آپ کو ختم کرنے کے لیے انعام تک مقرر کر دیئے تھے۔ اور اب بھی آپؐ کو ختم کرنے کی اور اسلام کو نقصان پہنچانے کی جدوجہد کرنے لگے تھے۔ اس مقصد کے لیے کفار نے مختلف حربے اور طریقے استعمال کئے۔ مدینہ منورہ کے آس پاس کے قبیلوں کو اپنا ہمنوا بنایا۔ اور ان قبیلوں کو بھی برابر بھڑکاتے رہتے تھے۔ اور ساتھ ہی ساتھ چھوٹے چھوٹے گروہ بھی مدینہ منورہ کے اردگرد گشت کرتے رہتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود جنگِ بدر سے پہلے کسی بڑی لڑائی کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ان حالات کے پیشِ نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی حفاظت کے لئے مسلمانوں کے دستے مقرر کر دیئے تاکہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ وہ کوئی شرارت کرنے والے تو نہیں ہیں۔

مورخین نے جنگ بدر کے خاص طور پر دو اسباب بیان کئے ہیں۔ ایک عمرو بن الحضرمی کا قتل۔ دوسرے ابوجہل کی غلط افواہ کہ ابوسفیان کا سامانِ تجارت مسلمان لوٹ لیں گے۔

عمرو بن الحضرمی کا قتل۔

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رجب ۲ھ میں حضرت عبداللہ بن جحش کو بارہ[۱۲] آدمیوں کے ساتھ بطنِ نخلہ کی طرف بھیجا۔ یہ مقام مکہ اور طائف کے بیچ میں مکہ معظمہ سے ایک شبانہ روز کی مسافت پر ہے۔ آپؐ نے حضرت عبداللہ کو ایک خط دے کر فرمایا تھا کہ دو دن کے بعد اس کو کھولنا۔ حضرت عبداللہ نے خط کھولا تو لکھا تھا کہ مقام نخلہ میں قیام کرو، اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ اور اطلاع دو۔ اتفاق یہ کہ قریش کے چند آدمی جو شام سے تجارت کا مال لے کر آتے تھے سامنے سے نکلے حضرت عبداللہ نے ان پر حملہ کر دیا ان میں سے ایک عمرو بن الحضرمی مارا گیا۔ دو گرفتار ہوئے اور مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ حضرت عبداللہ نے مدینہ آکر یہ واقعہ بیان کیا۔ اور مالِ غنیمت کی چیزیں پیش کیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا میں نے تم کو یہ اجازت نہیں دی تھی غنیمت کے قبول کرنے سے بھی انکار کر دیا۔

(علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ ۳۱۲-۳۱۳)

جو لوگ گرفتار ہوئے اور قتل ہوئے وہ بڑے معزز خاندان سے تھے۔ عمرو بن الحضرمی جو مقتول ہوا عبداللہ حضرمی کا بیٹا تھا جو حرب بن امیہ (امیر معاویہ کا دادا) کا حلیف تھا۔ حرب قریش کا رئیس اعظم تھا۔ جو لوگ گرفتار ہوئے یعنی عثمان و نوفل دونوں مغیرہ کے پوتے تھے۔ مغیرہ ولید کا باپ حضرت خالد کا دادا اور

حرب کے بعد دوسرے درجہ کا رئیس تھا۔ اس بنا پر اس واقعہ نے تمام قریش کو مشتعل کر دیا۔ اور انتقام خون کی بنیاد قائم ہو گئی۔ معرکۂ بدر کا واقعہ اسی سے وابستہ ہے۔ (علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ جلد اول ص ۳۱۳-۲۱۴)

علامہ طبری لکھتے ہیں کہ "جس چیز نے بدر کے واقعہ کو ابھارا اور وہ تمام لڑائیاں چھیڑ دیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مشرکین قریش میں پیش آئیں سب کا سبب یہی تھا کہ واقدی نے حضرمی کو قتل کر دیا تھا۔"

جہاں تک معرکۂ بدر کا تعلق ہے۔ اس کے ذمہ دار دراصل دو شخص تھے اور انہیں پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ایک ابو سفیان اور دوسرا ابو جہل۔

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ "حملے کے لئے سب سے بڑی ضروری چیز مصارف جنگ کا بندوبست تھا۔ اس لئے اب کے موسم میں قریش کا جو کاروانِ تجارت شام کو روانہ ہوا اس سرو سامان سے روانہ ہوا کہ مکہ کی تمام آبادی نے جس کے پاس جو رقم تھی کل کی کل دے دی۔ نہ صرف مرد بلکہ عورتیں، جو کاروبارِ تجارت میں بہت کم حصہ لیتی ہیں ان کا بھی ایک ایک فرد اس میں شریک تھا۔" ابھی قافلہ شام سے روانہ بھی نہیں ہوا تھا کہ حضرمی کے قتل کا اتفاقیہ واقعہ پیش آ گیا جس نے قریش کی آتشِ غضب کو اور بھڑکا دیا۔" (علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ جلد اول ص ۳۱۵-۳۱۶)۔

غرضیکہ ابو سفیان ایک بہت بڑا قافلہ لے کر روانہ ہوا اس نے اہل مکہ کو پیغمبر اسلام سے جنگ پر آمادہ کرنے کے لئے ابو جہل کو یہ اطلاع بھیج دی کہ ہمارا قافلہ خطرے میں ہے اور مدینے والے اس کا تمام سامان لوٹنا چاہتے ہیں ابو جہل کو اس پیغام کا ملنا تھا کہ اس نے فوراً مکہ میں اس خطرے کا اعلان کر دیا۔ اعلان کا ہونا تھا کہ اہل مکہ جو پہلے ہی سے دشمن تھے اور اس تاک میں تھے کہ کس طرح حملہ کریں۔ جنگ کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ ادھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی اطلاع ملی کہ مکہ والے مسلمانوں پر حملہ کرنے آ رہے ہیں اور شام سے ابو سفیان بن حرب اپنا تجارتی قافلہ لے کر بھی آ رہا ہے تو آپؐ نے اپنے دفاع کے لئے تیاری کا حکم دے دیا۔

غرض ۱۲ رمضان المبارک ۲ھ کو آپؐ تقریباً ۳۱۳ یا ۳۱۴ جاں نثاروں کے ساتھ شہر سے نکلے اس میں ستر مہاجر اور دو سو چوالیس انصار تھے۔ علامہ شبلی نعمانی نے جو تعداد بتائی ہے اس کے مطابق ساٹھ مہاجر تھے اور باقی انصار تھے۔ تاریخ طبری کے مطابق ستہتر مہاجرین اور دو سو چھتیس انصار تھے۔ سترہ رمضان المبارک کو بدر کے قریب پہنچے۔ خبر رساں نے خبر دی کہ قریش وادی کے دوسرے سرے تک پہنچ گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہیں پر رک گئے۔ اور فوجیں اتر پڑیں۔ لشکر اسلام میں سامانِ جنگ یہ تھا ساٹھ اونٹ اور دو گھوڑے اور بعض روایت کے مطابق تین گھوڑے تھے۔

اس کے برعکس مکہ معظمہ سے قریش بڑے سرو سامان کے ساتھ نکلے تھے۔ فوج میں بڑے بڑے نامور سردار اور بہادر سپاہی شامل تھے۔ ہزار آدمیوں کی جمعیت تھی۔ سو سواروں کا رسالہ تھا اور رؤسائے قریش سب شریک تھے۔

ابولہب مجبوری کی وجہ سے نہ آسکا تھا۔ اس لئے اپنی طرف سے قائم مقام بھیج دیا تھا۔ رسد کا یہ انتظام تھا کہ امرائے قریش یعنی حضرت عباس بن مطلب۔ عتبہ بن ربیعہ۔ حارث بن عامر۔ نضر بن الحارث۔ ابوجہل۔ امیہ وغیرہ وغیرہ۔ باری باری ہر روز دس دس اونٹ ذبح کرتے تھے۔ اور لوگوں کو کھلاتے تھے۔ عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے معزز رئیس تھا فوج کا سپہ سالار تھا۔

تاریخ الخمیس میں ہے کہ سات سو اونٹ بھی ساتھ تھے۔ اِدھر ابوسفیان کا قافلہ شام سے روانہ ہوا تو راستے میں اس نے کھجوروں کی گٹھلیاں پڑی دیکھیں۔ ابوسفیان نے گٹھلیوں کو پہچان لیا۔ اور ساتھیوں سے کہا کہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور ان کے ساتھی یہیں آس پاس ہیں۔ کیونکہ یہ مدینہ کی کھجور کی گٹھلیاں ہیں۔ (مدینہ منورہ کی کھجور کی گٹھلی چھوٹی ہوتی ہیں) اس نے فوراً راستہ کاٹ لیا اور ساحلِ قلزم کے کنارے کنارے آگے نکل گیا۔ اور ابوجہل سے کہلوادیا کہ قافلہ اور مال بچ گیا ہے اس لئے اب لڑائی نہیں کی جائے۔ قبیلہ زہرہ اور عدی کے لوگوں نے کہا کہ اب لڑنا بیکار ہے۔ اس لئے اب واپس چلو لیکن ابوجہل ضد پر اڑا رہا۔ لیکن قبیلہ زہرہ اور عدی کے لوگ واپس چلے گئے۔

علامہ طبری لکھتے ہیں کہ ابوسفیان نے جب دیکھا کہ وہ قافلہ کو بچا لے گیا تو اس نے لشکر قریش کو پیغام بھیجا کہ خدا نے تمہارے اموال اور افراد کو نجات دی۔ تم ان کو بچانے کے لئے آئے تھے واپس چلے جاؤ۔ ابوجہل نے کہا خدا کی قسم ہم واپس نہیں جائیں گے۔ ہم تو بدر تک پہنچیں گے۔ (تاریخ طبری ص ۱۳۷)

جب مسلمانوں کو اس کی خبر ملی تو گھبرا گئے کہ اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کس طرح کریں گے لیکن اللہ کے رسولؐ نے ان کو تسلی دی اور بدر کے کنویں کے قریب ایک اچھا سا میدان دیکھ کر مسلمانوں کو ٹھہرنے کا حکم دے دیا۔ کنویں کے قریب جو حوض تھی اس کو پانی سے بھر لیا تاکہ پانی پی پی کر جنگ کر سکیں۔ کفار جو پہلے سے ہی وہاں پہنچ چکے تھے انہوں نے مناسب جگہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے برعکس مسلمانوں کی طرف ریتلی زمین تھی۔ جس میں اونٹوں کے پاؤں بھی دھنس رہے تھے۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کا ساتھ دیا اور بارش کر دی۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے اس احسان کو قرآن مجید کے ذریعے بھی مسلمانوں کو یاد دلایا ہے کہ۔

ترجمہ :- "اور جب کہ خدا نے آسمان سے پانی برسایا کہ تم کو پاک کرے۔"

(پ ۹ آیت ۲ سورہ الانفال)

رات کو بارش کا ہونا تھا کہ مسلمانوں کی طرف کی زمین سخت ہو گئی لیکن کفار کے مورچے کی زمین جو چکنی تھی کیچڑ میں ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دھوپ سے بچانے کے لئے حضرت سعد بن معاذ نے ایک عریشہ (سائبان) درخت کی شاخوں سے بنا دیا تھا۔ آپؐ اس میں تشریف فرما تھے۔ اور سر بسجود ہو کر خداوند تعالیٰ سے دعائیں مانگ رہے تھے

"خدایا اگر آج یہ چند آدمی مٹ گئے تو پھر قیامت تک تیرا کوئی نام نہیں لے گا۔"

یکایک آپؐ پر وحی نازل ہوئی کہ (اے رسولؐ کفار کی) فوج کو شکست دی جائے گی اور وہ پشت پھیر دیں گے۔" (پ۲۷ آیت ۴۵ سورہ القمر سورہ ۵۴)

آپ نے سجدے سے سر اٹھا کر مسلمانوں کو فتح کی بشارت دی۔ جناب رسولِ خدا نے اصول جنگ کے مطابق فوجیں مرتب کیں اور ان کو آدابِ جنگ بتلائے۔ کل مہاجرین و انصار کی موجودہ جمعیت کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا۔ مہاجرین کا دستہ انصار سے علیحدہ قائم کیا۔ اور مصعب ابن عمیر کو اور بروایت تاریخ کامل ابن اثیر اور مناقب ابن احمد حضرت علی مرتضےٰ کو علمبردار مقرر کیا۔ اور انصار میں قبیلہ اوس کے علمبردار سعد بن معاذ اور خزرج کے علمبردار حضرت ابن منذر کو مقرر کیا۔ تاریخ طبری کے مطابق رسول اللہ کے علمبردار علی ابن ابی طالب تھے۔ اور انصار کا علم سعد بن عبادہ کے پاس تھا۔

عام جنگ شروع ہونے سے پہلے عرب کے دستور کے مطابق مبارز طلبی ہوئی اور کفار مکہ کی طرف سے سالار فوج عتبہ، ولید اور شیبہ باہر نکلے۔ (یہ ابوسفیان کے خسر اور سالے تھے) ان کے مقابلے کے لئے انصار کے تین نامور آدمی سامنے آئے۔ یعنی حضرت عوف۔ حضرت معاذ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ لیکن عتبہ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یہ ہماری کسر شان ہے کہ ہم ان سے لڑیں۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان لوگوں کو واپس بلا لیا۔ اور مہاجرین میں سے حضرت عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت علی ابن ابی طالب کو بھیجا۔ حضرت عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب کو شیبہ کے مقابلے کے لئے۔ حضرت حمزہ کو عتبہ کے مقابلے کے لئے اور حضرت علی کو ولید کے مقابلے کے لئے آنحضرتؐ نے بھیج دیا۔ جنگ شروع ہوئی اور حضرت حمزہ اور حضرت علی نے اپنے اپنے حریف کو واصل جہنم کر دیا۔ لیکن عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہ کو زخمی کر دیا۔ چنانچہ حضرت علی نے بڑھ کر شیبہ کو واصلِ جہنم کر دیا۔ اور حضرت عبیدہ کو کندھے پر اٹھا کر رسولؐ اللہ کی خدمت میں لائے۔ حضرت عبیدہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا کیا میں دولتِ شہادت سے محروم ہو گیا؟" آپؐ نے فرمایا نہیں۔ تم نے شہادت پائی۔ چنانچہ حضرت عبیدہ نے کہا اگر آج ابوطالب زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ ان کے اس شعر کا مستحق میں ہوں۔"

ونسلمه حتی نصرع حوله

ونذهل عن ابنائنا والحلائل

(ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت دشمنوں کے حوالے کریں گے جب ان کے گرد لڑ کر مر جائیں گے۔ اور اپنے بیٹوں اور بیٹیوں سے بھلا نہ دیئے جائیں)۔ (علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی جلد اول ص ۳۲۳)

(جناب ابو طالب کے اس شعر سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آپ رسول اللہ پر کس حد تک ایمان رکھتے تھے اور جو لوگ ان کو کافر کہتے ہیں ان کے لئے یہ شعر کھلی دلیل ہے)۔

حضرت عبیدہ زخموں کی تاب نہ لاسکے اور بعد میں منزل صفرا یا روحا میں وفات پائی۔

اس مقابلے کے بعد گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ مسلمانوں کو اپنی کمی کا احساس تھا اس لئے بلندی پر کھڑے ہوئے اور دشمن پر تیروں سے حملے کرتے رہے۔ اِدھر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عریشہ میں مصروف دعا تھے۔ حضرت ابو بکر آپؐ کے پاس تشریف فرما تھے۔ دوسرے تمام جاں نثار محو جنگ تھے۔ مکفار تھے کہ بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ کے عریشہ کو گھیرے میں لے لیا۔ آپؐ نے جو یہ دیکھا تو فوراً ایک مٹھی خاک لی اور اس پر دعا دم کر کے دشمن پر پھینک دی۔ اور صحابہ کو حکم دیا کہ بھرپور حملہ کر دو۔ مسلمانوں کو حکم ملنا تھا کہ جان توڑ حملہ کر دیا ابوجہل مارا گیا اور اس کا سر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ صرف ایک حملہ میں تمام نامور کافر واصل جہنم ہو گئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں نے جس جوانمردی اور بہادری کا ثبوت دیا تاریخ اس کو فراموش نہیں کر سکتی۔

"اس وقت ان کے انبوہ کثیر میں چاروں طرف قتل و گریز کا عام منظر پیش تھا۔ مشرکین قریش کے بڑے بڑے بزدآزما شجاع اور آزمودہ کار مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارے جاتے تھے یا قید کئے جاتے تھے یا مقابل کی آنکھ بچا کر بھاگ جاتے تھے۔ مبارزانِ اسلام نے اس آخری حملے میں تقریباً ستر کفار کو قتل کیا اور ان میں سے قریب قریب نصف کی تعداد کو اکیلے حضرت علی مرتضٰے نے تہ تیغ کیا"۔ (اسوۃ الرسولؐ جلد دوم ص۔۔)

حضرت علی کے کفار کو قتل کرنے کی یہ تعداد دوسرے مورخین نے بھی لکھی ہے۔ مثلاً سیرۃ النبوۃ میں۔ علامہ کمال الدین طلحہ الشافعی نے اپنی کتاب مطالب السئول میں۔ اور علامہ محمد یوسف الگنجی نے کفایۃ الطالب میں بھی بتلائی ہے۔

غرضیکہ اس جنگ میں کفارِ قریش کے ستر آدمی مارے گئے جب کہ مسلمانوں کے صرف چودہ ۱۴ آدمی شہید ہوئے۔ بہت سے کفار قید بھی ہوئے۔ ان قیدیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچا عباس بن عبد المطلب اور بھائی عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث بھی تھے۔ حضرت عباس کے ہاتھ اتنے سخت بندھے تھے کہ وہ تکلیف سے کراہ رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کی آواز جو سنی تو بے چین ہو گئے۔ ایک صحابی نے جب یہ دیکھا تو حضرت عباس کے ہاتھ ڈھیلے کر دیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا تو کہا کہ تمام قیدیوں کے ساتھ یہی سلوک کیا جائے۔

ہمارے رسولِ خدا نے قیدیوں کے ساتھ بھی بہت اچھا سلوک کیا حالانکہ اب رسول اللہ کے لئے وہ

وقت تھا کہ وہ مظالم کا بدلہ لے لیتے۔ لیکن معراجِ انسانیت کے مالک نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کیا۔ اور زرِ فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیا۔ جو لوگ اس قابل نہیں تھے کہ فدیہ دے سکتے تھے تو ان سے فدیہ کے عوض دس لڑکوں کو فن کتابت اور تعلیم دینے کا معاوضہ لیا۔

جنگ بدر میں مسلمانوں کا جوش و خروش بڑے عروج پر تھا۔ ہر شخص خدا کی راہ میں گامزن تھا اس کو یہ ہوش نہیں تھا کہ وہ کس کو قتل کر رہا ہے اور یہاں تک تھا کہ اس جنگ میں بیٹا باپ کو اور باپ بیٹے کو قتل کر رہا تھا۔ پھر اگر کسی ضعیفہ کا بیٹا مر جاتا تو وہ یہ کہتی تھی کہ اگر آپؐ کہہ دیں کہ وہ جنت میں پہنچ گیا تو مجھے اس کے مرنے کا غم نہیں۔ یہ تھا جذبۂ محبت۔ اسی لئے مسلمانوں کو عظیم فتح نصیب ہوئی اور آج بھی تاریخ میں سنہرے الفاظ میں موجود ہے۔ انگریز مصنف بھی اس پر بہترین لفظوں میں تبصرہ کرتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں خداوند تعالیٰ نے خود اپنے حبیبؐ کی مدد کرنے کے لئے ملائکہ کا لشکر بھیج دیا تھا جس کی شہادت قرآن پاک میں بھی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ۔

ترجمہ :۔ "جب تم اپنے خدا سے فریاد کر رہے تھے اس نے تمہاری سن لی (اور کہا) میں تمہاری مدد لگاتار ہزار فرشتوں سے کروں گا۔"

(پ ۹ آیت ۹ سورہ الانفال ۸)

سورہ آل عمران میں بھی اس کا ذکر ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ۔

ترجمہ :۔ "یقیناً خدا نے بدر کے دن تمہاری مدد کی جب تم کمزور تھے تو خدا سے ڈرو تاکہ شکر گذار بن جاؤ۔"

(پ ۳-۴ آیت ۳ سورہ آل عمران سورہ ۳)

اسی طرح جنگ کے بعد بہت سی شہادتیں اس بات کی ملیں کہ اللہ نے اپنے رسولِ خدا کی مدد فرشتوں کے ذریعہ فرمائی۔ جنگ کے اختتام پر جب بہت سے لوگ قید ہو کر آئے تو ان میں حضرت عباس بن عبدالمطلب بھی تھے۔ جنہوں نے کہا کہ مجھے جس شخص نے گرفتار کیا تھا وہ اب نظر نہیں آ رہا ہے کیونکہ وہ ایک نہایت خوبصورت شخص تھا اور ایک ابلق گھوڑے پر سوار تھا۔ جس پر انصار میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں نے ان کو گرفتار کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تم نے گرفتار کیا ہے لیکن خدا نے تمہاری مدد فرشتہ کے ذریعے سے کروائی۔ اس طرح کا بیان بہت سے لوگوں نے جنگ کے بعد دیا۔

جناب ابن عباس کی روایت ہے کہ مجھے قبیلہ بنی غفار کے ایک شخص نے جو بعد میں مسلمان ہوا تھا یہ واقعہ بیان کیا کہ جس روز بدر کی لڑائی ہو رہی تھی میں اور میرا چچا زاد بھائی ایک پہاڑ پر کھڑے اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ جب مسلمانوں کو شکست ہو گی تو ہم مال غنیمت لوٹ کر لے جائیں گے۔ ہم نے یکایک گھوڑوں کی ٹاپوں

کی آواز سُنی اور کسی کی صدا بھی جو گھوڑوں کو للکار رہا تھا۔ اس آواز سے ہم پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ میرا بھائی تو اسی وقت ختم ہو گیا اور میں قریب المرگ ہو کر بچ ہو گیا۔ (تاریخ طبری حصہ اول)

ابو امامہ بن سہیل بن حنیف اپنے باپ سہل سے مروی ہے کہ "بدر میں ہماری یہ حالت تھی کہ ہم میں سے اگر کسی نے تلوار سے مشرک کی طرف اشارہ کر دیا تو اسی وقت قبل اس کے کہ تلوار اس تک پہنچنے پائے اس کا سر تن سے جُدا ہو کر الگ گر پڑتا تھا"

عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ بدر کے دن ملائکہ کی شان یہ تھی کہ انھوں نے سفید عمامے باندھ رکھے تھے۔ جن کے شملے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ اور جنگِ حنین میں انھوں نے سُرخ عمامے باندھ رکھے تھے۔ مگر بدر کے سوا اور کہیں ملائکہ نے خود لڑائی میں حصہ نہیں لیا۔ دوسرے موقع پر وہ صرف مدد اور کمک کے طور پر موجود رہے مگر انہوں نے تلوار نہیں چلائی۔ (تاریخ طبری حصہ اول ص ۱۸۶-۱۸۷)

غرضیکہ بعد میں بہت سی شہادتیں ایسی ملیں جو اس بات کا ثبوت تھیں کہ مسلمانوں کی مدد کوئی اور بھی کر رہا تھا۔ اور وہ فرشتے تھے۔ خدا نے مسلمانوں کی مدد کی۔ اور وہ صرف اس لئے کہ ان کی نیت صاف تھی اور خلوص تھا۔ پھر جذبۂ ایثار کار فرما تھا۔ جنگِ بدر مسلمانوں کی طاقت کا رعب بٹھانے اور دبدبہ پیدا کرنے کے لئے بہت اہم ثابت ہوئی۔ اہلِ کفار پر اس جنگ کا بہت اثر بیٹھ گیا۔ بدر کی خبر جب مکہ پہنچی تو گھر گھر ماتم برپا ہو گیا لیکن غیرت کی وجہ سے قریش نے منادی کرا دی کہ کوئی شخص رونے نہ پائے۔ لیکن انتقام کی آگ بھڑکنے لگی۔

جنگ بدر میں جو مالِ غنیمت مسلمانوں کو ملا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے پانچ حصے کروائے ایک اللہ اور اس کے رسول کا اور باقی حصے جو بچے ان کو فوج میں برابر تقسیم کر دیا۔ سب کو یکساں حصے ملے۔ چاہے اس نے کچھ بھی کام کیا ہو۔ اس مساوات اور یکسانیت کو مسلمانوں کے علاوہ غیر مذاہب کے لوگوں نے بھی بہت سراہا ہے۔ اسی لئے مسٹر سیل اپنے ترجمہ قرآن مجید میں لکھتے ہیں کہ یہ تقسیم بالکل درست تھی۔ کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام نے عمالقہ سے ملی ہوئی غنیمت کو اسی طرح تقسیم کیا تھا۔ دراصل یہی چیز مسلمانوں کو دوسرے مذاہب میں امتیاز بخشتی ہے اور یہی عمل مساواتِ محمدیؐ کہلاتا ہے۔ غزوہ بدر کا ذکر قرآن پاک میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اور قرآن پاک ہی وہ کتاب ہے جس سے اس واقعہ کی صحیح تصدیق ہو جاتی ہے جس کا ذکر تاریخ میں بھی کیا گیا ہے۔

ترجمہ :- سچے ایماندار تو بس وہی لوگ ہیں کہ جب (ان کے سامنے) خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو

ان کے دل دہل جاتے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو اور بھی
زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ بس اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ۲ نماز کو پابندی سے ادا کرتے
ہیں۔ اور جو ہم نے انھیں دیا ہے اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں ۳ یہی لوگ تو سچے ایماندار ہیں۔
انہی کے لئے ان کے پروردگار کے ہاں (بڑے بڑے) درجے ہیں اور بخشش اور عزت و آبرو کے ساتھ
روزی ہے۔ (یہ مال غنیمت کا جھگڑا ویسا ہی ہے) ۴ جس طرح تمہارے پروردگار نے تمہیں بالکل ٹھیک
(مصلحت سے) تمہارے گھر سے (جنگ بدر میں) نکالا تھا اور مومنین کا ایک گروہ (اس سے) ناخوش تھا ۵
کہ وہ لوگ حق کے ظاہر ہونے کے بعد بھی تم سے (خواہ مخواہ) سچی بات میں جھگڑتے تھے اور اس طرح (کرنے لگے)
گویا وہ (زبردستی) موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہیں ۶ اور اسے (اپنی آنکھوں سے) دیکھ رہے
ہیں اور (یہ وہ وقت تھا) جب خدا تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ (کفار مکہ کی) دو جماعتوں میں سے ایک تمہارے
لئے ضروری ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ کمزور جماعت تمہارے ہاتھ لگے (تاکہ بغیر لڑے بھڑے مال غنیمت
ہاتھ آئے) اور خدا یہ چاہتا تھا کہ اپنی باتوں سے حق کو ثابت (قائم) کرے اور کافروں کی جڑ کاٹ ڈالے ۷
تاکہ حق کو (حق) ثابت کر دے اور باطل کو ملیامیٹ کر دے اگرچہ گنہگار (کفار) اس سے ناخوش ہی کیوں
نہ ہوں ۸ (یہ وہ وقت تھا) جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری سن لی
اور جواب دیا کہ میں تمہاری لگاتار ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا ۹ اور (یہ امداد غیبی) خدا نے صرف
تمہارے خوشی کی خاطر کے لئے کی تھی تاکہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اور (یاد رکھو کہ) مدد خدا کے
سوا کسی اور کے ہاں سے (کبھی) نہیں ہوتی بے شک خدا غالب اور حکمت والا ہے ۱۰ ع یہ وہ وقت تھا
جب اپنی طرف سے اطمینان دینے کے لئے تم پر نیند کو غالب کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا
رہا تھا تاکہ اس سے تمہیں پاک و پاکیزہ کر دے اور تم سے شیطان کی گندگی دفع کر دے اور تمہارے دل
مضبوط کر دے اور پانی سے (پاؤں (ریت) جم جائے) اور تمہارے قدم (اچھی طرح) جمائے رہے ۱۱
(اے رسولؐ یہ وہ وقت تھا) جب تمہارا پروردگار فرشتوں سے فرما رہا تھا کہ میں یقیناً تمہارے ساتھ
ہوں تم ایمان داروں کو ثابت قدم رکھو۔ میں بہت جلد کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دوں گا
(پس پھر کیا ہے اب) تو ان کفار کی گردنوں پر مارو اور ان کی پور پور کو چٹیل کر دو ۱۲ ع یہ (سزا) اسلئے
ہے کہ ان لوگوں نے خدا اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کی۔ اور جو شخص (بھی) خدا اور اس کے رسولؐ کی
مخالفت کرے گا تو (یاد رہے کہ) خدا بڑا سخت عذاب کرنے والا ہے ۱۳ (کافرو دنیا میں تو) لو پھر اس
(سزا) کا مزا چکھو اور (پھر آخرت میں تو) کافروں کے واسطے جہنم ہے ۱۴ اے ایمان دارو! جب

تمہارا کفار سے میدانِ جنگ میں مقابلہ ہو تو (خبردار) ان کی طرف پیٹھ نہ پھیرنا اور (یاد رہے کہ) اس شخص کے
سوا جو لڑائی کے واسطے کترائے یا کسی جماعت کے پاس (جاکر) موقع پائے (اور) جو شخص بھی اس دن ان کفار
کی طرف اپنی پیٹھ پھیرے گا وہ یقینی (ہر پھر کے) خدا کے غضب میں آگیا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور وہ
(کیا) برا ٹھکانا ہے۔ (۱۶) اور (مسلمانو) ان کفار کو کچھ تم نے تو قتل کیا نہیں بلکہ ان کو تو خدا نے
قتل کیا اور (اے رسولؐ) جب تم نے تیر مارا تو کچھ تم نے نہیں مارا بلکہ خود خدا نے تیر مارا اور تاکہ اپنی طرف سے
مومنین پر خوب احسان کرے۔ بے شک خدا (سب کی) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے (۱۷) یہ تو یہ اور
خدا تو کافروں کی مکاری کو کمزور کر دینے والا ہے (کافرو) اگر تم یہ چاہتے تھے (۱۸) کہ (جو حق پر ہو اس کی)
فتح ہو تو (مسلمانوں کی) فتح بھی تمہارے سامنے آموجود ہوئی (اب کیا عذر باقی ہے) اور اگر تم
(اب بھی مخالفتِ اسلام سے) باز رہو تو تمہارے واسطے بہتر ہے اور اگر تم کہیں پلٹ پڑے تو
(یاد رہے) ہم بھی پلٹ پڑیں گے (اور تمہیں تباہ کر چھوڑیں گے) اور تمہاری جماعت اگرچہ بہت
زیادہ بھی ہو ہرگز کچھ کام نہ آئے گی اور خدا تو یقینی مومنین کے ساتھ ہے (۱۹) اور جان لو جو
نفع تم کسی چیز سے حاصل کرو تو اس میں کا پانچواں حصہ خدا اور رسولؐ اور (رسولؐ کے) قرابت داروں
اور یتیموں اور مسکینوں اور پردیس داروں کا ہے اور اگر تم خدا پر اور اس (غیبی امداد) پر ایمان لا چکے
ہو جو ہم نے اپنے (خاص) بندے (محمدؐ) پر فیصلہ کے دن (جنگِ بدر میں) نازل کی تھی جس دن (مسلمانوں
اور کافروں کی) دو جماعتیں باہم گتھ گئی تھیں اور خدا تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (۴۱) (یہ وہ وقت تھا) جب تم
میدانِ جنگ میں مدینہ کے) قریب کے ناکہ پر تھے اور وہ کفار بعید کے ناکہ پر اور (قافلہ کے) سوار تم سے نشیب
میں تھے اور اگر تم ایک دوسرے سے (وقت کی تقرری کا) وعدہ کر لیتے اور وقت پر گڑبڑ کر دیتے مگر
(خدا نے تم لوگوں کو اچانک اکٹھا کر دیا) تاکہ جو بات شدنی تھی وہ پوری کر دکھائے تاکہ جو شخص ہلاک
(گمراہ) ہو وہ (حق کی) حجت تمام ہونے کے بعد زندہ رہے اور خدا یقینی سننے والا خبردار ہے (۴۲)
(یہ وہ وقت تھا) جب خدا نے تمہیں خواب میں کفار کو کم کر دکھلایا تھا اور اگر ان کو تمہیں زیادہ کر کے
دکھلاتا تو تم یقیناً ہمت ہار دیتے اور لڑائی کے بارے میں آپس میں جھگڑنے لگتے مگر خدا نے اس
(بدنامی) سے بچایا۔ اس میں تو شک ہی نہیں کہ وہ دلی خیالات سے واقف ہے (۴۳) (یہ وہ وقت تھا) جب
تم لوگوں نے مٹھ بھیڑ کی تو خدا نے تمہاری آنکھوں میں کفار کو بہت کم کر کے دکھلایا۔ اور ان کی آنکھوں میں
تم کو تھوڑا کر دیا۔ تاکہ خدا کو جو کچھ کرنا منظور تھا وہ پورا ہو جائے اور کل باتوں کا دار و مدار تو خدا ہی
پر ہے (۴۴) اے ایمان دارو (جب تم کسی فوج سے مٹھ بھیڑ کرو تو خبردار اپنے قدم جمائے رہو اور خدا

کو بہت یاد کرتے رہو۔ تاکہ فلاح پاؤ ۴۵ اور خدا کی اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اور آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ اور (نہ) تم ہمت ہار دو گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور جنگ کی تکلیفوں کو جھیل جاؤ۔ (کیونکہ) خدا تو یقیناً صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔ ۴۶ اور ان لوگوں کے لئے ایسے نہ ہو جاؤ جو اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھلانے کے واسطے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ اور لوگوں کو خدا کی راہ سے روکتے ہیں۔ اور جو کچھ بھی وہ کرتے ہیں خدا اس پر (ہر طرح سے) احاطہ کئے ہوئے ہے ۴۷ کوئی نبی جب تک روئے زمین پر (کافروں کا) خون نہ بہائے اس کے یہاں قیدیوں کا رہنا مناسب نہیں۔ تم لوگ تو دنیا کے ساز و سامان کے خواہاں ہو اور خدا (تمہارے لئے) آخرت (کی بھلائی) کا خواہاں ہے اور خدا زبردست حکمت والا ہے ۶۷ اور اگر خدا کی طرف سے پہلے ہی (اس کی معافی کا) حکم نہ آ چکا ہوتا تو تم نے جو (بدر کے قیدیوں کو چھوڑ دینے کا بدلہ) فدیہ لیا تھا اس کی سزا میں تم پر بڑا عذاب نازل ہو کر رہتا ۶۸ (تو خیر جو ہوا سو ہوا) اب تم نے جو مال غنیمت حاصل کیا اسے کھاؤ (وہ تمہارے لئے) حلال طیب ہے اور خدا سے ڈرتے رہو بے شک خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے ۶۹ اے رسولؐ جو قیدی تمہارے قبضہ میں ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر خدا تمہارے دلوں میں نیکی دیکھے گا تو جو (مال) تم سے چھین لیا گیا ہے اس سے کہیں بہتر تمہیں عطا کرے گا۔ اور تمہیں بخش بھی دے گا اور خدا تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے ۷۰ اور اگر یہ لوگ تم سے فریب کرنا چاہتے ہیں تو خدا سے پہلے ہی فریب کر چکے ہیں تو (اس کی سزا میں) خدا نے ان پر تمہیں قابو دے دیا اور خدا تو بڑا واقف کار حکمت والا ہے ۷۱ — (پ ۹ — ۱۰ واعلموا — سورہ الانفال)

غزوہ اُحد۔ شوال ۳ھ

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

(پ۴ آیت ۱۳۹ سورہ آلِ عمران سورہ نمبر ۳)

"نہ افسردہ خاطر ہو نہ ملول ہو۔ تم اونچے ہو کر رہو گے اگر تم لوگ ایمان والے ہو"

جنگِ اُحد کا سب سے بڑا سبب مشرکین کا جذبۂ انتقام تھا۔ کیونکہ عرب انتقام لینے کے عادی تھے۔ اگر ان کا ایک فرد بھی مارا جاتا تھا تو وہ برسوں کے بعد بھی انتقام لینے سے باز نہیں آتے تھے نا کہ جنگِ بدر میں ان کے ستر (۷۰) آدمی مارے گئے تھے اور وہ بھی اپنے اپنے قبیلے کے اہم فرد اور قریش کے رئیس اور معزز حضرات اور نامور سردار۔ جنگِ بدر کے بعد مکہ میں صفِ ماتم بچھ گئی تھی لیکن اس کے

باوجود انھوں نے اپنے آنسو خشک کر لئے تھے کہ کہیں وہ بُزدل نہ کہلانے لگیں۔

علی بن ابراہیم نے بسندِ حسن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ "جب کفار قریش جنگِ بدر سے مکہ واپس گئے چونکہ ان کے ستر اشخاص جو برسرآوردہ تھے قتل ہو گئے اور ستر (۷۰) افراد گرفتار کر لئے گئے تھے اس لئے ابوسفیان نے کہا کہ اپنی عورتوں کو اپنے کشتوں پر رونے مت دو ورنہ آنسو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عداوت وحسد اور غم وغصہ کی آگ کو بجھادیں گے۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے اصحاب ہم کو طعنہ دیں گے۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ جنگِ اُحد واقع ہوئی۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اپنی عورتوں کو اپنے کشتوں پر نوحہ وماتم کی اجازت دی۔ غرض دوسرے سال انہوں نے اُحد کی جنگ کا ارادہ کیا۔ اپنے اور اپنے ہم سوگند بنی کنانہ وغیرہ قبیلوں کو جمع کیا اور بہت کافی ہتھیار وغیرہ سے آراستہ ہو کر تین ہزار سواروں اور دو ہزار پیادوں کو لے کر نکلے اور عورتوں کو بھی ساتھ لیا تاکہ مردوں کو بدر کی مصیبت یاد دلاتی رہیں اور ان کو جنگ کی ترغیب دیتی رہیں اور ابوسفیان نے اپنی زوجہ ہند بنت عتبہ کو بھی ساتھ لیا اور علقمہ کی بیٹی حارثیہ بھی ان کے ساتھ روانہ ہوئی۔" (علامہ مجلسی حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۵۶)

روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ قریش نے جنگِ بدر میں جو شکست کھائی تھی اس کے انتقام کی آگ ان میں بھڑک رہی تھی اور خاص طور سے ابوسفیان کی بیوی ہند میں تو جذبۂ انتقام اپنے عروج پر تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا بیٹا حنظلہ، باپ عتبہ اور چچا شیبہ اور بھائی ولید مارا گیا تھا اس لئے وہ زیادہ لوگوں میں جوشِ انتقام پیدا کر رہی تھی۔

حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۵ میں ہے کہ مورخین ومفسرین میں مشہور یہ ہے کہ جنگِ احد ہجرت کے تیسرے سال ماہ شوال میں واقع ہوئی اور شیخ طبرسی اور ابن شہر آشوب اور شیعوں کے اکثر مورخین کی روایت کے "مطابق ۱۲ شوال روز چہارشنبہ کو قریش اُحد پر پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۴ شوال روز جمعہ وہاں نزول فرمایا اور ۱۵ شوال روز شنبہ کو جنگ ہوئی۔"

چنانچہ ابوسفیان نے تین ہزار افواج سے مدینہ پر چڑھائی کر دی جس میں سات سو زرہ پوش سپاہی دو سو گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ تھے۔ ابوسفیان نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ تھا ایک حصہ کا عکرمہ بن ابوجہل اور دوسرے کا خالد بن ولید کو سردار مقرر کیا تھا۔ فوج کے پیچھے ہند اور پچے گھرانے کی عورتوں کو لئے ہوئے گاتی بجاتی آرہی تھی اور اشتعال انگیز گیتوں اور فتنہ خیز نعروں سے فوجیوں کو اکسا رہی تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو

آپؐ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دے دیا پھر صحابہ کرام سے مشورہ لیا کہ جنگ شہر کے اندر رہ کر لڑی جائے یا باہر نکل کر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی رائے یہ تھی کہ شہر میں رہ کر جنگ ہو۔ عبداللہ بن ابی کی بھی یہ رائے تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر جنگ کی جائے۔

قریش اپنے مورچہ پر کوہ اُحد کے دامن میں چہارشنبہ کو آ گئے تھے مگر ہمارے رسول رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دن توقف فرمایا اور جمعہ کی نماز مدینہ منورہ میں پڑھی اور اس کے بعد مشرکین کے مقابلے کے لئے ایک ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے نکلے۔ لیکن عبداللہ بن ابی سلول اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر راستے سے یہ کہہ کر واپس ہو گیا کہ آپؐ نے میری رائے نہ مانی۔ دراصل یہ شخص ہمیشہ سے منافق تھا اور رسولؐ خدا کو یہ بات پہلے سے معلوم تھی۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فوج کی تعداد صرف سات سو رہ گئی تھی۔ اس فوج میں سؔو کے جسم پر زرہیں تھیں اور دو گھوڑے تھے۔ اس چھوٹی سی فوج کو لے کر آپؐ کوہ اُحد کی ایک گھاٹی میں جا اُترے۔ آپؐ نے کوہ اُحد کو پس پشت رکھا۔ اور کوہ عینین کو بیدھی طرف رکھ لیا اور مدینہ کی طرف رخ کر لیا۔ کوہ عینین میں ایک پتلا سا درّہ تھا اس لئے آپؐ کو خطرہ تھا کہ دشمن کہیں اس میں سے حملہ نہ کریں اس لئے آپؐ نے پچاس تیر اندازوں کے دستے کو قبیلہ عمرو بن عوف کے ایک بہادر عبداللہ بن جبیر کی سرکردگی میں اس دَرّے پر مقرر کر دیا اور حکم دیا کہ ہم غالب ہوں یا مغلوب۔ تم اس درّے کو نہیں چھوڑنا اور نہ مال غنیمت کے لالچ میں اس مورچے سے ہٹنا۔ پیغمبر خدا نے مہاجرین کا عَلم حضرت علی بن ابی طالب کو سُپرد کیا۔ اور انصار کی ہمت افزائی کے لئے خود اس علم کے نیچے تشریف فرما ہوئے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کون ہے جو مجھ سے میری تلوار لے کر اس کا حق ادا کرے گا۔ حضرت ابودجانہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ خدمت میں انجام دوں گا جب تک اس کی آب باقی رہے گی میں اسے برابر چلاتا رہوں گا۔ چنانچہ وہ تلوار حضرت ابودجانہ کو دے دی۔ آپ بڑے بہادر اور فرماں بردار تھے۔

حضرت زبیر سے مروی ہے کہ جنگ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے اسے بغور دیکھ رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کون ہے جو اس کو لے کر اس کا حق ادا کرے۔ میں نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ میں اس کا مستحق ہوں۔ آپؐ نے میری طرف سے مُنہ پھیر لیا۔ اور پھر فرمایا کون اس تلوار کو اس کے حق کے لئے لینا ہے۔ میں نے پھر کہا یا رسولؐ اللہ میں اس کا مستحق ہوں۔ آپؐ نے پھر مُنہ پھیر لیا۔ اور پھر کہا کون اس تلوار کا مستحق ہے اس مرتبہ ابودجانہ سماک بن خرشہ نے آگے بڑھ کر کہا اس کا حق ادا کروں گا اور وہ کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس تلوار کا حق یہ ہے کہ اس سے کسی مسلم کو قتل نہ کیا جائے اور کوئی کافر اس سے بھاگ کر بچنے نہ پائے۔ پھر آپؐ نے وہ تلوار ان کو دے دی۔" (تاریخ طبری حصہ اوّل صؔ ۲۳۲)

ابن اسحٰق کے بیان کے مطابق رسول اللہؐ نے فرمایا کون ہے جو اس تلوار کو لے اور اس کا حق ادا کرے کئی صاحب لینے اٹھے مگر آپؐ نے ان کو وہ تلوار نہ دی۔ بنی ساعدہ کے ابودجانہ سماک بن خرشہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اس کا حق کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا تم اسے دشمن پر اس وقت تک چلاؤ کہ یہ مڑ جائے۔ حضرت ابودجانہ نے کہا میں اس حق کو پورا کرنے کے لئے اسے لیتا ہوں۔" (تاریخ طبری حصہ اول صہ ۲۳۲)

بنی سلمہ کے ایک انصاری سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے ابودجانہ کو اس طرح اکڑ کے چلتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ یوں تو اس چال سے اللہ ناراض ہو جاتا ہے مگر اس موقع پر نہیں۔" (تاریخ طبری صہ ۲۳۳)

الغرض لڑائی کی ابتدا ہوئی اور کافروں کی طرف سے ابوعامر اپنے ڈیڑھ سو ساتھیوں کے ساتھ تیر برسانے لگا۔ مسلمانوں نے بھی جوابی حملہ کیا اتنے تیر برسائے کہ کفار کے پیر اکھڑ گئے اور بھاگتے بن پڑی۔ قریش کے علمبردار طلحہ بن طلحہ نے جب یہ دیکھا تو اپنی فوج سے نکل پڑا اور کہنے لگا کہ مسلمانوں تم میں کوئی ہے جو مجھ کو دوزخ میں جلد پہنچائے یا پھر خود میرے ہاتھوں جنت میں چلا جائے۔ حضرت علیؓ نے فوراً بڑھ کر فرمایا کہ میں ہوں اور یہ کہہ کر ایک ہی وار میں خاتمہ کر دیا۔ (اس واقعہ کو علامہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النبیؐ میں اور علامہ طبری نے اپنی تاریخ میں قلم بند کیا ہے) اس کے بعد مسلمانوں نے عام حملہ کیا اور کافروں کی صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب نے عثمان بن ابی طلحہ کو، جو لشکر کفار کا علمدار تھا جہنم رسید کیا۔ عثمان کے قتل ہوتے ہی اس کا بھائی ابوسعید بن ابی طلحہ علم لے کر بڑھا تو حضرت علیؓ نے اس کو ایک ہی وار میں جہنم رسید کر دیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے کفار کے علمدار آئے اور ان کو مسلمانوں نے ایک ہی وار میں واصل جہنم کر دیا۔ اب کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ کوئی علم اٹھائے اور آگے بڑھے۔ آخر میں علم زمین پر پڑا رہا۔ جب عورتوں نے یہ دیکھا تو ان میں سے ایک عورت عمرۃ بنت علقمہ حارثیہ نے جوش میں علم اٹھا لیا اور کہا کہ اب میں علم اٹھاؤں گی۔ چنانچہ ایک حبشی کو غیرت آگئی اور اس نے علم لے لیا۔ حضرت حمزہ نے لشکر پر پوری قوت سے حملہ کر دیا اور آپ سباع بن عبدالعزیٰ سے لڑنے میں مشغول تھے کہ وحشی نام کے ایک حبشی نے آپ پر حملہ کر دیا اور آپ شہید ہو گئے۔ حضرت حمزہ کا شہید ہونا تھا کہ مسلمانوں کو جوش آگیا اور انھوں نے پے در پے ایسے حملے کئے کہ کفار میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور گانے بجانے والی عورتیں نوحہ خوانی کرنے لگیں۔ خالد بن ولید نے درے کی طرف سے کئی بار حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن عبداللہ بن جبیر نے ناکام کر دیا۔

ادھر مسلمانوں نے جب یہ دیکھا کہ کفار اپنا مال چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں تو وہ فوراً مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے۔ تیر اندازوں نے جب یہ دیکھا تو (جو درے کی حفاظت کر رہے تھے) وہ بھی وہاں سے ہٹنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر نے بہت منع کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم یاد دلایا لیکن وہ نہیں مانے اور حکم رسول اللہؐ کے خلاف وہاں سے ہٹ گئے۔ کفار قریش کا سردار خالد بن ولید تاک میں پہلے ہی سے تھا اس نے فوراً حملہ کر دیا اور

حضرت عبداللہ بن جبیر اور آپ کے ساتھی مقابلہ کرتے کرتے شہید ہو گئے۔ غرض مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی اور ایسی بھگدڑ مچی کہ مسلمان آنحضرتؐ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن جبیر نے بہت روکا لیکن وہ رُک نہ سکے۔ تیر اندازوں کی جگہ خالی دیکھ کر خالد نے عقب سے حملہ کیا۔ عبداللہ بن جبیر چند جاں نثاروں کے ساتھ جم کر لڑے لیکن سب کے سب شہید ہو گئے۔ اب راستہ صاف تھا۔ خالد نے سواروں کے دستے کے ساتھ نہایت بے جگری سے حملہ کیا لوگ لوٹنے میں مصروف تھے مڑ کر دیکھا تو تلواریں برس رہی ہیں۔ بدحواسی میں دونوں فوجیں اس طرح باہم مل گئیں کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ حضرت مصعب بن عمیر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صورت میں مشابہ اور علمبردار تھے۔ ابن قمیہ نے ان کو شہید کر دیا اور غل مچ گیا کہ آنحضرتؐ نے شہادت پائی۔ اس آواز سے عام بدحواسی چھا گئی بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ بدحواسی میں اگلی صفیں پچھلی صفوں پر ٹوٹ پڑیں اور دوست دشمن کی تمیز نہ رہی حضرت حذیفہ کے والد (یمان) اس کشمکش میں آ گئے اور ان پر تلواریں برس پڑیں۔ حضرت حذیفہ چلاتے رہے کہ میرے باپ ہیں لیکن کون سنتا۔ غرض وہ شہید ہو گئے۔ اور حضرت حذیفہ نے ایثار کے لہجے میں کہا مسلمانو! خدا تم کو بخش دے۔ رسولؐ اللہ نے مڑ کر دیکھا تو صرف گیارہ جاں نثار پہلو میں ہیں جنمیں حضرت علی حضرت ابوبکر حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت زبیر بن العلوم حضرت ابودجانہ۔ حضرت طلحہ۔ (علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی جلد اول صؔ ۳۷۷-۳۷۸)

(یہ روایت صحیح بخاری میں بھی ہے۔ غزوہ احد صؔ ۵۸۱)

علامہ شبلی رقم طراز ہیں کہ اس ہلچل اور اضطراب میں اکثروں نے تو بالکل ہمت ہار دی۔ لیکن جاں بازوں کا بھی زور نہیں چلتا تھا۔ جو جہاں تھا وہیں گھر کر رہ گیا تھا۔ آپؐ کی کسی کو خبر نہ تھی۔ حضرت علی تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفیں الٹتے جاتے تھے۔ لیکن کعبہ مقصود (رسولؐ اللہ) کا پتہ نہ تھا۔ حضرت انس کے چچا ابن نضر لڑتے بھڑتے موقع سے آگے نکل گئے۔ دیکھا تو حضرت عمر نے مایوس ہو کر ہتھیار پھینک دیا ہے۔ پوچھا یہاں کیا کرتے ہو؟ بولے اب لڑ کر کیا کریں گے۔ رسولؐ اللہ نے تو شہادت پائی۔ ابن نضر نے کہا کہ ان کے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ یہ کہہ کر فوج میں گھس گئے۔ اور لڑ کر شہادت پائی اور لڑائی کے بعد جب ان کی لاش دیکھی گئی تو اسی سے زیادہ تیر تلوار اور نیزے کے زخم تھے۔ کوئی شخص پہچان نہ سکا۔ ان کی بہن نے اُنگلی دیکھ کر پہچانا۔ (سیرۃ النبی جلد اول صؔ ۳۷۸-۳۷۹، ۲ صحیح بخاری غزوہ اُحد صؔ ۵۷۹

۳ صحیح مسلم جلد دوم صؔ ۱۳۸، ۴ تاریخ طبری حصہ اول)

تاریخ طبری۔ ابن اثیر اور روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ جب مسلمان بھاگ نکلے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکیلے رہ گئے تو آپؐ نے کئی مرتبہ آواز دی کہ اے مسلمانو! میری طرف آؤ مگر کسی نے نہیں سُنا تو

آپ کو غصہ آگیا اور پیشانی مبارک سے پسینہ بہنے لگا۔ اس حالت میں دیکھا کہ حضرت علی برابر میں کھڑے ہیں۔ پوچھا اے علیؑ تم اوروں کے ساتھ کیوں نہیں بھاگ گئے۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا یارسول اللہؐ کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاؤں۔ میں تو آپؐ کے نقش قدم پر چلنے والا ہوں۔ اور آپؐ کی مثال سے سبق لیتا ہوں۔ اتنے میں کافروں کے ایک گروہ نے حملہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ علیؑ آگے بڑھو۔ حضرت علی نے اس زور سے حملہ کیا کہ تلوار ٹوٹ گئی اور کافروں میں بھگدڑ مچ گئی۔ بہت سے مارے گئے۔ اس موقع پر آنحضرتؐ نے آپ کو ذوالفقار عطا کی۔ اس جنگ میں حضرت علی کی تین دفعہ تلوار ٹوٹی اور ہر دفعہ آنحضرتؐ نے آپ کو تلوار دی۔ جس وقت حضرت علیؑ نے یہ شجاعت دکھائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی تو آپؐ نے فرمایا اے علی! اپنی تعریف سنتے ہو رضوان فرشتہ آسمان پر کہہ رہا ہے اور آسمان پر یہ صدا بلند ہے۔ لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار (علیؑ کے سوا کوئی بہادر نہیں اور ذوالفقار سے بہتر کوئی تلوار نہیں۔) اس کے بعد حضرت جبرائیلؑ نے نازل ہو کر کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ منتہائے محبت اور رفاقت ہے جو علی مرتضیٰ آپؐ سے کرتے ہیں۔ حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا کیوں نہ ہو علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔ اس پر حضرت جبرائیل بولے اور میں آپ دونوں سے ہوں۔

تاریخ طبری حصہ اول سیرۃ النبی ترجمہ سید محمد ابراہیم میں حضرت زبیر سے مروی ہے کہ میں نے ہند بنت عتبہ کے خادموں اور اس کے ساتھیوں کو تیزی سے میدان سے بھاگتے ہوئے دیکھا ان کے پکڑ لینے میں کوئی شے مانع نہیں تھی۔ اتنے میں جب کہ ہم نے دشمن کو مقابلہ سے مار بھگایا۔ ہمارے تیر انداز لوٹنے کے لئے ہمارے دشمن کی فرودگاہ چلے آئے۔ اور انہوں نے دشمن کے رسالہ کے لئے ہمارے عقب کو غیر محفوظ چھوڑ دیا۔ چنانچہ دشمن کے رسالے نے پیچھے سے ہمیں آلیا۔ اسی وقت کسی نے چلا کر کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مارے گئے۔ اس کے سنتے ہی ہمارے حوصلے پست ہو گئے اور دشمن کے حوصلے ہم پر اور بڑھ گئے۔ حالانکہ ہم دشمن کے علمبرداروں کو ختم کر چکے تھے اور ان میں سے اب کسی کو اپنے جھنڈے کے پاس آنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔"

(تاریخ طبری جلد اول ص ۲۳۵)

کلینی نے بسند موثق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب مسلمان جنگ اُحد سے بھاگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شدید غصہ آیا اور جب حضرت کو غصہ آتا تھا تو آپ کی جبین اقدس سے پسینہ مروارید کے مانند ٹپکنے لگتا تھا۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت دیکھا تو حضرت علی کو اپنے پہلو میں پایا اور غصہ میں فرمایا کہ کیوں تم بھی انہی لوگوں کے ساتھ نہ بھاگ گئے۔ جناب امیرؑ نے عرض کی یا رسول اللہ میں آپؐ سے جدا نہیں ہو سکتا۔ ہر امر میں آپ کی پیروی کرنا لازم سمجھتا ہوں۔ آنحضرتؐ

نے فرمایا اچھا ان لوگوں کو مجھ سے دور کرو۔ حضرت امیر المومنین نے تلوار کھینچی اور شیر کے مانند کافروں کے لشکر پر ٹوٹ پڑے اور ان کو قتل کرنے لگے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا جو زمین و آسمان کے درمیان سونے کی کرسی پر بیٹھے ہوئے ندا دے رہے تھے لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفَقَار۔ (حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۵۷۲)

قرآن پاک میں بھی رسول اللہ کا ساتھ مسلمانوں کے چھوڑنے کا واضح ذکر ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ فِیْٓ اُخْرٰىکُمْ

(سورہ آل عمران آیت ۱۵۳ پ ۴)

ترجمہ:۔ "(اس وقت کو یاد کرو) جب تم (بدحواس) بھاگے جاتے تھے (لیکن) تم پھر کر کسی کی طرف بھی نہیں دیکھتے تھے باوجودیکہ رسول تمہارے پیچھے کھڑے تم کو پکار رہے تھے۔"

اس آیت کی تفسیر میں امام واقدی اپنی تاریخ کامل کے صفحہ ۲۳۴ میں لکھتے ہیں کہ

"جس وقت تم پہاڑ پر بھاگے جاتے تھے اور چڑھے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے حالانکہ رسول خدا تم کو بلا رہے تھے۔ تمہاری پچھلی جماعت میں تو وہ بھاگے جاتے تھے۔ اور پہاڑ پر چڑھے جاتے تھے۔ اور رسول اللہ ان کو پکارتے جاتے تھے کہ اے گروہ مسلمین میں رسول اللہ ہوں میرے پاس آؤ۔ میرے پاس آؤ۔ مگر ایک بھی نہ آتا تھا۔"

تاریخ طبری میں ہے کہ ابوجعفر نے کہا ہے کہ جب مسلمانوں کو ان کے عقب سے آلیا گیا وہ بھاگے۔ مشرکین نے ان کو بے دریغ قتل کیا۔ اس مصیبت کی وجہ سے مسلمانوں کے تین حصے ہو گئے تھے ایک مارا گیا ایک زخمی ہوا۔ اور ایک حصہ شکست کھا کر بھاگ گیا۔ خود رسول اللہ جنگ کی وجہ سے اس قدر تھک گئے تھے کہ آپ کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں۔ خود آپ کے سامنے کے چوکے میں سے نیچے کے دانت شہید ہو گئے تھے آپ کا دہن مبارک شق ہو گیا۔ رخسار اور بالوں کی جڑ کے پاس پیشانی مبارک زخمی ہوئی۔ ابن قمیہ نے آپ کے سر کے بائیں حصے پر تلوار ماری آپ کو عتبہ بن ابی وقاص نے زخمی کیا تھا۔"

(تاریخ طبری حصہ اول صفحہ ۲۳۶)

انس بن مالک سے مروی ہے کہ جس روز آپ کے سامنے کے دانت ٹوٹے اور آپ کے چہرہ مبارک پر زخم لگا خون آپ کے دہن مبارک سے بہہ رہا تھا آپ اسے پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس قوم نے اپنے نبی کا چہرہ اس کے خون سے رنگین کیا وہ کیوں کر فلاح پا سکتی ہے مگر اس حال میں بھی آپ ان کو عزوجل کی طرف دعوت دے رہے تھے اللہ عزوجل نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرمائی۔

"لیس لک من الامر شیئ"

ترجمہ :۔ "اس معاملہ میں تمہارا کوئی دخل نہیں" (تاریخ طبری حصہ اول ص ۲۳۶)

ابوجعفر نے کہا ہے کہ جب دشمن نے آپؐ پر یورش کی۔ آپؐ نے فرمایا کون ہے جو ہمارے لیئے اپنی جان بیچ ڈالے اس کے متعلق محمود بن عمر بن یزید بن اسکن سے مروی ہے کہ زیاد بن اسکن پانچ انصاریوں کے ساتھ یا دوسرے راویوں کے بیان کے مطابق عمارہ بن زیادہ بن اسکن اٹھے اور رسول اللہؐ کی مدافعت کے لئے ان کے آگے آکر لڑنے لگے۔ ایک کے بعد ایک قتل ہوتے چلے گئے۔ آخری آدمی زیاد یا عمارہ بن اسکن تھے وہ لڑتے رہے۔ آخر کار زخموں کی تاب نہ لاکر بیکار ہو گئے اتنے میں مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت رسول اللہؐ کے پاس پلٹ آئی اور اس نے دشمن کو آپؐ کے سامنے دھکیل دیا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا زیاد کو میرے قریب لاؤ۔ لوگ ان کو قریب لے آئے۔ انہوں نے رسول اللہؐ کے قدم پر اپنا سر رکھ دیا۔ اور اسی حالت میں کہ ان کا گال آپؐ کے قدم پر رکھا ہوا تھا انہوں نے جان دے دی۔ ابو دجانہ خود اپنے جسم کو دشمن کی جانب کر کے رسول اللہؐ کو بچانے کے لیے بمنزلہ ڈھال بن گئے۔ تیر آآکر ان کی پیٹھ میں لگ رہے تھے مگر وہ آپؐ پر جھکے ہوئے تھے اور آپؐ کو دشمن سے بچا رہے تھے۔ یہاں تک کہ بے شمار تیر ان کے آ لگے۔ سعد بن ابی وقاص رسول اللہؐ کو اپنی آڑ میں لے کر دشمن پر تیر چلانے لگے۔ خود حضرت سعد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ مجھے تیر اٹھا کر دیتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے تم پر میرے ماں باپ نثار تیر چلاؤ شدہ شدہ۔ آپؐ نے ایسا تیر مجھے دیا کہ اس میں انی نہ تھی مگر آپؐ نے یہی فرمایا اسے بھی چلاؤ" (تاریخ طبری حصہ اول ص ۲۳۶۔۲۲۷)

عاصم بن عمرو بن قتادہ سے مروی ہے کہ "اس روز خود رسول اللہؐ نے اپنی کمان سے تیر چلایا مگر اس کی تانت ٹوٹ گئی۔ اسے قتادہ بن النعمان نے اٹھا لیا یہ ان کے پاس تھی اس روز ان کی ایک آنکھ اس طرح جاتی رہی کہ وہ ان کے گال پر آپڑی۔ رسول اللہؐ نے اپنے ہاتھ سے اسے پھر اس کے حلقے میں رکھ دیا۔ تو اب وہ دوسری آنکھ کے مقابلے میں کہیں زیادہ عمدہ اور طاقتور ہو گئی" (تاریخ طبری حصہ اول ص ۲۳۷)

سدی سے مروی ہے کہ بنی الحارث بن عبد مناۃ بن کنانہ کے ابن قمیئۃ الحارثی نے رسول اللہؐ کے قریب آکر آپؐ پر پتھر پھینکا جس سے آپؐ کی ناک اور چوکا ٹوٹ گیا۔ آپ کا چہرہ خون آلود ہو گیا۔ اس صدمے سے آپؐ حرکت نہ کر سکے۔ آپؐ کے صحابہ آپؐ کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔ بعض مدینہ چلے گئے اور بعض پہاڑ پر چڑھ کر ایک چٹان پر جا بیٹھے۔ رسول اللہؐ لوگوں کو آوازیں دینے لگے کہ اے اللہ کے بندو میرے پاس آؤ۔ میرے پاس آؤ۔ تیس صحابہ آپؐ کے پاس اکٹھا ہو گئے۔ وہ سب آپؐ کے آگے آگے چلنے لگے مگر حضرت طلحہ اور حضرت سہیل بن حنیف کے علاوہ کوئی آپؐ کے قریب نہ ٹھہرا۔ حضرت طلحہ نے عقب سے آکر آپؐ کو بچایا ایک تیر ان کے ہاتھ میں لگا جس سے ان کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ لابی بن خلف الجمحی آپؐ کے سامنے آیا اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ ضرور رسول اللہؐ کو قتل کرے گا مگر رسول اللہؐ نے فرمایا تھا بلکہ میں تجھ کو قتل کروں گا۔ اس نے آگے بڑھ کر آپؐ کو للکارا اے کذاب (معاذ اللہ) کہاں بھاگ کر جاتا ہے اور اس نے آپؐ پر حملہ کیا۔ رسول اللہؐ نے اس کی زرہ کے گریبان میں نیزہ مارا جس سے وہ معمولی سا زخمی ہو گیا۔ لیکن اسی صدمے سے زمین پر گر پڑا اور بیل کی طرح خراٹے لینے لگا اس کے ساتھیوں نے اسے اٹھا لیا اور تسکین دی کہ تم کو کوئی ایسا زخم نہیں آیا ہے جس سے تم گھبرا جاؤ۔ کہنے لگا کیا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں

تجھ کو قتل کروں گا۔ بخدا اگر تمام ربیعہ اور مضر بھی آجاتے تو وہ ضرور ان سب کو قتل کر دیتے وہ اس کے بعد ایک یا چند روز زندہ رہ کر اسی زخم سے ہلاک ہو گیا۔ (تاریخ طبری حصہ اول ص۲۴۰)

اسی ایک شخص کا قتل تمام عمر میں آپؑ کے ہاتھوں ہوا تھا۔ علامہ یوسف گنجی الشافعی اپنی کتاب کفایۃ الطالب میں اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے حق مبارزت و جلادت و شجاعت ایسا ادا کیا کہ اس سے زیادہ تصور میں نہیں آتا۔ حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ جنگِ اُحد کے دن مجھے سولہ زخم ایسے کاری لگے تھے کہ ان میں سے چار زخموں کے ساتھ میں زمین پر گرنے کے قریب پہنچ گیا تھا اور ہر بار ایک خوبصورت خوشبو میں ڈوبا ہوا آدمی میرے پاس آکر میرا ہاتھ پکڑ لیتا تھا اور مجھ کو کھڑا کر دیتا تھا اور کہتا تھا بڑھ کر دشمنوں پر حملہ کر کہ تو خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں ہے۔ اور وہ دونوں تجھ سے راضی ہیں۔

جناب علی مرتضٰےؑ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ بات جناب رسولِ خداؐ کی خدمت میں کہی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے علی خدا تمہاری آنکھوں میں ٹھنڈک عطا فرمائے وہ حضرت جبرائیلؑ تھے۔" مدارج النبوۃ میں یہی ہے کہ حضرت علیؑ کا ہاتھ ٹوٹ گیا تھا۔ اور زخمی بھی ہو گئے تھے مگر کفار پر برابر حملہ کرتے رہے۔ اور سب کو شکست دی اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے۔ اور حضرت رسولِ خداؐ سے پوچھا کس نے ابھی کفار سے جنگ کی ہے کہ جس کی وجہ سے خدا ملائکہ پر فخر و مباہات کر رہا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ علیؑ تھے۔"

روایت ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ میں جنگ بھی لڑ رہا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی دیکھ جاتا تھا۔ ایک بار جو میں لڑتے لڑتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے آیا تو آپؐ کو وہاں نہیں پایا۔ میں نے خیال کیا کہ اصحاب کے فرار ہو جانے کی وجہ سے خدا نے پیغمبرِ خدا کو آسمان کی طرف اُٹھا لیا ہے۔ اور پھر میں نے یہ ٹھان لیا کہ بہتر یہی ہے کہ میں برابر جنگ کرتا رہوں۔ یہاں تک کہ شہید ہو جاؤں۔ میں نے یہ سوچ کر ایسا زبردست حملہ کیا کہ کفار کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زندہ پا لیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جنگ میں مصروف تھے۔ اور آپ زخمی ہو گئے اور گڑھے میں گر گئے۔ حضرت علیؑ نے جب یہ دیکھا تو کفار کو ہٹا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہاڑی پر لے گئے۔ آپؐ کے شہید ہونے کی افواہ جب مدینہ میں پہنچی تو آپؐ کی پارۂ جگر جناب سیدہ بے قرار ہو گئیں اور بے تاب ہو کر میدان جنگ کا رُخ کیا۔ بغیر یہ سوچے ہوئے کہ وہ جنگ کا میدان ہے۔ اور مرد تک وہاں سے فرار اختیار کر رہے ہیں لیکن جگر گوشۂ رسولؐ باپ کی محبت میں سرشار میدان کارزار آ رہی ہیں۔ آپؑ جب میدان میں آئیں تو باپ کو زندہ پایا اور حضرت علی مرتضٰی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون صاف

کر رہے ہیں۔ اس کے بعد حضرت علیؑ سپر میں پانی بھر کر لائے اور رسولؐ کی بیٹی اپنے باپ کا خون دھوتی تھیں اور علیؑ پانی ڈال رہے تھے لیکن خون چہرۂ مبارک کا بند نہیں ہو رہا تھا۔ آخر ایک بوری کا ٹکڑا جلایا اور اس کو زخم میں بھر دیا جس سے آپؐ کا خون بند ہو گیا۔

(اس واقعہ کو علامہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النبیؐ جلد اول اور تاریخ طبری حصہ اول اور دوسرے مورخین نے اور صحیح بخاری میں بھی اسی انداز میں قلم بند کیا ہے)۔

قریش یہ سمجھ کر کہ آپؐ شہید ہو گئے ہیں مسلمانوں کے پیچھے نہیں دوڑے بلکہ مال غنیمت لے کر چلے گئے۔

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ ابوسفیان نے سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کر پکارا کہ میاں محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ہیں؟ آپؐ نے حکم دیا کہ کوئی جواب نہ دے۔ ابوسفیان نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا نام لے کر پکارا اور جب کچھ آواز نہ آئی تو پکار کر بولا سب مارے گئے۔ حضرت عمر سے ضبط نہ ہو سکا بول اٹھے "او دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں" (علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی جلد اول صـ ۳۸۱)

اس جنگ میں ایک خاتون حضرت ام عمارہ کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ آپؐ میدان احد میں زخمیوں کی مرہم پٹی کے لئے آئی تھیں لیکن عین اس وقت جب کافروں نے عام حملہ کر دیا تھا اور آپؐ کے ساتھ صرف چند جاں نثار رہ گئے تھے حضرت ام عمارہ آپؐ کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہو گئیں۔ کفار جب آپؐ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں۔ ابن قمیہ جب دوڑتا ہوا آپؐ کے پاس پہنچ گیا تو ام عمارہ نے بڑھ کر روکا۔ چنانچہ کندھے پر زخم آیا۔ اور غار پڑ گیا انھوں نے بھی تلوار ماری لیکن وہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا۔ اس لئے کارگر نہ ہوئی" (ابن ہشام صـ ۵۸۴)

مسلمانوں نے حرص ولالچ کی بنا پر یہ جیتی ہوئی جنگ ہار دی تھی اور اب احد کے مقام پر مسلمانوں کی لاشوں کی بے حرمتی ہو رہی تھی۔ قریش کی عورتیں جنگ بدر کے انتقام کے جوش میں لاشوں سے بدلے رہی تھیں۔ ہندہ زوجہ ابوسفیان امیر معاویہ کی ماں نے ناک اور کان کاٹ کر ان کے ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈال لیا۔ اور حضرت حمزہؑ کی لاش کے پاس گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبانے لگی لیکن گلے سے نہیں اتر سکا اس لئے اگل دیا۔ ابوسفیان کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زندہ ہونے کی اطلاع ملی تو اس خوف سے کہ کہیں مدینہ کے سارے باشندے مل کر حملہ نہ کر دیں وہ فوراً مکہ کی طرف روانہ ہو گیا اور کہتا گیا کہ اب اگلے سال جنگ ہو گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ آپؐ جس طرف سے گذرتے تھے گھروں سے ماتم کی آوازیں آتی تھیں۔ سوائے حضرت حمزہ کے گھر کے۔ آپؐ کو احساس ہوا کہ

سب کے گھروں سے تو رونے کی آوازیں آرہی ہیں لیکن حضرت حمزہ کا کوئی نوحہ خواں نہیں۔ آپؐ پر رقت طاری ہوگئی۔ اور فرطِ محبت سے آپؐ کی زبان سے بے اختیار نکلا آماحمزۃ فلا بواکی لہ۔ (لیکن حمزہ کا کوئی رونے والا نہیں) جب انصار نے یہ بات سنی تو تڑپ اٹھے اور سب نے جاکر اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ حضرت حمزہ کے گھر جاکر ان کا ماتم کرو۔ جب آنحضرتؐ نے دیکھا تو ان کے لئے دعائے خیر کی اور فرمایا کہ تمہاری ہمدردی کا شکر گذار ہوں۔

(علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ۔ تاریخ طبری اور دوسری تواریخ کی کتابوں میں اس واقعہ کو لکھا گیا ہے۔ اور اس کے علاوہ صحیح بخاری میں بھی ہے۔)

جنگِ اُحد میں فتح دراصل مسلمانوں کو ہی حاصل ہوئی تھی لیکن مسلمانوں نے خود فتح کو شکست میں بدل دیا تھا لیکن اللہ کے حبیب اور شیرِ خدا نے ایسا نہیں ہونے دیا۔ اور کافروں کو بتا دیا کہ اللہ کا رسولؐ بھاگنے والا نہیں ہے۔ اور نہ وہ لوگ بھاگتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان کامل رکھتے ہیں اور اس کو حبیب رکھتے ہیں۔ اس جنگ میں بھی اللہ نے اپنے رسول کی مدد فرشتوں کے ذریعے فرمائی۔

ابوبکر بن ابی شیبہ۔ محمد بن بشر۔ ابو اسلمہ۔ سعید بن ابراہیم۔ بواسطہ اپنے والد حضرت سعد سے بیان کرتے ہیں کہ احد کے دن میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں بائیں دو آدمیوں کو دیکھا جو سفید لباس پہنے ہوئے تھے اور آپؐ کی جانب سے خوب لڑ رہے تھے۔ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد میں نے انھیں کبھی نہیں دیکھا یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام۔

(صحیح مسلم جلد سوم ص ۲۳۹ ب ۱۹۲ کتاب الفضائل) یہی روایت دوسرے راویوں سے بھی بیان کی گئی ہے)۔

جنگِ اُحد کے واقعہ کو پ ۴ سورہ آلِ عمران میں مکمل طور پر بیان کیا گیا ہے جو میں تفسیر ابن کثیر سے پیش کرتی ہوں۔

قد خلت من قبلکم۔ اِنَّ اللّٰہَ غَفُورٌ الرَّحِیمٌ ۵ (آیت ۱۳۷ — ۱۵۰)

ترجمہ:۔

تم سے پہلے بھی ایسے واقعات گذر چکے ہیں زمین پر چل پھر کر دیکھ لو کہ (آسمانی تعلیم کے) جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ ۵ ۱۳۷ عام لوگوں کے لئے تو یہ قرآن اظہار (حق) ہے اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت و نصیحت ہے ۵ ۱۳۸ تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو تمہیں غالب رہو گے اگر تم ایمان دار ہو ۵ ۱۳۹ اگر تم زخمی ہوئے ہو تو تمہارے

مخالف بھی تو ایسے ہی زخمی ہو چکے ہیں۔ ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ (شکست احد) اس لئے تھی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا مرتبہ عطا فرمائے اللہ تعالیٰ ناحق والوں کو دوست نہیں رکھتا ○[۱۴۰] اور یہ وجہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بالکل الگ کر دے اور کافروں کو مٹا دے ○[۱۴۱] کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ اب تک اللہ تعالیٰ نے یہ معلوم نہیں کیا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں ○[۱۴۲] جنگ سے پہلے تو تم شہادت کی آرزو میں تھے۔ اب اسے اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ لیا ○[۱۴۳]۔

تفسیر

چونکہ اُحد والے دن ستر مسلمان صحابی شہید ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ڈھارس دیتا ہے کہ اسے پہلے بھی دیندار لوگ نقصانِ مال وجان اٹھاتے رہے ہیں، لیکن بالآخر غلبہ انہی کا ہوا۔ تم اگلے واقعات پر ایک نگاہ ڈال لو تو یہ راز تم پر کھل جائے گا۔ اس قرآن مجید میں لوگوں کے لئے اگلی اُمتوں کا بیان بھی ہے اور یہ ہدایت و وعظ بھی ہے یعنی تمہارے دلوں کی ہدایت اور تمہیں بُرائی بھلائی سے آگاہ کرنے والا یہی قرآن ہے۔ مسلمانوں کا یہ واقعات یاد دلا کر پھر مزید تسلی کے طور پر فرمایا کہ تم اس جنگ کے نتائج دیکھ کر بد دل نہ ہو جانا نہ مغموم بن کر بیٹھ رہنا۔ فتح و نصرت، غلبہ اور علو بالآخر اے مومنین تمہارے لئے ہی ہے۔ اگر تمہیں زخم لگے اور تمہارے آدمی شہید ہوئے تو اس سے پہلے تمہارے دشمن بھی تو قتل ہو چکے ہیں وہ بھی تو زخم خوردہ ہیں یہ تو چڑھتی ڈھلتی چھاؤں ہے۔ ہاں بھلا وہ ہے جو انجام کار غالب رہے۔ اور یہ ہم نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے۔ یہ بعض مرتبہ کی شکست بالخصوص اس جنگِ اُحد کی اس لئے تھی کہ ہم صابروں اور غیر صابروں کا امتحان کر لیں اور جو مدت سے شہادت کی آرزو کر رہے تھے انہیں کامیاب بنائیں کہ وہ اپنی جان و مال ہماری راہ میں خرچ کریں اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ جملہ بیان کر کے فرمایا۔ یہ اس لئے بھی کہ ایمان والوں کے گناہ اگر ہوں بھی تو دور ہو جائیں ورنہ ان کے درجات بڑھیں اور اس میں کافروں کا مٹانا بھی ہے کیونکہ وہ غالب ہو کر پھولیں گے۔ اور سرکشی اور تکبر میں اور بڑھیں گے اور یہی ان کی ہلاکت اور بربادی کا سبب بنے گا۔ اور پھر مر کھپ جائیں گے ان سختیوں، زلزلوں اور آزمائشوں کے بغیر کوئی جنت میں نہیں جا سکتا۔ جیسے سورۂ بقرہ میں ہے کہ کیا تم یہ جانتے ہو کہ تم سے پہلے لوگوں کی جیسی آزمائش ہوئی ایسی تمہاری نہ ہو اور تم جنت میں چلے جاؤ۔ یہ نہیں ہوگا۔" ایک جگہ اور ہے "کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم صرف ان کے اس قول پر کہ ہم ایمان لائے انہیں چھوڑ دیں گے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی۔"

یہاں بھی یہی فرمان ہے کہ جب تک صبر کرنے والے معلوم نہ ہو جائیں یعنی دنیا پر ظہور میں نہ آ جائیں،

تب تک جنت نہیں مل سکتی۔ پھر فرمایا کہ تم اس سے پہلے تو ایسے موقع کی آرزو میں تھے کہ تم اپنا صبر اور اپنی سختی اور مضبوطی اور استقامت خدا کو دکھاؤ، راہِ خدا میں شہادت پاؤ تو اب ہم نے تمہیں موقع دیا کہ تم بھی تو اپنی ثابت قدمی اور اولوالعزمی دکھاؤ۔ حدیث شریف میں ہے کہ "دشمن کی ملاقات کی آرزو نہ کرو اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو اور جب میدان پڑ جائے پھر لوہے کی لاٹ کی طرح جم جاؤ اور صبر کے ساتھ ثابت قدم رہو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔" پھر فرمایا کہ تم نے اپنی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھ لیا کہ نیزے تنے ہوئے ہیں۔ تلواریں کھنچ رہی ہیں۔ بھالے اچھل رہے ہیں۔ تیر برس رہے ہیں۔ گھمسان کا رن پڑا ہوا ہے اور اِدھر اُدھر لاشیں گر رہی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۸-۲۹)

ترجمہ —

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صرف رسول ہی نہیں ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو چکے ہیں کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جب کوئی پھر جائے تو ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گذاروں کو نیک بدلہ دے گا ۝۱۴۴ بغیر اللہ کے حکم کے کوئی جاندار نہیں مر سکتا۔ مقرر شدہ وقت لکھا ہوا ہے۔ دُنیا کی چاہت والوں کو ہم کچھ دُنیا دیتے ہیں اور آخرت کا ثواب چاہنے والے کو ہم وہ بھی دیتے ہیں۔ احسان ماننے والوں کو ہم بہت جلد نیک بدلہ دیں گے ۝۱۴۵ بہت سے نبیوں کے ہمرکاب ہو کر بہت سے خدا والے جہاد کر چکے ہیں انہیں بھی راہِ خدا میں تکلیفیں پہنچیں لیکن نہ تو انھوں نے ہمت ماری نہ سُست ہوئے نہ دبے اللہ صبر کرنے والوں کو بھی چاہتا ہے ۝۱۴۶ وہ یہی کہتے رہے کہ اے پروردگار ہمارے گناہوں کو بخش دے۔ اور ہم سے ہمارے کاموں میں جو بیجا زیادتی ہوئی ہے اسے بھی معاف فرما اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد دے ۝۱۴۷ اللہ تعالیٰ نے انہیں دُنیا کا ثواب بھی دیا اور آخرت کے ثواب کی خوبی بھی عطا فرمائی۔ اللہ نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہے ۝۱۴۸

تفسیر —

میدانِ احد میں مسلمانوں کو شکست بھی ہوئی اور ان میں کے بعض قتل بھی کئے گئے۔ اس دن شیطان نے یہ بھی مشہور کر دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شہید ہو گئے اور ابن قمیئہ کافر نے مشرکین میں جا کر یہ اُڑا دی کہ میں حضورؐ کو قتل کر کے آیا ہوں اور دراصل وہ افواہ بھی بے اصل تھی اور اس شخص کا یہ قول بھی غلط تھا اس نے حضورؐ پر حملہ تو کیا تھا لیکن اس سے صرف آپؐ کا چہرۂ مبارک قدرے زخمی ہو گیا تھا اور کوئی بات نہ تھی۔ اس غلط بات کی شہرت نے مسلمانوں کے دل تھوڑے کر دیئے۔

ان کے قدم اکھڑ گئے اور لڑائی سے بددل ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگلے انبیاؑ کی طرح یہ بھی ایک نبی ہیں ہو سکتا ہے کہ میدان میں قتل کر دیئے جائیں لیکن کچھ خدا کا دین جاتا نہیں رہے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک مہاجر نے دیکھا کہ ایک انصاری جنگِ احد میں زخموں سے چور زمین پر گر پڑا ہے اور خاک خون میں لوٹ رہا ہے۔ اس سے کہا کہ آپ کو بھی معلوم ہے کہ حضورؐ قتل کر دیئے گئے۔ اس نے کہا کہ اگر یہ صحیح ہے تو اپنا کام کر گئے اب آپؐ کے دین پر سے تم سب بھی قربان ہو جاؤ۔ اسی کے بارے میں یہ آیت اُتری۔ پھر فرمایا کہ حضورؐ کا قتل یا انتقال ایسی چیز نہیں کہ تم خدا کے دین سے اُلٹے پاؤں پھر جاؤ۔ اور ایسا کرنے والے خدا کا کچھ نہ بگاڑیں گے اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کو جزائے خیر دے گا جو اس کی اطاعت پر جم جائیں اور اس کے دین کی مدد میں لگ جائیں اور اس کے رسولؐ کی تابعداری میں مضبوط ہو جائیں خواہ رسولؐ زندہ ہوں یا نہ ہوں۔

حضرت علیؑ رسول اللہؐ کی زندگی میں فرماتے تھے کہ نہ ہم حضورؐ کی موت پر مرتد ہوئے اور نہ آپؐ کی شہادت پر۔ خدا کی قسم اگر حضورؐ قتل کیے جائیں تو ہم بھی اس دین پر مر مٹیں گے جس پر آپؐ شہید ہوئے۔ خدا کی قسم میں تو آپؐ کا بھائی ہوں آپؐ کا ولی ہوں آپ کا چچا زاد بھائی ہوں اور آپؐ کا وارث ہوں۔ مجھ سے زیادہ حق دار آپؐ کا کون ہوگا"۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ہر شخص اللہ کی مقدر سے اور اپنی مدت پوری کر کے ہی مرتا ہے جیسے ایک جگہ ہے "نہ کوئی عمر دی جاتی ہے اور نہ عمر گھٹائی جاتی ہے مگر سب کتاب اللہ میں موجود ہے" ایک اور جگہ ہے "جس خدا نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر پورا وقت پورا کیا اور اجل مقرر کی"۔

اس آیت میں بزدل لوگوں کو شجاعت کی رغبت دلائی گئی ہے اور راہِ خدا کے جہاد کا شوق دلایا جا رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ جوانمردی کی وجہ سے کچھ عمر گھٹ نہیں جاتی اور پیچھے ہٹنے کی وجہ سے عمر بڑھ نہیں جاتی۔ موت تو اپنے وقت پر آ کر ہی رہے گی۔ خواہ شجاعت اور بہادری دکھاؤ خواہ نامردی اور بزدلی دکھاؤ"۔

پھر اللہ تعالیٰ احد کے مجاہدین کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس سے پہلے بھی بہت سے نبی اپنی جماعتوں کو ساتھ لے کر دشمنانِ دین سے لڑے بھڑے انہوں نے تمہاری طرح راہِ خدا میں تکلیفیں بھی اٹھائیں لیکن پھر بھی مضبوط دل اور صابر و شاکر رہے۔ سست و بددل نہ ہوئے اور اس صبر کے بدلے انہوں نے خدا کی محبت مول لے لی۔ ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ اے مجاہدینِ احد تم یہ سن کر کہ حضورؐ شہید ہوئے کیوں ہمت ہار بیٹھے اور کفر کے مقابلے میں کیوں دب گئے؟ حالانکہ تم سے اگلے لوگ اپنے

انبیاء علیہم السلام کی شہادت کو دیکھ کر بھی نہ دبے نہ بچے بلکہ اور تیزی کے ساتھ لڑے۔ یہ اتنی بڑی مصیبت بھی ان کے قدم نہ ڈگمگا سکی۔ اور ان کے دل تھوڑے نہ کر سکی۔ پھر تم حضورؐ کی شہادت کی خبر سن کر اتنے بزدل کیوں ہو گئے۔
پھر فرماتا ہے کہ انھیں دُنیا کا ثواب نصرت مدد ظفر و اقبال ملا اور آخرت کی بھلائی اور اچھائی بھی اسی کے ساتھ جمع ہوئی یہ محسن لوگ خدا کے چہیتے بندے ہیں۔

ترجمہ

اے ایمان والو اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل پلٹا دیں گے۔ (یعنی تمہیں مُرتد بنا دیں گے) پھر تم نامراد ہو جاؤ گے ۱۴۹ بلکہ اللہ ہی تمہارا مولا ہے۔ اور وہی بہترین مددگار ہے ۱۵۰ ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے۔ اس وجہ سے کہ یہ خدا کے ساتھ ان چیزوں کو شریک کرتے ہیں جس کی کوئی دلیل خدا نے نہیں اُتاری۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور ان ظالموں کی بُری جگہ ہے ۱۵۱ اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا تم اپنے حکم سے انھیں اپنے ہاتھوں سے کاٹنے لگے یہاں تک کہ تم تھوڑے دل ہو گئے اور کام میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کرنے لگے۔ اس کے بعد کہ اس نے تمہاری چاہت کی چیز تمہیں دکھادی تم میں سے بعض دُنیا چاہتے تھے اور بعض کا ارادہ آخرت کا تھا۔ پھر تمہیں ان سے پھیر دیا تاکہ تمہیں آزمائے اور یقیناً اس نے تمہاری لغزش سے درگذر فرمالیا۔ ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ۱۵۲ جب کہ تم چڑھے جا رہے تھے اور کسی کی طرف توجہ تک نہیں کرتے تھے اور اللہ کے رسولؐ تمہیں پیچھے سے آوازیں دے رہے تھے۔ پس تمہیں غم پر غم پہنچا تاکہ تم فوت شدہ چیز پر غمگین ہو اور نہ ملی ہوئی چیز پر اداس ہو اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے ۱۵۳

تفسیر

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا اور وہ لڑائی سے لوٹ گیا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور تمہاری مدد کی اس سے بھی یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ یہ وعدہ اُحد کے دن کا تھا تین ہزار دشمن کا لشکر تھا تاہم مقابلے پر آتے ہی ان کے قدم اُکھڑ گئے اور مسلمانوں کو فتح مندی حاصل ہوئی لیکن پھر تیر اندازوں کی نافرمانی کی وجہ سے اور بعض حضرات کی پست ہمتی کی بنا پر وہ وعدہ جو مشروط تھا رُک گیا۔ پس فرماتا ہے کہ تم انھیں اپنے ہاتھ سے کاٹتے تھے۔ شروع دن ہی خدا نے تمہیں ان پر غالب کر دیا لیکن تم نے پھر بُزدلی دکھائی۔ اور نبیؐ کی نافرمانی کی ان کی بتلائی ہوئی جگہ سے ہٹ گئے اور آپس میں اختلاف کرنے لگے حالانکہ خدا نے تمہیں تمہاری رغبت کی چیز دکھلادی تھی یعنی مسلمان صاف طور پر غالب آ گئے تھے۔ مال غنیمت آنکھوں کے سامنے موجود تھا۔ کفار پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے تم میں سے بعض نے دُنیا طلبی کی اور کفار کی ہزیمت کو دیکھ کر نبیؐ کے فرمان کا خیال نہ کر کے مالِ غنیمت کی طرف لپکے۔

گو بعض اور نیک نیت آخرت طلب بھی تھے۔ لیکن اس نافرمانی وغیرہ کی بنا پر کفار کی پھر بن آئی اور ایک مرتبہ تمہاری پوری آزمائش ہوگئی۔ غالب ہو کر مغلوب ہو گئے۔ فتح کے بعد شکست ہو گئی لیکن پھر بھی خدا نے تمہارے اس جرم کو معاف فرما دیا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ بظاہر تم ان سے تعداد میں اور اسباب میں کم تھے۔

(تفسیر ابن کثیر صـ ۳۲-۳۳)

حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ حضورؐ کی مدد جیسی اُحد میں ہوئی ہے کہیں نہیں ہوئی اس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اللہ نے تمہیں اپنا وعدہ سچا کر دکھایا لیکن پھر تمہارے کرتوتوں سے معاملہ برعکس ہو گیا۔ بعض لوگوں نے دُنیا طلبی کر کے رسُول کی نافرمانی کی یعنی بعض تیراندازوں نے جنہیں حضورؐ نے پہاڑ کے درّے پر کھڑا کیا تھا اور فرما دیا تھا کہ تم یہاں سے دشمنوں کی نگہبانی کرو وہ ہماری پیٹھ کی طرف سے نہ آجائیں۔ اگر تم دیکھو کہ ہم ہار بھی گئے تو تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ اور اگر تم یہ دیکھو کہ ہم ہر طرح غالب آ گئے تو بھی تم غنیمت جمع کرنے کے لئے بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ جب حضورؐ غالب آ گئے تو تیراندازوں نے حکم عدولی کی۔ وہ اپنی جگہ کو چھوڑ کر مسلمانوں میں آملے۔ اور مال غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا۔ صفوں کا کوئی خیال نہ رہا درّے کو خالی پا کر مشرکوں نے بھاگنا بند کر دیا اور غور و فکر کر کے اس جگہ پر حملہ کر دیا۔ چند مسلمان جواب تک وہاں تھے کھڑے تھے وہ شہید ہو گئے۔ اور اب ان لوگوں نے مسلمانوں کی پیٹھ کے پیچھے سے ان کی بے خبری میں اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے پیر جم نہ سکے اور شروع دن کی فتح اب شکست میں بدل گئی اور یہ مشہور ہو گیا کہ حضورؐ بھی شہید ہو گئے۔ اور لڑائی کے رنگ نے مسلمانوں کو اس کا یقین کرا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب کہ مسلمانوں کی نظریں چہرۂ مبارک پر پڑیں تو وہ اپنی سب کوفت اور ساری مصیبت بھول گئے اور خوشی کے مارے حضورؐ کی طرف لپکے آپؐ ادھر آ رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ خدا کا سخت غضب نازل ہوا ان لوگوں پر جنہوں نے اللہ کے رسولؐ کے چہرۂ مبارک کو خون خون کر دیا انہیں کوئی حق نہ تھا کہ اس طرح ہم پر غالب آجائیں۔ تھوڑی دیر میں ہم نے سُنا کہ ابوسفیان پہاڑ کے نیچے کھڑا ہوا کہہ رہا تھا اُعْلُ ھُبَلْ اُعْلُ ھُبَلْ (ھُبَل بت کا بول بالا ہو۔)"

مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اُحد والے دن عورتیں مسلمانوں کے پیچھے تھیں جو زخمیوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ مجھے تو پوری طرح یقین تھا کہ آج کے دن ہم میں کوئی بھی طالب دنیا نہیں بلکہ اس وقت اگر مجھے اس بات پر قسم کھلوائی جاتی تو کھا لیتا لیکن قرآن مجید میں یہ آیت اُتری منکم من یرید الدنیا۔ یعنی تم میں بعض طالب دُنیا بھی ہیں۔ جب صحابہ سے حضورؐ کا خلاف ہوا اور آپؐ کی نافرمانی سرزد ہوئی تو ان کے قدم اکھڑ گئے۔ حضورؐ کے ساتھ صرف سات انصاری اور دو مہاجر باقی رہ گئے۔

سیرۃ ابن اسحاق میں ہے کہ حضرت زبیر بن عوام فرماتے ہیں کہ میں نے خود دیکھا کہ مشرکین مسلمانوں کے اول حملے میں ہی بھاگ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ ان کی عورتیں ہندہ وغیرہ تہمد اٹھائے تیز تیز دوڑ رہی تھیں لیکن اس کے بعد جب تیر اندازوں نے مرکز چھوڑا اور کفار نے سمٹ کر پیچھے کی طرف سے ہم پر حملہ کر دیا اور ادھر کسی نے آواز لگائی کہ حضورؐ شہید ہو گئے۔ پس پھر معاملہ برعکس ہو گیا ورنہ مشرکین کے علم برداروں تک پہنچ چکے تھے اور جھنڈا اس کے ہاتھ سے گر پڑا تھا لیکن عمرۃ بنت علقمہ حارثیہ عورت نے اسے تھام لیا۔ اور قریش کا مجمع پھر یہاں جمع ہو گیا۔"

حضرت انس بن مالک کے چچا حضرت انس بن نضر یہ رنگ دیکھ کر حضرت طلحہ، حضرت عمر وغیرہ کے پاس آتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم نے کیوں ہمتیں چھوڑ دیں وہ جواب دیتے ہیں کہ حضورؐ تو شہید ہو گئے۔ حضرت انس نے فرمایا پھر تم جی کر کیا کرو گے؟ یہ کہا اور مشرکین میں گھس گئے پھر لڑتے رہے یہاں تک کہ خدا سے جا ملے۔ یہ بدر والے دن جہاد میں نہیں پہنچ سکے تھے تو عہد کیا تھا کہ آئندہ اگر کوئی موقع آیا تو میں دکھا دوں گا۔ چنانچہ اس جنگ میں وہ موجود تھے۔ جب مسلمانوں میں کھلبلی مچی تو انہوں نے کہا خدایا میں مسلمانوں کے اس کام سے معذور ہوں اور مشرکوں کے اس کام سے بری ہوں۔ پھر تلوار لے کر آگے بڑھ گئے۔ راہ میں حضرت سعد بن معاذ ملے اور کہنے لگے کہاں جا رہے ہو؟ مجھے تو جنت کی خوشبو کی لپٹیں اُحد پہاڑ سے چلی آ رہی ہیں۔ چنانچہ مشرکوں میں گھس گئے اور بڑی بے جگری سے لڑے یہاں تک کہ شہادت حاصل کی۔ اسی سے اوپر تیر و تلوار کے زخم بدن پر آئے تھے۔ پہچانے نہ جاتے تھے۔ پوریاں دیکھ کر پہچانے گئے اِذْ تُصْعِدُوْنَ الخ۔ یعنی تم اپنے دشمن سے بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ رہے تھے اور خوف و دہشت سے دوسری جانب توجہ بھی نہیں کرتے تھے۔ رسولؐ کو بھی تم نے وہیں چھوڑ دیا تھا وہ تمہیں آوازیں دے رہے تھے اور سمجھا رہے تھے کہ بھاگو نہیں لوٹ آؤ۔"

حضرت سدی فرماتے ہیں مشرکین کے اس خفیہ اور پُرزور اور اچانک حملے سے مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ کچھ تو مدینہ کی طرف لوٹ آئے کچھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ اللہ کے نبیؐ آوازیں دیتے رہے کہ اللہ کے بندو میری طرف آؤ۔ اس واقعہ کا بیان اس آیت میں ہے۔ آنحضرتؐ اس وقت صرف بارہ آدمیوں کے ساتھ رہ گئے تھے۔ مسند احمد کی طویل حدیث میں بھی ان تمام واقعات کا ذکر ہے۔ صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اپنے سامنے کے چار دانتوں کی طرف جنھیں مشرکوں نے اُحد والے دن شہید کیا تھا اشارہ کر کے فرما رہے تھے خدا کا سخت تر غضب ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اپنے نبیؐ کے ساتھ یہ کیا اور اس پر بھی خدا کا غضب ہے جسے اللہ کا رسولؐ خدا کی راہ میں قتل کرے۔ اور روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جن لوگوں نے

خدا کے رسولؐ کا چہرہ زخمی کیا۔

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میرے والد حضرت ابو بکرؓ جب اُحد کا ذکر فرماتے تو صاف کہتے کہ اس دن کی تمام تر فضیلت کا سہرا حضرت طلحہؓ کے سر ہے۔ جب میں لوٹ کر آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص حضورؐ کی حمایت میں جان ٹکائے لڑ رہا ہے۔ میں نے کہا خدا کرے یہ طلحہ ہو۔ اب جو قریب آکر دیکھا تو طلحہ ہی تھے۔ میں نے کہا الحمدللہ میری ہی قوم کا ایک شخص ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور کا چہرہ زخمی ہو گیا سامنے کے دانت ٹوٹے۔ سر کا خود ٹوٹا۔ حضرت فاطمہ خون دھوتی تھیں اور حضرت علی ڈھال میں پانی لا لا کر ڈالتے جاتے تھے۔ جب دیکھا کہ خون کسی طرح تھمتا ہی نہیں تو حضرت فاطمہ نے بوریا جلا کر اس کی راکھ زخم پر رکھ دی جس سے خون بند ہوا پھر فرماتا ہے تمہیں غم پر غم پہنچا۔ یعنی ایک غم تو شکست کا جب کہ یہ مشہور ہو گیا کہ خدانخواستہ حضورؐ کی جان پر بن آئی اور دوسرا غم مشرکوں کا پہاڑ کے اوپر غالب آکر چڑھ جانے کا۔ جب کہ حضورؐ فرماتے تھے انہیں یہ بلندی لائق نہ تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں کہ ایک غم شکست کا دوسرا غم حضور کے قتل کی خبر۔

(تفسیر ابن کثیر ص ۳۱ تا ۳۵)

غزوہ احزاب ذیقعدہ ۵ھ۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا ط (سورۂ احزاب آیت ۹ پارہ ۲۱)۔

ترجمہ ۔ "مسلمانوں خدا کے احسان کو یاد کرو جب کہ تم پر فوجیں آپڑیں تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور وہ فوجیں بھیجیں جو تم کو دکھائی نہیں دیتی تھیں"

واقعۂ بدر کے بعد ہی سے اسلام کے مخالفوں نے طرح طرح کی سازشیں کرنا شروع کر دی تھیں اور تمام اہل عرب اسلام کو ختم کرنے کے در پے تھے۔ اُحد میں جو اہل مکہ نے تیاریاں کی تھیں وہ بھی تاریخ میں پوشیدہ نہیں۔ پھر اُحد میں تو صرف ایک جماعت و قبیلہ کی تیاری تھی۔ اب وہی تیاری مشترکہ طور پر کی تھی وہ بھی تاریخ میں پوشیدہ نہیں۔ پھر اُحد میں تو صرف جماعت و قبیلہ کی تیاری تھی۔ اب وہی تیاری مشترکہ طور پر سامنے آئی اور تمام دشمنانِ اسلام یکجا ہو کر اسلام سے مقابلے کو نکل پڑے۔ اور اس طرح اسلام کے لئے ایک سخت امتحان کی گھڑی سامنے آئی جو پروردگار عالم نے اپنے حبیبؐ کے ذریعہ کامیاب کر دی۔

یہ جنگ مختلف قبائل اور جماعت کے یکجا ہونے پر وجود میں آئی تھی اس لئے اس جنگ کو جنگ احزاب کہتے ہیں۔ یہ حزب کی جمع ہے۔ حزب کے معنی فوج کے یا گروہ کے یا جماعت کے ہیں۔ اس لئے احزاب کے معنی

ہوئے بہت سی جماعتیں یا گروہ یا افواج۔ اس لڑائی میں بہت سی جماعتوں نے یعنی عرب کے بہت سے قبیلوں نے شرکت کی تھی اور سب نے مل کر مدینہ پر حملہ کیا تھا اس لئے اس کو جنگِ احزاب کہتے ہیں۔

دوسرا نام اس غزوہ کا غزوۂ خندق ہے۔ غزوۂ خندق مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے مدینہ کے گرد خندق کھود کر کفار سے مدافعانہ مقابلہ فرمایا تھا اس لئے اس جنگ کا نام یہ بھی مشہور ہو گیا۔

بنی نضیر کے یہودی جو مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر میں آباد ہو گئے تھے ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے انتقام لینے کی فکر میں رہتے تھے چنانچہ انہوں نے ایک بہت بڑی سازش شروع کی اور (بنو نضیر) ان کے رؤسا سلام بن ابی الحقیق حیّ ابن اخطب اور کنانہ بن الربیع وغیرہ اکٹھا ہو کر مکہ معظمہ گئے اور ابو سفیان سے ملے اور درخواست کی کہ اگر قریش ہمارا ساتھ دیں تو اسلام کا استیصال ہو سکتا ہے اور اسلام ہمیشہ کے لئے مٹ سکتا ہے۔ ابو سفیان کے لئے یہ بڑی خوش خبری تھی۔ قریش تو ہمیشہ سے ہی تیار تھے۔ چنانچہ وہ ان کے ساتھ مل گئے۔ ان کے ملنے کے بعد یہ لوگ قبیلۂ غطفان کے پاس گئے اور ان کو لالچ دیا کہ اگر وہ ان کے ساتھ شریک ہو جائیں تو خیبر کا نصف محاصل ان کو ہمیشہ دیا کریں گے۔ وہ لوگ بھی تیار ہو گئے غطفان جب اس سازش میں شریک ہو گئے تو انہوں نے اپنے حلیف قبیلۂ بنی اسد کو بھی اپنی طرف خود سمیٹ لیا اور وہ اپنی جمعیت کے ساتھ آ کر ان سے مل گئے۔ بنو سعد کا کثیر التعداد قبیلہ یہودیوں کا خاص حلیف تھا۔ یہودیوں نے ان کو بھی بلا کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ یہود کی طرح قریش نے بھی اپنے متفرق اجزاء کی شیرازہ بندی کر لی۔ قبیلہ بنو سلیم کے تمام لوگوں کو دعوت دے کر بلا لیا۔ اور اپنی جمعیت میں ملا لیا اور اس طرح مخالفِ اسلام کا یہ مجموعہ تیار کیا گیا۔ جس کی تعداد چوبیس ہزار سے سے بھی بڑھ گئی تھی۔ فتح الباری میں ہے کہ ان کی تعداد دس ہزار تھی۔

"یہ لشکر تین مستقل فوجوں میں تقسیم تھا۔ غطفان کی فوجیں عُیینہ بن حصن فزاری کی کمان میں تھیں۔ جو عرب کا مشہور سردار تھا۔ بنو اسد طلیحہ کا افسری میں تھا اور ابو سفیان بن حرب سپہ سالارِ کل تھا۔"

(علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ جلد اوّل صـ ۴۳۳)

غرضیکہ تمام قبائلِ عرب کا لشکر تیار ہو کر مدینہ کی طرف بڑھا۔ جب آنحضرت اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو اس کی خبر ملی تو آپؐ نے صحابہ سے مشورہ لیا۔ آپؐ کو جنگِ اُحد کی شکست اور مسلمانوں کے کارنامے اچھی طرح یاد تھے۔ اس کے علاوہ کافروں میں مسلمانوں کی ساخت بھی خراب ہو گئی تھی اس لئے آپؐ کو مدینہ سے باہر جا کر اس وقت لڑنا خلافِ مصلحت معلوم ہوا۔ پھر کفار کی فوج کی تعداد بھی بہت تھی لیکن اس کے باوجود آپؐ نے صحابہ سے مشورہ لیا۔ حضرت سلمان فارسی جو ایرانی تھے اور اپنے ملک کے طریقۂ جنگ سے واقف تھے کہ کس طرح ایک جمِ غفیر سے مختصر فوج لڑ سکتی ہے آپ نے مشورہ دیا کہ شہر کے اندر رہ کر ہی

جنگ کی جائے اور اس کے لئے مدینہ کے گرد خندق کھودلی جائے چنانچہ اس مشورہ کو آپؐ نے پسند فرمالیا۔
مدینہ میں تین جانب مکانات اور نخلستان کا سلسلہ تھا۔ جو شہر پناہ کا کام دیتا تھا۔ صرف شامی رُخ کھلا ہوا تھا۔ آپؐ نے تین ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے نکل کر اسی مقام میں خندق کی تیاریاں شروع کیں۔ اور خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خندق کھودنے کا انتظام اس طرح کیا گیا کہ دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین کی تقسیم کی گئی۔ یہ خندق نصف دائرہ بناتی ہوئی کوہ سلع کے مغربی کنارے سے ملاتی گئی اس کی لمبائی ساڑھے تین میل سے زائد تھی۔ یہ پندرہ فٹ گہری اور پندرہ فٹ چوڑی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی اس خندق کی کھودائی میں برابر کے شریک رہے۔ حضرت سلمان فارسی عمر رسیدہ ہونے کے باوجود برابر کے شریک تھے۔ اگر اتفاقاً کسی زمین کے حصے میں پتھر نکل آتا یا چٹان نکل آتی اور مسلمانوں سے وہ نا ٹوٹی تو آپؐ اپنا کام چھوڑ کر اس پر ایک ضرب لگا دیتے اور وہ چکنا چور ہو جاتی۔ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خندق کی کھُدائی میں تمام مسلمانوں کے ساتھ برابر شریک رہے اسی طرح جس طرح مسجد نبویؐ کے بنانے میں بھی برابر کے شریک رہے تھے۔ بیس دن میں بالآخر جاڑے کی شدت اور فاقہ کشی کی صعوبت سے بے نیاز شب و روز کی کاوش سے تین ہزار متبرک ہاتھوں سے یہ خندق انجام پائی۔
سلع کی پہاڑی کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی گئی۔ مستورات شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیج دی گئیں اور ان کی حفاظت کے لئے حضرت سلمہ بن اسلم کو تین سو آدمیوں کے ساتھ متعین کیا گیا کہ ادھر سے کوئی حملہ نہ کرنے پائے۔ یہ اہتمام اس لئے کیا تھا کہ بنو قریظہ کے حملے کا شدید خطرہ تھا۔ کیونکہ یہ قبیلہ بھی دشمن اسلام میں سے تھا بنو قریظہ کے یہود اب تک الگ تھے لیکن ان کافروں نے ان کو ملانے کے لئے بھی سازشیں شروع کر دیں اور انھوں نے حیی بن اخطب (حضرت صفیہ کے باپ) کو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس بھیجا اس نے (کعب بن اسد نے) ملنے سے انکار کر دیا۔ لیکن حیی نے کہا تین فوجوں کا دریائے بیکراں لایا ہوں۔ قریش اور تمام عرب اُمنڈ آیا ہے۔ اور سب ایک محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خون کے پیاسے ہیں۔ یہ موقع ہاتھ سے دینے کے قابل نہیں۔ اب اسلام کا خاتمہ ہے۔ کعب اب بھی راضی نہیں ہوا اور اس نے کہا کہ میں عہد شکنی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہمیشہ سچا پایا ہے لیکن آخر کار حیی ابن اخطب کی سحر بیانی سے ان کا دل یہودیوں کی طرح موم اور مسلمانوں کی طرف سے متنفر ہو گیا اور مخالفت اسلام پر تیار ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپؐ نے سرداران انصار سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو ان کے پاس بھیجا کہ وہ اس بات کی تصدیق کریں اور ساتھ میں تاکید فرمائی کہ اس کے نقض عہد کو اس طرح مبہم الفاظ میں بیان کرنا کہ کوئی سمجھ نہ سکے۔ جب یہ دونوں اس کے پاس پہنچے تو تیور بدلے ہوئے پائے۔ آپ دونوں نے آکر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلع فرمایا لیکن بڑی احتیاط سے حقیقت حال عرض کی۔ یہ عمل اس لئے کیا گیا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کو اس کی اطلاع مل جائے اور وہ دل برداشتہ ہو جائیں۔ غرضیکہ بنو قریظہ نے اس بے شمار فوج میں اور اضافہ کر دیا۔ اب چوبیس ہزار سے زیادہ جمعیت کا لشکر سمندر کی طرح موجیں مارتا ہوا مدینہ کی طرف بڑھا لیکن غیر متوقع خندق دیکھ کر اس کے اٹھتے ہوئے قدم اچانک رک گئے اور تمام فوج محو حیرت رہ گئی۔ کیونکہ انھیں اس طریقۂ جنگ کا علم نہیں تھا۔ ادھر مسلمان بھی اتنی بڑی فوج دیکھ کر گھبرا گئے اور ان کی نظروں میں مدینہ کی زمین دھلنے لگی۔ قرآن پاک نے اس کی منظر کشی کی ہے ارشاد ربانی ہے کہ۔

ترجمہ۔

"جب کہ دشمن اوپر کی طرف اور نشیب کی طرف سے آپڑے اور جب آنکھیں ڈھکنے لگیں اور کلیجے منہ میں آگئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے تب مسلمانوں کی جانچ کا وقت آیا اور وہ سب کے سب زور زور سے لرزنے لگے"۔ (پ۲۱ آیت ۱۰-۱۱ سورہ احزاب)۔

کفار نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی جبل سلع کو جو بالکل متصل تھا پشت پر لے کر صف آرائی کی۔ لشکر اسلام تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ اور خندق کے تین مختلف حصوں پر مقرر کیا گیا۔

محاصرہ کی مدت بڑھنے کے ساتھ ہی تکلیف و مصائب میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ سردی شدت پر تھی۔ محاصرہ کو تین ہفتے گزر چکے تھے۔ کفار کی بے شمار افواج چاروں طرف سے شہر کو گھیرے ہوئے تھی اور تمام شہر طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا تھا۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات رات بھر عالم اضطراب میں بیدار رہتے تھے۔ جناب ام سلمہ فرماتی ہیں میں اکثر غزوات میں مثلاً مریسیع۔ خیبر۔ حدیبیہ۔ فتح مکہ اور حنین اور خندق میں آنحضرتؐ کے ہمراہ تھی لیکن کسی غزوہ میں آپؐ کو ایسی تکلیف اور اتنا اضطراب نہیں ہوا تھا۔ جتنا خندق میں۔ رات رات بھر جاگتے کٹ جاتی تھی۔ ہمیشہ باہر نکل نکل کر ہر مورچے پر خود تشریف لے جاتے تھے اور نگہبانوں اور پاسبانوں کو خود دیکھ کر آتے اور ہوشیار فرماتے تھے"۔

تقریباً ایک مہینے تک اس سختی سے محاصرہ قائم رہا کہ آپؐ اور صحابہ پر تین تین فاقے گذر گئے ایک دن صحابہ نے بے تاب ہو کر آپؐ کے سامنے اپنے شکم کھول کر دکھائے کہ پتھر بندھے ہیں۔ لیکن جب آپؐ نے شکم مبارک کھولا تو ایک کی بجائے دو پتھر تھے۔

کفار کی طرف سے حملہ کا یہ انتظام کیا گیا تھا کہ قریش کے مشہور جنرل یعنی ابوسفیان، خالد بن ولید عمرو بن العاص۔ ضرار بن الخطاب، جبیرہ کا ایک ایک دن مقرر ہوا۔ ہر جنرل اپنی باری کے دن پوری فوج کو

لے کر لڑتا تھا۔ وہ لوگ خندق کو عبور تو نہیں کر سکتے تھے اس لئے باہر سے پتھر اور تیر برساتے تھے اس دوران میں ایک آدھ کافر خندق پھلانگ کر آنے کی کوشش بھی کرتا تھا تو مسلمان اس کو تیر مار کر ہلاک کر دیتے تھے۔ کفار مدینہ میں داخل ہونے کا راستہ ڈھونڈ رہے تھے۔ چنانچہ ایک دن ان کو خندق کا تنگ حصہ مل گیا۔ اور اس راستے سے عمرو بن عبدود ضرار، جبیرہ، نوفل مدینہ میں داخل ہو گئے۔ ان میں سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبدود تھا وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ جنگ بدر میں زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہیں لوں گا بالوں میں تیل نہیں ڈالوں گا۔ اس وقت عمرو بن عبدود کی عمر ۹۰ برس کی تھی تاہم سب سے پہلے وہی آگے بڑھا اور عرب کے دستور کے مطابق پکار کر مقابلے کو کون آتا ہے۔ مسلمان پہلے ہی سے عمرو بن عبدود کی وجہ سے خوفزدہ تھے کیونکہ اس کی بہادری کا سکہ دونوں جگہ (یعنی مکہ و مدینہ) بیٹھا ہوا تھا۔ مسلمانوں میں کسی کی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس کے مقابلے کو جائیں۔

علامہ شبلی نعمانی اس واقعہ کو اس طرح لکھتے ہیں کہ یہ شخص سب سے پہلے آگے بڑھا اور پکارا کہ کون مقابلے کو آتا ہے؟ حضرت علی نے اٹھ کر کہا "میں" لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے روکا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے۔ حضرت علی بیٹھ گئے۔ لیکن عمرو کی آواز کا اور کسی طرف سے جواب نہیں آتا تھا۔ عمرو نے دوبارہ پکارا اور پھر صرف وہی ایک صدا جواب میں تھی۔ تیسری دفعہ جب آپؐ نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے تو حضرت علی نے عرض کی ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو ہے۔ غرض آپؐ نے اجازت دی خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی سر پر عمامہ باندھا۔

(سیرۃ النبی جلد اول ص ۴۳۶)

حافظ جمال الدین فضل اللہ۔ محدث شیرازی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت علی کی رخصت ہونے کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

ترجمہ۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تلوار خاص ذوالفقار حضرت علی کو عنایت کی اپنی زرہ اپنے ہاتھوں سے پہنائی۔ اپنی دستار مبارک ان کے سر پر رکھی۔ اور روایت کے موافق ان کے سر پر اپنے دست مبارک سے عمامہ باندھا اور کہا بار خدایا تو عمرو کے مقابلہ میں علی کی مدد کر اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور کہا کہ الہٰی تو نے عبیدہ کو بدر کے دن مجھ سے لے لیا اور حمزہ کو احد کے دن مجھ سے جدا کر لیا۔ یہ بھی میرا بھائی اور ابن عم ہے تو مجھے تنہا نہ فرما۔ حالانکہ تو سب سے بہتر وارث ہے۔"

غرضیکہ حضرت علی میدان میں آئے۔ عمرو بن عبدود نے دستور عرب جنگ کے مطابق آپؑ کا حسب و نسب پوچھا تو حضرت علی نے کہا میں علی ابن ابی طالب ہوں۔ رسول اللہؐ کا بھائی اور داماد ہوں۔ عمرو متعجب ہو کر کہنے لگا تم ابی طالب کے بیٹے ہو ابو طالب تو میرے بڑے دوستوں میں سے تھے۔ تم لوٹ جاؤ مجھے یہ گوارا نہیں کہ میرا نیزہ تم کو

زخمی کرے۔ حضرت علی نے کہا عمرو یہ باتیں چھوڑ دے۔ جو میں کہتا ہوں سن۔ اگر تیرا جی چاہے تو میری بات کو مان لے۔ ورنہ نہیں۔ عمرو بولا، کہو کیا کہتے ہو۔ آپؑ نے کہا تمام عرب میں مشہور ہے کہ تو اپنے مقابل کی تین باتوں میں سے ایک بات کو ضرور اس کی درخواست کے وقت قبول کر لیتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو میری بھی تجھ سے تین درخواستیں ہیں ان میں جو تجھے پسند ہو اس کے مطابق عمل کر۔ عمرو بن عبدود بولا کہو۔

علامہ شبلی نعمانی حضرت علی اور عمرو کی گفتگو کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

حضرت علی: میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام لا۔

عمرو: یہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت علی: لڑائی سے واپس چلا جا۔

عمرو: میں خاتونانِ قریش کا طعنہ نہیں سن سکتا۔

حضرت علی: مجھ سے معرکہ آرا ہو۔

عمرو: ہنسا اور کہا مجھ کو امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائے گی۔ حضرت علی پیادہ تھے۔ عمرو کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا۔ گھوڑے سے اتر آیا اور پہلی تلوار گھوڑے کے پاؤں پر ماری کہ کونچیں کٹ گئیں۔ پھر پوچھا تم کون ہو۔ آپؑ نے نام بتایا۔ اس نے کہا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ آپؑ نے فرمایا "لیکن میں چاہتا ہوں" عمرو اب غصے سے بے تاب تھا۔ پر تلے سے تلوار نکالی اور آگے بڑھ کر وار کیا۔ حضرت علی نے سپر پر روکا لیکن تلوار سپر میں ڈوب کر نکل آئی۔ اور پیشانی پر لگی۔ گو زخم کاری نہ تھا تاہم یہ طغرا آپؑ کی پیشانی پر یادگار رہ گیا۔ قاموس میں لکھا ہے کہ حضرت علی کو ذوالقرنین بھی کہتے ہیں۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ آپؑ کی پیشانی پر دو زخموں کے نشان تھے۔ ایک عمرو کے ہاتھ کا اور ایک ابن ملجم کا۔ دشمن کا وار ہو چکا تو حضرت علی نے وار کیا۔ ان کی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اتر آئی۔ ساتھ ہی حضرت علی نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا۔ عمرو کے بعد ضرار اور جبیرہ نے حملہ کیا لیکن ذوالفقار کا ہاتھ بڑھا تو پیچھے ہٹنا پڑا۔ حضرت عمر فاروق نے ضرار کا تعاقب کیا ضرار نے مڑ کر برچھے کا وار کرنا چاہا لیکن روک لیا اور کہا عمر! اس احسان کو یاد رکھنا۔ نوفل بھاگتا ہوا خندق میں گر گیا۔ صحابہ نے تیر مارنے شروع کئے۔ اس نے کہا مسلمانو! میں شریفانہ موت چاہتا ہوں۔ حضرت علی نے درخواست منظور کی۔ اور خندق میں اتر کر تلوار سے مارا کہ شریفوں کے شایان تھا۔

(علامہ شبلی سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۴۲۷-۴۲۸)

حضرت علی مرتضٰی نے جنگ خندق میں وہ شجاعت و بہادری دکھائی کہ تاریخ اس کی مثال آج تک نہ پیش کر سکی۔ حضرت علی کی ایک ہی تلوار نے عمرو بن عبدود کا سر تن سے جدا کر دیا۔ آپ عمرو کا سر لے کر آنحضرت صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپؐ کے قدم مبارک میں سر کو ڈال دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ امام حاکم مستدرک میں۔ امام دیلمی فردوس الاخبار میں۔ محدث شیرازی روضۃ الاحباب میں اور محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی کی اسناد سے لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن عبدود کا سر دیکھ کر ارشاد فرمایا۔ خندق کے روز عمرو بن عبدود کے ساتھ علی کی لڑائی میری امت کے تمام اعمال سے جو وہ قیامت تک بجا لائیں گے بہتر ہے۔ (روضۃ الاحباب صـ ۲۶۷)

یہ بھی روایت ہے آپؐ نے فرمایا ضربۃ علی یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین (خندق کی لڑائی میں علیؑ کی ضربت جن والنس کی عبادت سے بہتر ہے) اور حضرت علی کے حق میں دعا فرمائی اور اپنی تلوار ذوالفقار آپ کو عطا کی۔ (یہ روایت مستدرک جلد ۲ صـ ۳۲ پر تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ہے)

حضرت علی نے دستور عرب کے مطابق اس کا اسباب نہیں لیا۔ خندق کی لڑائی مسلمانوں کے لئے بہت سخت تھی۔ اور خاص کر اس دن کا حملہ تو بہت سخت تھا کفار ہر طرف سے تیر و نیزہ اور پتھر برسا رہے تھے۔ اور ایک دم کے لئے بھی یہ حملہ کم نہیں ہو رہا تھا۔ یہی وہ دن ہے کہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متصل چار نمازیں قضا ہوئیں۔

مستورات جس قلعہ میں تھیں بنو قریظہ کی آبادی کے متصل تھا۔ یہودیوں نے یہ دیکھ کر کہ تمام مسلمان تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہیں قلعہ پر حملہ کر دیا۔ ایک یہودی قلعہ کے دروازے تک پہنچ گیا اور حملہ کرنا چاہا۔ جناب صفیہ نے (آنحضرتؐ کی پھوپھی) نے دیکھ لیا اور خیمہ کی ایک چوب اکھاڑ کر اس کے سر پر ماردی جس سے وہ فوراً ختم ہو گیا۔ پھر آپؐ نے اس کا سر کاٹ کر قلعے کے نیچے پھینک دیا تاکہ یہودی یہ سمجھیں کہ یہاں بھی فوج متعین ہے۔

محاصرہ جس قدر طول پکڑ رہا تھا دشمنوں کی ہمتیں بھی پست ہو رہی تھیں۔ سردی اپنے عروج پر تھی اور ساتھ میں تیز ہوائیں بھی چل رہی تھیں۔ آخر خداوند تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کا ساتھ اس طرح دیا کہ ایک طرف تو یہودیوں اور مشرکوں میں پھوٹ ڈلوادی اور دوسری طرف ایک رات اتنی سخت بارش ہوئی اور طوفان آیا کہ ان کے خیمے اکھڑ گئے۔ اور اس طرح کافروں پر مسلمانوں کا بہت رعب پڑ گیا۔ اور وہ سمجھے کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جادو سے ہوا ہے اس واقعہ کا ذکر قرآن پاک میں اس طرح ہے کہ

"مسلمانو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو۔ جب کہ تم پر فوجیں آپڑیں تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور فوجیں بھیجیں جو تم کو دکھائی نہیں دیتی تھیں" (سورہ احزاب پ ۲۱ آیت ۹)

غرضیکہ کفار اس واقعہ کے بعد راتوں رات میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا جانی نقصان کم ہوا۔ لیکن انصار کے سب سے بہادر حضرت سعد بن معاذ جو قبیلۂ اوس کے سردار تھے شہید ہو گئے۔ اس جنگ

میں سوائے حضرت علی کے کسی کا کارنامہ نہیں ملتا۔ آپ نے جس شجاعت، بہادری اور عزم و استقلال کا اس جنگ میں کام کیا تھا۔ اس کو تاریخ رہتی دُنیا تک یاد رکھے گی۔ دوست تو کیا دشمنوں تک نے آپؑ کی شجاعت اور بہادری کا اعتراف کیا ہے۔ جس وقت آپ جنگ کے لئے جارہے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ آج کُلِ ایمان کُلِ کفر کے مقابل جارہا ہے۔ اسی لئے خداوند تعالیٰ نے حضرت علی کا ساتھ دیا۔ اور مسلمانوں کو فتح و نصرت نصیب کی۔ اور ایک بڑی مصیبت سے نجات دی۔

جنگِ احزاب کا مکمل ذکر پارہ ۲۱ سورہ احزاب میں موجود ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے کہ۔

ترجمہ۔

اے ایمان دارو! خدا کی ان نعمتوں کو یاد کرو جو اس نے تم پر نازل کی ہیں۔ (جنگ خندق میں) جب تم پر (کافروں کا) لشکر (اُمنڈ کے) آپڑا تو ہم نے (تمہاری مدد کو) ان پر آندھی بھیجی اور اس کے علاوہ (فرشتوں کا) ایسا لشکر (بھیجا) جس کو تم نے دیکھا تک نہیں۔ اور جو کچھ کر رہے ہو خدا اسے خوب دیکھ رہا تھا۔۹ جس میں وہ لوگ تم پر تمہارے اُوپر سے آپڑے اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی پل پڑے۔ اور جس وقت ان کی کثرت سے) تمہاری آنکھیں خیرہ ہو گئی تھیں اور (خوف سے) کلیجے مُنہ کو آ گئے تھے اور خدا پر طرح طرح کے (بُرے) خیال کرنے لگے تھے۱۰ یہاں پر مومنوں کا امتحان لیا گیا تھا۔ اور خوب اچھی طرح جھنجھوڑے گئے تھے۱۱ اور جس وقت منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا کہنے لگے تھے کہ خدا نے اور اس کے رسولؐ نے جو ہم سے وعدے کئے تھے وہ سب بالکل دھوکے کی ٹٹی تھی۱۲ اور جب ان میں کا ایک گروہ کہنے لگا تھا کہ اے مدینہ والو اب (دشمن کے مقابلہ میں) تمہارا کہیں ٹھکانہ نہیں تو (بہتر ہے کہ اب بھی) پلٹ جاؤ اور ان میں سے کچھ لوگ رسولؐ سے (گھر لوٹ جانے کی) اجازت مانگنے لگے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے گھر (مردوں سے) بالکل خالی (غیر محفوظ) پڑے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ خالی (غیر محفوظ) نہ تھے۔ (بلکہ) وہ تو (اسی بہانہ سے) سب بھاگنا چاہتے ہیں۱۳ اور اگر (ایسا ہی لشکر) ان لوگوں پر مدینہ کے اطراف سے آپڑے اور ان سے فساد (خانہ جنگی کرنے کی) درخواست کی جائے تو یہ لوگ اس کے لئے فوراً موجود ہوں اور (اس وقت) اپنے گھروں میں بھی بہت کم توقف کریں گے۱۴ (مگر یہ تو جہاد ہے) حالانکہ ان لوگوں نے پہلے ہی سے خدا سے عہد کیا تھا کہ ہم (دشمن کے مقابلے میں اپنی) پیٹھ نہ پھیریں گے اور خدا کے عہد کی پوچھ گچھ تو (ایک نہ ایک دن) ہو کر رہے گی۱۵ (اے رسولؐ ان سے) کہدو کہ اگر تم موت یا قتل کے خوف سے بھاگے بھی تو (یہ) بھاگنا تمہیں ہرگز کچھ مفید نہ ہو گا اور (اگر تم بھاگ کر بچ بھی گئے) تو بس یہی نہ کہ (دُنیا میں) چند روز اور چین کر لو۱۶ (اے رسولؐ) تم ان سے کہہ دو کہ خُدا تمہارے ساتھ بُرائی کا ارادہ کر بیٹھے تو تمہیں اس (کے عذاب) سے کون ایسا ہے جو بچا لے یا بھلائی ہی کرنا چاہے (تو کون روک سکتا ہے) اور یہ

لوگ خدا کے سوا نہ تو کسی کو اپنا سرپرست پائیں گے اور نہ مددگار ۱۷ تم میں سے جو لوگ (دوسروں کو جہاد سے) روکتے ہیں خدا ان کو خوب جانتا ہے اور (ان کو بھی خوب جانتا ہے) جو اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس چلے بھی آؤ ۱۸ اور خود بھی (فقط چھڑا چھیڑانے کو) لڑائی (کے کھیت) میں بس ایک ذرا سا آکر تم سے اپنی جان چرائی (اور چل دیئے) اور جب (ان پر) کوئی خوف (کا موقع) آپڑا تو تم دیکھتے ہو کہ (پاس سے) تمہاری طرف دیکھتے ہیں۔ اور ان کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جیسے کسی شخص پر موت کی بے ہوشی چھا جائے۔ پھر جب خوف (کا موقع) جاتا رہا (ایمان داروں کی فتح ہوئی) تو مال غنیمت پر گرتے پڑتے فوراً تم پر اپنی تیز زبانوں سے طعن کرنے لگے۔ یہ لوگ (شروع سے) ایمان ہی نہیں لائے۔ (فقط زبانی جمع خرچ تھا) تو خدا نے بھی ان کا کیا کرایا سب اکارت کر دیا اور یہ تو خدا کے واسطے ایک (نہایت) آسان بات تھی ۱۹ (مدینہ کا محاصرہ کرنے والے چل بھی دیئے مگر) یہ لوگ ابھی یہی سمجھ رہے ہیں کہ (کافروں کے) لشکر ابھی نہیں گئے اور اگر کہیں (کفار کا) لشکر پھر آپہنچے تو یہ لوگ چاہیں گے کہ کاش وہ جنگلوں میں گنواروں میں جا بستے اور (وہیں سے بیٹھے بیٹھے) تمہارے حالات دریافت کرتے رہتے اور اگر ان کو تم لوگوں میں رہنا پڑتا تو فقط (چھڑا چھڑانے کو) ذرا (کہیں) لڑتے ۲۰ (مسلمانو) تمہارے واسطے تو خود رسول اللہ کا (خندق میں بیٹھنا) ایک اچھا نمونہ تھا (مگر ہاں یہ) اس شخص کے واسطے ہے جو خدا اور روز آخرت کی امید رکھتا ہو اور خدا کی یاد بکثرت کرتا ہو ۲۱ اور جب سچے ایمانداروں نے (کفار کے) جمگھٹوں کو دیکھا تو (بے تکلف) کہنے لگے کہ یہ وہی چیز تو ہے جس کا ہم سے خدا نے اور اس کے رسولؐ نے وعدہ کیا تھا (اس کی پرواہ کیا ہے) اور خدا نے اور اس کے رسولؐ نے بالکل ٹھیک کہا تھا اور (اس کے دیکھنے سے) ان کا ایمان اور ان کی اطاعت اور بھی زیادہ ہو گئی ۲۲ ایمان داروں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ خدا سے انھوں نے (جان نثاری کا) جو عہد کیا تھا اسے پورا کر دکھایا۔ غرض ان میں سے بعض وہ ہیں جو (مرکر) اپنا وقت پورا کر گئے اور ان میں بعض (حکم خدا کے) منتظر بیٹھے ہیں اور ان لوگوں نے (اپنی بات) ذرا بھی نہیں بدلی ۲۳ (یہ امتحان اس لئے تھا) تاکہ خدا سچے (ایمان داروں) کو ان کی سچائی کی جزا ئے خیر دے اور اگر چاہے تو منافقین کو سزا دے یا (اگر وہ لوگ توبہ کریں تو خدا) ان کی توبہ قبول فرمائے اس میں شک نہیں کہ خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے ۲۴ اور خدا نے (اپنی قدرت سے) کافروں کو مدینہ سے پھیر دیا۔ (اور وہ لوگ) اپنی جھنجھلاہٹ میں (پھر گئے) اور انھیں کچھ فائدہ بھی نہ ہوا۔ اور خدا نے (اپنی مہربانی سے) مومنین کو لڑنے کی نوبت نہ آنے دی اور خدا تو (بڑا) زبردست (اور) غالب ہے ۲۵۔ (سورہ احزاب پ ۲۱)

غزوۂ خیبر ۶ھ یا اول ۷ھ

خیبر کے معنی عبرانی زبان میں قلعہ کے ہیں مگر عام طور پر خیبر اس علاقے کو کہا جاتا تھا جہاں یہودیوں کے

کئی قلعے تھے۔ یہ مقام مدینہ سے اسّی یا پچاسی میل پر آباد تھا۔
یہ یہودی طاقت کا بڑا مرکز تھا۔ مدینہ سے جب بنو نضیر جلاوطن ہو کر خیبر میں آباد ہوئے تو انہوں نے تمام عرب میں اسلام کے خلاف سازشیں شروع کر دی تھیں۔ جس کی واضح مثال جنگ احزاب ہے۔ ان رؤسائے بنو نضیر میں سے حیی بن اخطب جنگ قریظہ میں قتل ہو گیا تھا اور اس کی جگہ ابو رافع سلام بن ابی الحقیق جانشین ہوا۔ یہ بہت بڑا تاجر اور بااثر شخص تھا۔ قبیلۂ غطفان جو عرب کا بہت مشہور قبیلہ تھا خیبر سے ملا ہوا تھا اور یہ قبیلہ یہود خیبر کا ہمیشہ سے حلیف تھا۔ ۶ھ میں سلام نے خود جا کر غطفان اور ان کے آس پاس کے قبیلوں کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ اور ایک عظیم الشان فوج تیار کر لی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس بات کی اطلاع ملی تو آپؐ کی اجازت سے (رمضان ۶ھ) حضرت عبداللہ بن عتیک نے خیبر جا کر سلام بن الحقیق کو قتل کر دیا۔ اس کے (سلام) بعد یہودیوں نے اُسیر بن زرام کو مسندِ ریاست پر بٹھایا۔ علامہ شبلی سیرۃ النبیؐ جلد اوّل میں لکھتے ہیں کہ۔

"اسیر نے قبائل یہود کو جمع کر کے تقریر کی اور کہا کہ میرے پیشروؤں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مقابلے میں جو تدبیریں کیں وہ غلط تھیں۔ صحیح تدبیر یہ ہے کہ خود محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دارالریاست پر حملہ کیا جائے اور میں یہی طریقہ اختیار کروں گا۔"

چنانچہ اس نے غطفان اور دوسرے قبائل کا خود دورہ کیا۔ اور ایک بڑی فوج جمع کر لی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو آپؐ نے تحقیق کرنے کے لئے عبداللہ بن رواحہ کو چند آدمیوں کے ساتھ خیبر بھیجا کہ وہ صحیح صورتِ حال معلوم کریں۔ چنانچہ عبداللہ بن رواحہ نے چھپ کر اُسیر کی زبانی اس کی تدبیریں اور مشورے سن لئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آ کر آپ نے تمام حالات بیان کر دیئے۔ تمام حالات معلوم ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ کو تیس ۳۰ آدمیوں کے ہمراہ خیبر کو روانہ کیا۔ اور اُسیر بن زرام سے کہلایا کہ وہ مدینے آ کر صلح کی گفتگو کرے۔ اُسیر چند (بعض کے مطابق تیس آدمیوں) آدمیوں کے ہمراہ عبداللہ کے ساتھ مدینہ روانہ ہوا۔ راستے میں اُسیر نے ایک مسلمان سے تلوار چھین لینے کی کوشش کی۔ عبداللہ بن رواحہ نے بدگمان ہو کر فوراً اس کو قتل کر دیا۔ اور اس کے دوسرے ساتھی بھی مارے گئے۔ صرف ایک آدمی باقی بچا۔ اس واقعہ نے جنگ کے شعلے یہودیوں میں بھڑکا دیئے۔

خیبر کے یہودی ادھر تو غطفان سے اسلام کے خلاف سازشیں کر رہے تھے ادھر منافقین مدینہ مسلمانوں کی خبریں بھی برابر پہنچا رہے تھے کہ مسلمانوں سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں وہ بڑی مختصر جماعت ہے۔ اس لئے وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ غطفان کا ایک بڑا قبیلہ قبیلۂ بنو فزارہ تھا جب اس کو معلوم ہوا کہ

خیبر والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کرنے والے ہیں تو وہ بھی خود جا کر ان کے ساتھ ہو لیا۔ آپ نے خط کے ذریعہ ان سے معاہدہ کرنا چاہا کہ وہ یہود خیبر کا ساتھ نہ دیں تو وہ خیبر فتح ہونے کے بعد ان کو بھی حق دیں گے لیکن بنو فزارہ نے صاف انکار کر دیا۔

غرضیکہ تمام یہود عرب اسلام کے خلاف یکجا ہو گئے اور مدینہ پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں چنانچہ آپ نے بھی لشکر اسلام کو تیاری کا حکم دے دیا۔

تاریخ روضۃ الصفا ص۱۲۹ جلد دوم میں ہے کہ "جب پیغمبر اسلام صلح حدیبیہ سے واپس ہوئے تو آپ نے چند روز آرام کیا اس کے بعد رؤسا و اُمراء مہاجرین و انصار کو حکم دیا کہ لشکر تیار کریں کہ مجھ کو خیبر کی جانب جانا ہے۔ اور کوئی شخص ہمارے ساتھ نہ جائے جس کی غرض بجز جہاد کے کچھ اور ہو۔ ایسا اس لئے کہا تھا کہ جس کسی کو مال و دنیا کی حرص ہو اور مال غنیمت کا طالب ہو وہ نہ جائے۔"

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ "یہ پہلا غزوہ ہے جس میں یہ پردہ اٹھا دیا گیا اور اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اس لڑائی میں صرف وہ لوگ شریک ہوں جن کا مقصد محض جہاد اور اعلان کلمۃ اللہ ہو۔" (سیرۃ النبیؐ جلد اول ص۴۷۰)

غرض آپ یہود کے حملے کی مدافعت کے لئے مدینہ منورہ سے سولہ سو مسلمانوں کی جمعیت لے کر ۷ھ کو خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ اور بمقام رجیع میں فوجیں اُترنے کا حکم دیا۔ (یہ جگہ غطفان اور خیبر کے بیچ میں ہے)۔ آپ نے یہیں خیمہ نصب کیا اور سامان و مستورات کو یہاں پر چھوڑا۔ اور خیبر کی جانب فوجیں بڑھیں۔ خیبر کے یہودی قلعہ بند تھے ان لوگوں کو قلعہ بندی پر بڑا ناز تھا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ مسلمان غیر تربیت یافتہ ہیں اس لئے ہمارا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اسی انداز میں لڑائی کا آغاز کر دیا اور یہودیوں سے قلعے میں لڑتے رہے۔ تقریباً سات قلعے تھے۔ سب سے پہلے قلعہ ناعم پر فوجیں بڑھیں اور اس کو فتح کیا اس کے بعد تمام قلعے تو تقریباً مسلمانوں نے فتح کر لئے کیونکہ ان قلعوں میں فوجی طاقت زیادہ نہیں تھی لیکن قلعہ قموص کو کوئی فتح نہیں کر سکا۔ کیونکہ اس قلعے میں یہودیوں نے تمام طاقت جمع کر رکھی تھی اور بڑے بڑے دلیر اور بہادر اس میں موجود تھے۔ اور خاص کر یہ قلعہ مرحب کی آماجگاہ تھی۔ مرحب کی طاقت ہزار فوجیوں کے برابر تھی۔ اس واقعہ کو علامہ شبلی نعمانی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ

"سب قلعے جلد جلد فتح ہو گئے لیکن وطیح وسلالم جن پر عرب کا مشہور بہادر مرحب قابض تھا آسانی سے فتح نہیں ہو سکتے تھے۔ آپؐ نے حضرت ابوبکر کو سپہ سالار بنا کر بھیجا لیکن وہ ناکام آئے پھر حضرت عمر مامور ہوئے وہ برابر دو دن جا جا کر لڑے لیکن دونوں دن ناکام رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

یہ دیکھ کر فرمایا کہ کل میں علَم ایسے شخص کو دوں گا جو حملہ آور ہوگا اگلے دن اکابر صحابہ علَم نبوی کی امید میں بڑے سرو سامان سے ہتھیار سجا سجا کر آئے ان میں حضرت عمر بھی تھے اور ان کا خود بیان ہے کہ میں نے کبھی اس موقع کے سوا علَم برداری اور افسری کی آرزو نہیں کی۔ لیکن قضا و قدر نے یہ فخر حضرت علی کے لئے اٹھا رکھا تھا چنانچہ آپؐ نے کسی کی طرف توجہ نہیں کی اور حضرت علی کو بلا کر علَم ان کو عنایت کیا۔ مرحب حضرت علی کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس کے قتل پر اس معرکے کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ (الفاروق)

اسی واقعہ کو علامہ طبری اس طرح بیان کرتے ہیں کہ "ربسا اوقات رسول اللہؐ کو دردِ سر ہو جاتا تھا اس کی وجہ سے وہ کبھی ایک دن اور کبھی دو دن تک باہر تشریف نہ لاتے تھے۔ چنانچہ خیبر آکر آپ کے سر میں درد ہوا اور آپؐ برآمد نہ ہوئے۔ حضرت ابوبکر نے آپؐ کے جھنڈے کو لیا اور حملہ آور ہوئے اور نہایت شدید لڑائی ہوئی اس کے بعد پلٹ آئے پھر حضرت عمر نے جھنڈا لیا حملہ کیا اس مرتبہ بہت زیادہ لڑائی ہوئی مگر وہ بھی بغیر فتح حاصل کئے پلٹ آئے۔ رسول اللہؐ کو اس کی اطلاع دی گئی۔ آپؐ نے فرمایا "میں کل یہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے۔ اور اللہ اور اس کے رسولؐ اسے چاہتے ہیں۔ وہ بزورِ شمشیر قلعہ فتح کرلے گا" علی اس وقت وہاں موجود نہ تھے۔ اس وجہ سے قریش کے ہر فرد کی یہ اُمید تھی کہ شاید اسی کو علَم دیا جائے گا۔ دوسری صبح حضرت علی اپنے اونٹ پر سوار رسول اللہؐ کی فرودگاہ میں آئے اور آپؐ کے خیمے کے قریب آکر انھوں نے اپنا اونٹ بٹھایا۔ ان کی آنکھیں دکھ رہی تھیں قطری کپڑے کی پٹی آنکھوں پر بندھی تھی۔ رسول اللہؐ نے کہا قریب آؤ۔ حضرت علی آپؐ کے قریب آئے۔ آپؐ نے ان کی آنکھوں پر اپنا لعابِ دہن لگا دیا جس سے تکلیف جاتی رہی۔ پھر آپؐ نے ان کو علَم دیا۔ اس کے ساتھ بہت سے صحابہ ان کے ہمراہ ہو گئے حضرت علی نے اس وقت ایک ارغوانی سرخ حلہ پہن رکھا تھا۔ جس کے استر کو انھوں نے باہر کرلیا تھا۔ حضرت علی خیبر پہنچے مرحب قلعے کا رئیس یمانی زرد رنگ کا خود پہنے اس پر انڈے کے برابر ایک قیمتی ترشے ہوئے ہیرے کی کلغی لگائے یہ رجز پڑھتا ہوا میدان میں نکلا۔

قد علمت خیبر انی مرحب   شاکی السلاح بطلٌ مجرّب

(خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں۔ مسلح ہوں۔ دلاور ہوں۔ جنگ آزمودہ ہوں)

حضرت علی نے اس کے جواب میں کہا۔

اِنَّ الَّذِی سَمَّتنِی اُمّی حیدرہ   الیلکم بالسّیف کیل السندرہ

لیث بغابات شدیدٌ قسورہ

(میں وہ ہوں کہ میرا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے۔ میں تلوار سے تمہاری اس طرح قطع برید کروں گا

جس طرح آگ کا درخت کاٹا جاتا ہے۔ میں نہایت ہی تند خو اور بہادر شیر نیستاں ہوں)۔

دونوں نے ایک دوسرے پر وار کئے۔ مگر علی کا وار پہلے ہوا جس سے تلوار ہیرے کا خود اور سر کاٹتی ہوئی مرحب کی داڑھوں تک اُتر گئی اور شہر پر قبضہ کر لیا گیا "۔

("تاریخ طبری حصہ اوّل ص ۳۶۱ تصنیف ابی جعفر محمد بن جریر الطبری۔ ترجمہ سید محمد ابراہیم ایم اے)

اس واقعہ کو ابن اسحاق۔ فتح الباری۔ ابن ہشام۔ ابن اثیر۔ ابن خلدون۔ صحیح بخاری۔ روضۃ الاحباب۔ حبیب السیر۔ منتخب کنز العمال۔ سیرۃ حلبیہ۔ ازالۃ الخفا نے بھی تھوڑے بہت الفاظ کے ردوبدل کے ساتھ لکھا ہے۔ صحیح مسلم میں اس واقعہ کے مطابق مختلف روایات ہیں۔ جن میں سے دو پیش خدمت ہیں۔

قتیبہ بن سعید۔ یعقوب بن عبد الرحمٰن قاری۔ سہیل بواسطہ اپنے والد حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے خیبر کے دن فرمایا یہ جھنڈا میں کل ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں پر فتح عطا کرے گا۔ حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ اس دن کے علاوہ میں نے کبھی بھی امارت کی تمنا نہیں کی۔ پھر میں آپ کے سامنے اسی امید کی وجہ سے آیا کہ آپ مجھے اس کام کے لئے بلاویں لیکن آپ نے حضرت علی کو بلایا اور وہ جھنڈا انہیں دیا۔ اور فرمایا چلے جاؤ کسی طرف التفات نہ کرو۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں پر فتح عطا فرمائے۔ حضرت علی کچھ دور چل کر ٹھہر گئے۔ اور کسی طرف التفات نہیں کیا۔ پھر بلند آواز سے بولے یا رسول اللہ کس بات پر لوگوں سے لڑوں۔ آپ نے فرمایا ان سے لڑو۔ حتیٰ کہ وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیں۔ جب وہ اس بات کی گواہی دے دیں تو انہوں نے اپنی جان اور مال کو محفوظ کر لیا۔ مگر کسی حق کے بدلے اور ان کا حساب اللہ پر ہے "۔

(صحیح مسلم جلد سوم باب ۳۱۴ صفحہ ۵۱۹-۵۲۰)

دوسری روایت اس طرح ہے کہ۔

قتیبہ۔ یعقوب بن عبد الرحمٰن۔ ابو حازم۔ حضرت سہیل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے خیبر کے دن فرمایا البتہ یہ جھنڈا میں ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس رسولؐ سے محبت کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ اس سے محبت کرتے ہیں چنانچہ رات بھر صحابہ کرام ذکر کرتے رہے کہ یہ جھنڈا کس کو ملتا ہے۔ جب صبح ہوئی تو سب کے سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہر ایک اس بات کی تمنا کرتا تھا کہ یہ جھنڈا مجھے مل جائے۔ آپؐ نے فرمایا علی ابن طالب کہاں ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ نہیں ہیں اور ان کی آنکھیں دکھتی ہیں۔ پھر آپؐ نے انھیں بلا بھیجا وہ لائے گئے۔ آپؐ نے ان کی آنکھوں میں تھوکا اور ان کے لئے دعا فرمائی وہ بالکل اچھے ہو گئے گویا کہ انہیں تکلیف ہی نہ تھی۔

پھر آپؐ نے انہیں جھنڈا دیا۔ حضرت علی نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ میں اس سے قتال کروں۔ یہاں تک کہ وہ ہم جیسے ہو جائیں۔ آپؐ نے فرمایا آہستہ چلا جا حتیٰ کہ ان کے میدان میں اُتر۔ پھر انہیں اسلام کی دعوت دے۔ اور اللہ کا حق ان پر واجب ہے۔ انہیں بتا۔ بخدا اگر اللہ تعالیٰ تیرے ذریعہ سے ایک آدمی کو ہدایت کر دے تو یہ تیرے لئے سُرخ اُونٹوں سے زیادہ بہتر ہے۔"

(مولانا عابد والرحمٰن صدیقی صحیح مسلم جلد سوم ص ۳۲۴ ب۔ صنہ ۵۲۰)

غرضیکہ بڑے بڑے صحابہ کو جنگ پر بھیجا لیکن تمام لوگ ناکام واپس آئے پھر شیرِ خدا کو میدانِ جنگ میں بھیجا گیا اور فتح رسولؐ کے ولی علی ابن ابی طالب کو ہوئی۔ حضرت علیؑ کو حکم رسولؐ ملنا تھا کہ آپ علم لے کر خیبر کی طرف چل دیئے۔ اور علم حصار قموص کے نیچے پتھر پر گاڑ دیا۔ اور آگے بڑھے۔ سب سے پہلے جو شخص لڑنے کو آگے بڑھا وہ مرحب کا بھائی حارث تھا۔ حضرت علی نے ایک ہی وار میں اسے قتل کر دیا۔ بھائی کا قتل ہونا تھا کہ مرحب کو غصہ آگیا۔ اور لڑنے کے لئے آگے بڑھا۔ مرحب اپنی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے بڑا مشہور تھا اور اس کی شہرت دُور دُور تھی۔ بڑے بڑے نامور اس کا نام سُن کر گھبرا جاتے تھے۔ لیکن جب شیرِ خدا نے اس کو دیکھا تو ذرا بھی نہ گھبرائے بلکہ بڑے دلیرانہ انداز میں مقابلہ کے لئے بڑھے اور ارشاد فرمایا "میں وہ ہوں کہ میرا نام میری ماں نے حیدر رکھا تھا"۔ حضرت علی درحصل اس کو وہ خواب یاد دلا رہے تھے جس میں اس نے دیکھا تھا کہ شیر اس کو پھاڑ رہا ہے۔ مرحب نے آتے ہی حملہ کیا مگر حضرت علی مرتضٰے نے اس سے بچتے ہوئے اپنی ذوالفقار سے ایسا وار کیا کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر گیا۔ مرحب کے قتل ہوتے ہی یہودیوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ اور وہ بدحواس پھرنے لگے مگر پھر بھی جنگ جاری رہی۔ اس کے بعد عنتر آیا۔ اس کو بھی آپ نے قتل کیا۔ پھر ربیع اور یاسر نام کے بہادروں کو بھی واصل جہنم کیا۔ حضرت علی بڑے جوش و ولولے سے جنگ لڑ رہے تھے کہ اچانک ایک شخص نے آپ کے ہاتھ پر ایسی تلوار ماری کہ آپ کے ہاتھ سے ڈھال گر پڑی۔ ڈھال کا گرنا تھا کہ ایک یہودی اس کو اٹھا کر فوراً بھاگ گیا۔ یہودی کا بھاگنا تھا کہ رسولؐ کے شیر کو جلال آگیا اور فوراً آگے بڑھ کر قلعہ کا دروازہ اکھاڑ لیا اور اسے لے کر لڑنے لگے۔ اس واقعہ کے متعلق طبری نے اپنی تاریخ میں ایک روایت نقل کی ہے جو درج ذیل ہے:۔

" ابو رافع مولیٰ رسولؐ اللہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ نے حضرت علی ابن ابی طالب کو اپنا علم دے کر جنگ میں بھیجا تو ہم بھی اُن کے ساتھ تھے۔ جب علیؑ قلعے کے قریب پہنچے تو اہلِ قلعہ مقابلہ کے لئے برآمد ہوئے۔ حضرت علی ان سے لڑنے لگے۔ ایک یہودی نے تلوار ماری جس سے حضرت علی کی ڈھال ہاتھ سے گر پڑی۔ قلعے کے قریب ہی ایک دروازہ تھا حضرت علی نے اسے اٹھا لیا۔ اور اس سے ڈھال کا کام لینے لگے وہ

اُسے اُٹھائے ہوئے برابر لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے ان کو فتح دی۔ لڑائی سے فارغ ہو کر ہم آٹھ آدمیوں نے جن میں مَیں بھی شامل تھا اس بات کے لئے اپنا پورا زور صرف کر دیا کہ اُسے پلٹیں مگر ایسا نہ کر سکے۔"

اس واقعے کو ابن اسحاق، ابن اثیر، ابن عساکر، سیرۃ حلبیہ اور دوسرے محدثین و مورخین نے بھی تھوڑے بہت ردوبدل کے ساتھ لکھا ہے۔ اس واقعہ پر بعض متاخر کو بڑا اعتراض ہے اور اس راوی کو جس نے یہ روایت بیان کی ہے (معاذ اللہ) رافضی اور شیعہ کہا ہے۔ (واضح رہے کہ یہ صحابی اصحابِ رسول اللہ میں سے ہیں) بقول ان کے ایک دروازے کو حضرت علی نہیں اُٹھا سکتے تھے کیونکہ یہ بہت وزنی تھا۔ اور انسانی طاقت سے باہر تھا لیکن وہ یہ بھول گئے کہ جب ایمان مستحکم ہو اور ایمان کامل ہو تو ایک دروازہ کیا ایک عام انسان بھی بڑا سا بڑا وزن اور آگ تک میں کود سکتا ہے۔ اور وہ بھی اس کے لئے گلزار بن سکتی ہے۔ پھر حضرت علیؑ کی طاقت اور قوت کا اندازہ تو جنگِ خندق میں بخوبی ہو جاتا ہے۔ عمرو بن عبدود کا مقابلہ کون کر سکتا تھا سوائے حضرت علی ابن طالب کے۔ تاریخ کو کون جھٹلا سکتا ہے۔ حضرت علی کا کارنامہ اسلامی تاریخ میں تو کیا غیر مسلم تک کی تاریخوں میں سنہرے لفظوں کے ساتھ ملتا ہے۔ جہاں بعض متاخر حضرت ابورافع کو رافضی اور شیعہ قرار دے کر دشمنی، کدورتِ صحابہ ظاہر کرتے ہیں وہاں وہ اپنے قلم کو بھی کدورتِ حضرت علی سے خالی نہیں رکھ سکتے۔ اور حضرت علی کے لئے ان الفاظوں کا استعمال کیا کہ "صبح کو دفعتہً آواز کانوں میں آئی کہ علی کہاں ہیں۔ یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی کیونکہ جناب موصوف کی آنکھوں میں آشوب تھا۔"

اس تحریر سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ کتنی محبتِ علی رکھتے ہیں۔

غرض کہ دروازے کا ٹوٹنا تھا کہ قلعہ میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ہر طرف سے الامان کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ آپ نے یہ دروازہ خندق پر رکھ دیا۔ اور مسلمانوں کو اس کے ذریعے قلعے میں داخل کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو اس شرط پر امان دے دی کہ وہ اپنا مال و اسباب بطور تاوانِ جنگ مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔ اور ہر شخص ایک بار شتر غلہ اپنے کھانے کو لے لے۔ اور جو شخص اس کی خلاف ورزی کرے گا ان کے ساتھ یہ معاہدہ باقی نہیں رہے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فتح کی ایسی خوشی ہوئی کہ حضرت علی کے استقبال کرنے کے لئے اور مبارک باد کے لئے خود خیمہ سے باہر تشریف لے آئے۔

شیخ طبرسی نے بسند موثق حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ خوشخبری دی گئی کہ جناب امیر المومنین نے قلعہ کو فتح کر لیا تو آپؐ خود قلعہ کی جانب روانہ ہوئے جناب امیر المومنین حضرتؐ کے استقبال کے لئے باہر آئے۔ جب آنحضرتؐ کی نظر حضرت علی پر پڑی فرمایا کہ تمہاری لائق تشکر یہ کوشش اور مردانگی کی اطلاع مجھ کو ملی اور خدا تم سے راضی ہے اور میں تم سے

خوشنود ہوں۔ یہ سُن کر حضرت علیؑ کے آنسو نکل آئے۔ آپؐ نے پوچھا علیؑ روتے کیوں ہو؟ عرض کی خوشی کے آنسو ہیں۔ کیونکہ آپؐ نے بشارت دی کہ خدا و رسولؐ مجھ سے راضی ہیں۔

(حیات القلوب جلد دوم ص ۶۶۴ علامہ مجلسی)

جناب امیرؑ نے جو عورتیں گرفتار کی تھیں ان میں صفیہ دختر حیی بن اخطب بھی تھیں۔ آپ نے حضرت بلال کو بلا کر سپرد کیا اور فرمایا کہ رسول اللہؐ کے سوا کسی کو نہ سپرد کرنا۔ وہ ان کے بارے میں جیسا مناسب سمجھیں گے کریں گے۔ چنانچہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے عقد کر لیا۔

جنگ خیبر ایک بڑی جنگ تھی لیکن خدا نے اپنے حبیب کا ساتھ دیا۔ اور حضرت علیؑ کے ہاتھوں اس جنگ کو بھی فتح نصیب ہوئی۔

صلح حدیبیہ و بیعت رضوان ذی قعدہ ۵ھ یا ۶ھ۔

(بعض مورخین کے مطابق یہ صلح ۵ھ کو ہوئی اور بعض کے مطابق ۶ھ کو ہوئی)۔

مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ایک کنواں ہے جس کو حدیبیہ کہتے ہیں۔ چنانچہ وہاں کا گاؤں بھی اسی کنویں کے نام سے مشہور ہو گیا۔ یہ معاہدۂ صلح یہیں پر لکھا گیا۔ اس لئے یہ اسی کے نام سے مشہور ہو گیا۔

۵ھ یا بعض کے مطابق ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وجوب حج کے لئے آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ آپ نے حج کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ اصحاب کے ساتھ حج کر رہا ہوں۔ خواب میں حج کی بشارت کا ہونا تھا کہ صبح ہی کو حج کا ارادہ کر لیا۔ یہ ذی قعدہ کا مہینہ تھا۔ حج کا طواف دین ابراہیمی تھا اس لئے تمام قبائل بھی اس کو بجا لاتے تھے۔ چنانچہ جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ وہ بھی اب حج کا فریضہ انجام دے سکیں گے تو خوشی کی انتہا نہیں رہی۔ ایک دیرینہ آرزو پوری ہو رہی تھی۔ چنانچہ آپؐ نے تمام عرب میں اعلان کروا دیا لیکن لوگوں نے اس کا مثبت جواب نہیں دیا۔ اس لئے آپ مہاجر و انصار و کچھ عرب کے ساتھ جن کی تعداد مورخین نے مختلف بتائی ہے۔ بعض کے مطابق چودہ سو اور بعض کے مطابق پندرہ سو تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ کو روانہ ہوئے۔

تاریخ طبری میں ہے کہ ذی قعدہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرے کے ارادے سے روانہ ہوئے اس موقع پر آپؐ کی نیت قطعاً جنگ کی نہ تھی۔ آپؐ نے تمام عربوں اور اپنے آس پاس کے بدوی عربوں کو ساتھ چلنے کی دعوت دی۔

آپؐ کو سابقہ تجربوں کی بنا پر قریش کی جانب سے اس بات کا اندیشہ تھا کہ وہ آپؐ سے جنگ

کریں گے۔ یا آپؐ کو بیت اللہ تک نہ جانے دیں گے۔ عربوں میں سے اکثر نے آپؐ کی دعوت قبول نہیں کی اور وہ آپؐ کے پاس نہ آئے۔ اس لئے آپؐ مہاجرین اور انصار اور جو تھوڑے سے عرب آگئے تھے ان کو لے کر مکہ روانہ ہوئے۔ آپؐ نے قربانی کے جانور ساتھ لے لئے اور عمرے کا احرام باندھ لیا تاکہ لوگ آپؐ کی طرف سے بے خطر رہیں اور ان کو معلوم ہو کہ آپؐ صرف بیت اللہ کی تعظیم کی زیارت کو آئے ہیں۔ (تاریخ طبری جلد اول ص ۳۲۵)

غرض یہ کہ جب آپؐ عمرے کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے تو ستر اونٹ قربانی کے لئے ساتھ لئے اور ساتھ ہی یہ حکم دیا کہ احرام باندھ لیا جائے۔ اور کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے۔ صرف تلوار جو عرب کے دستور کے مطابق سفر میں لازم سمجھی جاتی تھی پاس رکھ لی جائے لیکن وہ بھی نیام میں بند ہو۔ مقام ذوالحلیفہ میں پہنچ کر قربانی کی ابتدائی رسمیں ادا کی گئیں۔ یعنی قربانی کے اونٹ جو ساتھ تھے ان کی گردنوں میں قربانی کی علامت کے طور پر لوہے کے نعل لگا دیئے گئے۔

قریش کو جب معلوم ہوا تو وہ گھبرا گئے۔ اور انہوں نے مقابلہ کے لئے بڑے زور و شور سے تیاریاں شروع کر دیں۔ اور خالد بن ولید کو جس میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی شامل تھا۔ دو سو آدمیوں کی قیادت میں مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لئے روانہ کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارادہ جنگ کا نہیں تھا۔ اس لئے آپؐ نے راستہ بدل دیا اور عسفان کا عام رستہ چھوڑ کر ثنیۃ المرار کا راستہ اختیار کیا اور اس راستے سے مقام حدیبیہ میں پہنچ گئے اور یہیں (حدیبیہ) پر قیام کیا۔ یہ مقام حرم مکہ کی حدود میں داخل تھا۔

قبیلہ خزاعہ نے اب تک اسلام نہیں قبول کیا تھا لیکن اسلام کا حلیف تھا اور یہ قبیلہ ہمیشہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ساتھ دیتا تھا۔ چنانچہ جب اس نے سنا تو اس کا سردار بدیل بن ورقا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آیا۔ آپؐ نے اس سے فرمایا کہ تم جا کر قریش سے کہہ دو کہ "ہم حج کی نیت سے آئے ہیں اس لئے ایک مقررہ مدت کے لئے ہم سے صلح کر لیں۔ اور اگر وہ راضی نہیں تو اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں یہاں تک لڑوں گا کہ میری گردن الگ ہو جائے۔ اور خدا کو جو فیصلہ کرنا ہو کر دے"۔ بدیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا پیغام اور شرائط قریش کو بتائے تو وہ مشتعل ہو گئے لیکن عروہ بن مسعود ثقفی نے اٹھ کر کہا کہ میں جا کر اگر تم اجازت دو تو معاملات طے کر لوں۔ غرض وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور قریش کا پیغام سنایا۔

علامہ شبلی نعمانی اس واقعہ کو اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ بدیل نے جا کر قریش سے کہا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے پاس سے پیغام لے کر آیا ہوں۔ اجازت دو تو کہوں۔ چند شریر بول اٹھے کہ ہم کو محمد

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیغام سننے کی ضرورت نہیں لیکن سنجیدہ لوگوں نے اجازت دی۔ بدیل نے آپؐ کی شرطیں پیش کیں۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے اٹھ کر کہا۔ کیوں قریش! رہ کیا میں تمہارا باپ اور تم میرے بچے نہیں؟ بولے ہاں۔ عروہ نے کہا میری نسبت تم کو کوئی بدگمانی تو نہیں سب نے کہا نہیں۔ عروہ نے کہا اچھا تو مجھ کو اجازت دو کہ میں خود جاکر معاملہ طے کروں۔ "محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے معقول شرطیں پیش کی ہیں۔" غرض آپؐ کی خدمت میں آئے قریش کا پیغام سنایا۔ اور کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرض کرو کہ تم نے قریش کا استیصال کردیا تو کیا اس کی کوئی اور بھی مثال ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کردیا ہو۔ اس کے سوا اگر لڑائی کا رُخ بدلا تو تمہارے ساتھ جو یہ بھیڑ بھاڑ ہے گرد کی طرح اُڑ جائے گی۔ حضرت ابوبکر کو اس بدگمانی پر اس قدر غصہ آیا کہ گالی دے کر کہا کہ کیا ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ (علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ ۴۵۱)

عروہ نے جب مسلمانوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عقیدت کا یہ عالم دیکھا تو بڑا متاثر ہوا۔ اور قریش سے جاکر کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شان و شوکت تو قیصر و کسریٰ و نجاشی کے دربار سے بھی زیادہ ہے۔ عروہ کے جانے کے بعد آپؐ نے خراش بن امیہ کو قریش کے پاس بھیجا لیکن وہ بھی راستے سے واپس آ گئے۔ کیونکہ قریش نے ان کی سواری کا اونٹ تو مار ڈالا اور آپ کو بھی مارنے کے درپے تھے کہ آپ بھاگ آئے۔ بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش سے گفتگو کے لئے حضرت عمر کو بھیجنا چاہا۔ حضرت عمر نے معذرت کی اور کہا کہ یارسول اللہ میرے وہاں بہت دشمن ہیں اور کوئی بھی میرا حمایتی نہیں ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ آپ (حضرت) عثمان کو بھیج دیجئے کیونکہ ان کے وہاں عزیز بھی موجود ہیں۔ اور ان کا خاندان بنی امیہ کا چشم چراغ ہے اور پھر ان کا قبیلہ ہی برسر اقتدار ہے۔ الغرض حضرت عثمان کو قاصد بناکر بھیجا گیا۔ قریش نے ان کی بڑی خاطر داری کی اور کہا کہ اگر تمہارا ارادہ حج کرنے کا ہے تو شوق سے کرو۔ لیکن ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نہیں آنے دیں گے۔ حضرت عثمان نے جواب دیا کہ میں بغیر رسول اللہ کے حج نہیں کرسکتا اس پر قریش نے خفا ہو کر انھیں گرفتار کرلیا۔ اور آپ کے ساتھ جو دس مہاجرین آئے تھے انھیں بھی گرفتار کرلیا۔

حضرت عثمان کی واپسی میں تاخیر ہوئی تو افواہ پھیل گئی کہ آپ کو قتل کردیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ سن کر افسوس ہوا اور آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اب لڑائی کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ چنانچہ سب مسلمانوں کو بلاکر جمع کیا۔ اور ان سے عہد و پیمان لیا۔ یہ عہد و پیمان ایک ببول کے درخت کے نیچے لیا گیا اسی لئے اس کو بیعت الرضوان یا بیعت الشجرہ کہتے ہیں۔ اس بیعت میں چودہ سو آدمی شریک تھے۔ یہ لوگ اصحاب الشجرہ کے نام سے مشہور ہیں اسی اثنا میں یہ خبر آئی کہ حضرت عثمان مقتول نہیں ہوئے بلکہ قید کرلئے گئے ہیں۔

ابوبکر بن ابی شیبہ۔ ابن عیینہ۔ نمیر۔ سفیان۔ ابوالزبیر۔ حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ۔

"ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے موت پر بیعت نہیں کی تھی بلکہ (جہاد سے) نہ بھاگنے پر ہم نے آپؐ سے بیعت کی"

(صحیح مسلم جلد سوم باب ۱۸ صہ ۵۴ کتاب الامارۃ)

اسی کتاب سے دوسری روایت اس طرح ہے کہ یحییٰ بن یحییٰ - یزید بن زریع - خالد حکم بن عبداللہ بن الحرج معقل بن یسار بیان کرتے ہیں کہ "میں نے آپ کو شجرہ کے دن دیکھا اور آپؐ لوگوں سے بیعت لے رہے تھے۔ اور میں درخت کی ایک شاخ کو آپؐ کے سر سے اٹھائے ہوئے تھا اور ہم چودہ سو تھے۔ ہم نے آپؐ سے مرنے پر بیعت نہیں کی بلکہ نہ بھاگنے پر کی ہے"

(صحیح مسلم جلد سوم صہ ۵۶-۵۷ باب ۱۷)

اب قریش کو بھی مسلمانوں کے عزم کا صحیح علم ہو گیا تھا۔ چنانچہ ان کی طرف سے سہیل بن عمرو صلح کا پیغام لے کر آیا حضرت عثمان بھی ساتھ آئے۔ گفت و شنید ہوئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح مان لی۔ اور صلحنامہ لکھنے کا حکم دیا۔ حضرت علیؑ نے صلحنامہ لکھنے کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کیا جس پر سہیل کو اعتراض ہوا۔ اور اس نے کہا کہ عرب کے قدیم طریقے کے مطابق باسمک اللّٰھم لکھا جائے۔ رسول اللہؐ نے کہا ٹھیک ہے اور حکم دیا کہ یہی لکھا جائے۔ پھر سہیل کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ رسول اللہؐ لکھنے پر اعتراض ہوا اور کہا کہ اگر ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو رسولؐ مان لیں تو جھگڑا کس بات کا۔ اس لئے آپؐ کے نام کے ساتھ باپ کا نام لکھا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ اور پھر حضرت علی کو حکم دیا کہ اس کو مٹا کر محمدؐ بن عبداللہ لکھ دو۔ لیکن حضرت علیؑ نے کہا کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آپؐ نے خود اپنے ہاتھ سے اس کو مٹا کر اپنا نام لکھ دیا۔ اس کے بعد شرائط لکھی گئیں۔ صلح حدیبیہ کی شرائط حسب ذیل تھیں۔

۱۔ اس سال مسلمان عمرہ نہ کر سکیں گے اس لئے واپس چلے جائیں۔

۲۔ دس سال تک صلح کی میعاد ہے۔ اس عرصے میں ایک فریق دوسرے فریق کی جان و مال سے تعرض نہ کرے گا۔

۳۔ فریقین کے جو ہم عہد اور حلیف ہیں ان پر معاہدہ عائد ہوگا۔

۴۔ سال آئندہ وہ عمرہ کر سکیں گے۔

۵۔ سال آئندہ جب وہ عمرہ کے لئے آئیں تو تلوار کے سوا کوئی ہتھیار ساتھ نہیں لائیں گے اور تلوار بھی نیام میں ہو گی۔

۶۔ تین روز سے زیادہ حرم میں قیام نہ کر سکیں گے۔

۷۔ اگر قریش کے پاس سے کوئی بھاگ کر مسلمانوں میں آ ملے تو اس کو واپس کرنا ہو گا۔ اور اگر کوئی مسلمان کے پاس سے بھاگ کر قریش سے آ ملے تو وہ واپس نہیں کریں گے۔ (کامل ابن اثیر)

علامہ شبلی نعمانی نے معاہدہ کی شرائط اس طرح تحریر کی ہیں کہ۔

۱۔ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔

۲۔ ہتھیار لگا کر نہ آئیں صرف تلوار ساتھ لائیں وہ بھی نیام میں اور نیام میں جلبان (تھیلا وغیرہ) ہیں۔

۳۔ اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔

۴۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

۵۔ کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے۔ لیکن اگر مسلمان مکہ میں جائے تو واپس نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔

(سیرۃ النبیؐ جلد اول ص ۴۵۵-۴۵۶)

یہ شرائط بہت سخت تھیں اور مسلمانوں کو شاق بھی گزر رہی تھیں کہ اتفاق کہ اسی وقت سہیل کا بیٹا حضرت ابوجندل جو مسلمان ہو چکے تھے اور مکہ میں کافروں کی قید میں تھے اور وہ طرح طرح کی اذیتیں بھی برداشت کر رہے تھے کسی طرح بھاگ کر آ گئے۔ آپ پاؤں میں بیڑیاں پہنے ہوئے تھے۔ آپ سب کے سامنے آ کر گر پڑے۔ سہیل نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) صلح کی تعمیل کا یہ پہلا موقع ہے۔ اس کے مطابق (حضرت) ابوجندل کو مجھے واپس کر دو۔ آپؐ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے۔ لیکن اگر تم رہنے دو تو بہتر ہے۔ لیکن سہیل نہ مانا اور مجبوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہنا پڑا کہ ابوجندل واپس چلے جاؤ۔ حضرت ابوجندل نے مجمع میں اپنے زخم دکھائے اور کہا برادرانِ اسلام کیا پھر مجھ کو اسی حالت میں دیکھنا چاہو گے۔ تمام مسلمان تڑپ اٹھے اور حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ "تمام مسلمان تڑپ اٹھے حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور کہا یا رسول اللہ! کیا آپؐ پیغمبر برحق نہیں ہیں آپ نے ارشاد فرمایا "ہاں ہوں"۔ حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہم حق پر ہیں۔" حضرت عمرؓ نے کہا تو ہم دین میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں۔ آپؐ نے فرمایا "میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ خدا میری مدد کرے گا۔" حضرت عمرؓ نے کہا آپؐ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم لوگ کعبہ کا طواف کریں گے آپؐ نے فرمایا "لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال کریں گے"۔ حضرت عمرؓ اٹھ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور یہی گفتگو کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا وہ پیغمبرِ خدا ہیں جو کچھ کرتے ہیں خدا کے حکم سے کرتے ہیں۔ (سیرۃ النبیؐ جلد اول ص ۴۵۶-۴۵۷)

(اس واقعہ کو علامہ طبری نے بھی لکھا ہے اور صحیح بخاری میں بھی روایت ہے)۔

حضرت عمرؓ کو اپنی اس گستاخانہ گفتگو کا تمام عمر رنج رہا۔ اور اس کے کفارہ کے لئے آپ نے نمازیں پڑھیں اور روزے رکھے، خیرات کی، غلام آزاد کئے۔ (علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ جلد اول ص۴۵۷)

غرضیکہ حضرت ابوجندل کو واپس جانا پڑا اس کے بعد آپؐ نے حکم دیا کہ لوگ یہیں قربانی کریں لیکن لوگ شکستہ دل ہو گئے تھے۔ آپؐ کے حکم پر ایک بھی نہیں اُٹھا۔

تاریخ طبری میں ہے کہ اس قصے سے فارغ ہونے کے بعد رسولؐ اللہ نے صحابہ سے فرمایا، اٹھو قربانی کرو اور پھر سر منڈاؤ، مگر کوئی شخص اس کے لئے آمادہ نہیں ہوا۔ آپؐ نے تین مرتبہ یہی ارشاد فرمایا۔ مگر پھر بھی کوئی نہ اٹھا۔ آپؐ حضرت ام سلمہ کے پاس تشریف لے گئے۔ اور ان سے صحابہ کے اس طرزِ عمل کی شکایت کی۔ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسولؐ اگر آپؐ ایسا ہی چاہتے ہیں تو مناسب یہ ہے کہ آپؐ برآمد ہوں اور اب کسی سے ایک لفظ نہ کہیں تو ذو قربانی کے جانور ذبح کریں اور اپنے حجام کو بلا کر اس سے اپنا سر منڈوالیں۔ رسولؐ اللہ نے اسی مشورے پر عمل کیا۔ آپؐ باہر آئے کسی سے بھی کوئی بات نہیں کی اپنی قربانی ذبح کی اور سر منڈوایا۔ صحابہ نے جب آپؐ کو یہ کرتے دیکھا تو سب اُٹھے اور انہوں نے اپنی قربانیاں ذبح کیں۔ اور خود ہی ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔ اور ان کو اپنی اس نافرمانی کا اس قدر رنج ہوا کہ ان کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ سر مونڈنے میں قریب تھا کہ ایک دوسرے کو قتل کر دیں۔

(تاریخ طبری حصہ اول ص۳۳۹)

(علامہ شبلی نعمانی، اور دوسرے مورخین نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے)۔

تاریخ طبری میں ہے کہ اس روز بعضوں نے سر منڈوایا اور بعض نے بال کٹوائے۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا اللہ سر مُنڈوانے والوں پر اپنا رحم فرمائے۔ اللہ سر مُنڈوانے والوں پر اپنا رحم فرمائے۔ (آپؐ نے دو دفعہ فرمایا) صحابہ نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ اور بال کتروانے والوں پر۔ صحابہ نے پوچھا آپؐ نے رحم کے لئے سر منڈوانے والوں کا نام تو لیا مگر بال کتروانے والوں کا ذکر نہیں کیا۔ رسول اللہ نے فرمایا "اس لئے کہ انھوں نے میری بات میں شک نہیں کیا"۔

(تاریخ طبری جلد اول ص۳۳۹)

صلح کے بعد تین دن تک آپؐ نے حدیبیہ میں قیام فرمایا پھر روانہ ہوئے تو راہ میں سورہ فتح نازل ہوئی۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔ (سورہ فتح آیت ۱)

"ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح عنایت کی"

تمام مسلمان جس کو شکست سمجھ رہے تھے خدا نے اس کو فتح قرار دیا۔ اور اس فتح مبین کی خبر کے بعد تمام مسلمان بھی مطمئن ہو گئے۔ اور حقیقت میں صلح حدیبیہ کے بعد اسلام کو بہت ترقی ہوئی۔ اور مکہ میں بھی مسلمانوں کو آزادی سے نماز و قرآن وغیرہ پڑھنے کا موقع ملا اور وہاں کے لوگ بھی مسلمان ہونے لگے۔

فتح مکہ رمضان ۸ھ

۸ھ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت سے عرب قبائل کے سردار بن چکے تھے۔ اور مسلمانوں کے حوصلے بھی اب پہلے سے بہت بلند ہو گئے تھے۔ وہ ہمت اور جرأت میں ایک نئے باب کا اضافہ کر رہے تھے۔ اور اسی لئے غیر مسلموں پر ان کا بڑا اثر تھا لیکن مکہ جو مسلمانوں کا اور آنحضرتؐ کا اصل مرکز تھا وہ اب تک کافروں کے ہاتھ میں تھا۔ پھر صلح نامہ حدیبیہ کی رو سے دس سال کا معاہدہ بھی لکھا جا چکا تھا مگر خدا کو اتنا وقت منظور نہ تھا خداوند تعالیٰ جلد مسلمانوں کا پرچم مکہ میں بلند کرنا چاہتا تھا۔

مکے کے آس پاس دو قبیلے آباد تھے ایک بنی خزاعہ اور دوسرا بنی بکر۔ صلح نامہ حدیبیہ کے وقت سے بنی بکر قریش کے ساتھ اور بنی خزاعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ چنانچہ ۸ ہجری میں یہ دونوں کسی بات پر لڑ پڑے۔ قریش مکہ نے بنی بکر کی مدد ہتھیاروں سے کی اور بعض سردار مثلاً عکرمہ بن ابی جہل۔ صفوان بن اُمیہ۔ سہیل بن عمرو وغیرہ لباس بدل کر جنگ میں بھی شریک ہوئے۔ بنی خزاعہ کے بہت سے لوگ قتل ہوئے تو انہوں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد کی درخواست کی۔

تاریخ طبری میں ہے کہ بنو خزاعہ کے چالیس[۴۰] مظلومین جن کا پیشرو عمرو بن سالم تھا استغاثہ لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔ آپؐ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ یکبارگی چند افراد نے باآواز کہا اور ان الفاظ میں فریاد کی۔

لاھم انی شاھد محمدًا	حلف ابینا و ابیہ الا تلدا
اے خدا میں محمدؐ کو وہ معاہدہ یاد دلاؤں گا	جو ہمارے اور ان کے قدیم خاندان میں ہوا ہے
فوالدا کنا وکنت ولدا	ثمت اسلمنا فلم ننزع یدا
اس عہد پر ہم پیدا ہوئے ہیں اور اسی پر ہماری اولاد بھی قائم رہے گی۔	ہم اس کے بعد اسلام بھی لائے اور اب اس سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔
ان القریش اخلفوک الموعدا	ونقضوا میثاقک الموکدا
قریش نے آپؐ کے معاہدے کے خلاف کیا	اور آپؐ کے عہد تاکیدی کو توڑ ڈالا
ھم تبیتونا بالوتیر ھجّدا	فقتلونا رکعا و سجدا
مخالف ہمارے گھر پر چڑھ آئے	اور ہم کو کھڑے بیٹھے قتل کر ڈالا
رسول اللہ نصرًا عتدا	وادع عباد اللہ یاتوا مددا
اے خدا کے رسول ہماری نصرت کر	اور خدا کے بندوں کو بلا سب مدد کو حاضر ہوں گے۔

(تاریخ طبری ص ۱۶۳۱)

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے تمام حالات دریافت کئے اور اس کے بعد آپؐ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا۔
اور تین شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے کوئی منظور کی جائے۔

۱۔ مقتولوں کا خوں بہا دیا جائے۔
۲۔ قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔
۳۔ اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قریش کے پاس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد پہنچا تو ان کو احساس ہوا کہ انہوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے۔ چنانچہ وہ گھبرا گئے اور اپنی اس ناشائستہ حرکت پر ندامت محسوس کی چنانچہ انہوں نے ابوسفیان کو مدینہ بھیجا کہ وہ اس معاہدے کی دوبارہ تجدید کرے۔ ابوسفیان فوراً مدینہ پہنچا اور اپنی بیٹی حضرت ام حبیبہ کے گھر گیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زوجہ تھیں۔ چاہتا تھا کہ بستر پر بیٹھے کہ جناب ام حبیبہ نے بستر پلٹ دیا۔ ابوسفیان کو بیٹی کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا اور کہنے لگا تو نے بستر پر مجھے کیوں نہیں بیٹھنے دیا۔ جناب ام حبیبہ نے کہا یہ بستر رسول اللہؐ ہے اور آپ ابھی تک کافر مشرک اور ناپاک ہیں یہ سن کر ابوسفیان وہاں سے اٹھا اور رسول اللہؐ کے پاس آیا آپؐ سے گفتگو کرنا چاہی لیکن آپؐ نے اس کی گفتگو کا جواب نہیں دیا۔ وہاں سے اٹھ کر وہ یکے بعد دیگرے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت علی کے پاس گیا۔ لیکن کسی نے بھی منہ نہیں لگایا۔ سب سے مایوس ہو کر وہ جناب سیدہؑ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ ہمیں آپ اپنے بیٹے حسنؑ کی حمایت میں لے لیجئے۔ جناب سیدہؑ نے یہ سن کر بڑی بے رخی سے کہا کہ میرا بیٹا ابھی کمسن ہے وہ کسی کا حامی نہیں بن سکتا۔ اور پھر بغیر رسول اللہؐ کی مرضی کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ سن کر وہ دوبارہ حضرت علی کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ میں قریش کی طرف سے سردار بن کر آیا ہوں اور صلح نامہ حدیبیہ کی تجدید کرنے آیا ہوں۔ لیکن یہاں کوئی بات نہیں کرتا اب آپ میری مدد کیجئے۔ اور کچھ رائے دیجئے کہ میں کیا کروں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا جب لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں تو تم کھڑے ہو کر کہہ دینا کہ میں عہد نامہ حدیبیہ کی تجدید کرتا ہوں اور طرفین کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں،، ابوسفیان نے کہا اس طرح کچھ فائدہ ہو گا اور میرا کام بن جائے گا؟ حضرت علیؑ نے کہا کہ اس کی تو مجھے کچھ خبر نہیں مگر موجودہ حالات میں اس سے بہتر کوئی رائے نہیں دی جا سکتی۔ چنانچہ ابوسفیان نے حضرت علیؑ کی رائے پر عمل کیا اور مسجد میں تجدید صلحنامہ کا اعلان کر کے واپس مکہ چلا گیا۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خفیہ طور پر حملہ کی تیاریاں کرتے رہے اور اطراف مدینہ سے معین و مددگار مدینہ منورہ میں جمع ہوتے رہے۔ لیکن کسی کو اس بات کی خبر نہیں دی کہ کہاں پر حملہ کرنا ہے۔ مکہ کا راستہ بالکل بند کر دیا گیا۔ تاکہ جنگی تیاریوں کی اطلاع وہاں نہ پہنچ سکے۔ مہاجرین میں ایک شخص حاطب بن ابی بلتعہ تھا اس کے بیوی بچے مکہ معظمہ میں تھے اور ان کا نگران مکہ میں کوئی نہیں تھا چنانچہ ان کی حفاظت کے خیال سے حاطب نے ایک خط لکھ کر جس میں

تمام حالات تھے سارہ نامی ایک عورت کے ہاتھ مکہ روانہ کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا علم ہو گیا۔ چنانچہ آپؐ نے اس کے تعاقب میں حضرت علیؑ، حضرت مقدادؓ، حضرت زبیرؓ بن العوام کو بھیج دیا۔ ان حضرات نے راستے میں اسے پکڑ لیا۔ اور تلاشی لی اور خط حاصل کر لیا۔ آپ حضرات نے خط لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاطب کو بلا کر پوچھا تو اس نے اقرار کر لیا اور مجبوری بیان کر دی کہ اس کا مقصد صرف اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ اس کے بیوی بچے محفوظ مقام پر چلے جائیں۔ حضرت عمرؓ نے اس کو قتل کر دینا چاہا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ بدر میں اس کی جان بازی اور خدمت کا خیال کر کے معاف کر دیا۔

۱۰۔ رمضان المبارک ۸ھ ہجری کو آپؐ دس ہزار فوج لے کر مکہ معظمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اور شاہ راہ عام چھوڑ کر چلے تاکہ قریش کو خبر نہ ہو۔ راستے میں حضرت عباس سے ملاقات ہوئی جو اپنے بال بچوں کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ رہے تھے۔ آپؐ نے حضرت عباس کے بال بچوں کو مدینہ روانہ کر دیا۔ اور آپ کو ساتھ لے لیا۔ اس تمام سفر میں آگ روشن کرنے کی قطعی اجازت نہیں تھی۔ جب مکہ چار فرسنگ (ایک فرسنگ کہتے ہیں تین میل کو) رہ گیا تو آپؐ نے وہاں پر قیام فرمایا۔ اور پہلی مرتبہ آگ روشن کرنے کی اجازت دی۔ حضرت عباس یوں تو مسلمان ہو گئے تھے مگر مکہ والوں سے انھیں بہت محبت تھی اسی لئے وہ مکہ کی تباہی اور قریش کی بربادی نہیں چاہتے تھے۔ اسی ہمدردی کے پیش نظر وہ یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح مکہ والوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی اطلاع ہو جائے چنانچہ اس خیال سے آپ رات کو سوار ہو کر نکلے۔ اتفاقاً ابو سفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا الخزاعی مل گئے اور حضرت عباس سے پوچھنے لگے کہ یہ شور و غل کیسا ہے۔ حضرت عباس نے کہا کہ رسولؐ اللہ دس ہزار فوج کے ساتھ آ گئے ہیں اور تم لوگوں کو ہوش نہیں۔ ابو سفیان کثرتِ فوج کا حال سُن کر گھبرا گیا۔ حضرت عباس نے کہا جلد چلو اور امان طلب کر لو۔ ابو سفیان بہت سٹپٹایا مگر اب کوئی راہ نہیں تھی۔ اس لئے حضرت عباس کے ساتھ ہو لیا۔ ابو سفیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تاریخ ابن ہشام میں ہے کہ:۔

"ابو سفیان نے کہا یا ابا الفضل میں نے کہا ہاں! ابو سفیان بولا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ رسولؐ اللہ کا لشکر ہے۔ اور قریش کے لئے خدا کی قسم اب صبح ہے۔ ابو سفیان بولا اب میں کیا کروں میرے بچنے کا اب کوئی حیلہ ہے۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ میں نے کہا یہ سمجھ لے فتح ہوتے ہی تیری گردن مار دی جائے گی۔ بہتر یہی ہے کہ میرے خچر کے پیچھے سوار ہو لے میں تجھے رسولؐ خدا کی خدمت میں لے جا کر امان دلوا دونگا۔"

حضرت عباس ابو سفیان کو لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے۔ اصحابِ رسولؐ نے دیکھا۔ حضرت عمرؓ کو جوش آ گیا۔ اور آپ کو مارنے کے لئے اٹھے لیکن آنحضرتؐ نے منع فرما دیا۔

اس واقعہ کو شبلی نعمانی اس طرح لکھتے ہیں کہ:۔

"حضرت عمر جذبۂ انتقام کو ضبط نہ کر سکے تیز قدمی سے آگے بڑھے۔ اور بارگاہِ رسالت میں عرض کی کہ کفر کے استیصال کا وقت آ گیا ہے۔ لیکن حضرت عباس نے جاں بخشی کی درخواست کی۔ حضرت عمر نے دوبارہ عرض کیا۔ حضرت عباس نے کہا عمر! اگر یہ شخص تمہارے قبیلہ کا ہوتا تو اس قدر سخت دل نہ کرتے۔ حضرت عمر نے کہا آپ یہ نہ فرمائیں۔ آپ جس دن ایمان (اسلام) لائے تھے مجھ کو مسرت ہوئی تھی۔ خود میرا باپ خطاب اسلام لاتا تو مجھے اس قدر خوشی نہ ہوتی۔" (سیرۃ النبی جلد اول صـــ علامہ شبلی نعمانی)

"آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ میں ابو سفیان کو رات بھر کی مہلت دیتا ہوں۔ صبح تک فیصلہ کرے کہ اسلام قبول کرتا ہے یا نہیں۔ حضرت عباس اس کو ساتھ لے گئے اور بہت سمجھایا۔ دوسرے روز صبح کو لے کر پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے دعوتِ اسلام دی مگر وہ گونگوں کی طرح کھڑا رہا۔ حضرت عباس نے کہا اے کم بخت جلدی سے کلمہ پڑھ ورنہ مارا جائے گا۔ اس نے تلوار اور موت کے خوف سے کلمہ پڑھ لیا اور مسلمانوں کی صف میں شامل ہو گیا۔ لیکن صحیح معنوں میں وہ دل سے مسلمان نہیں ہوا اس کے ساتھ اس کا بیٹا معاویہ اور حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا بھی مسلمان ہو گئے۔"

تاریخ طبری میں ابو سفیان کے اسلام لانے کے واقعہ کو اس طرح لکھا ہے کہ:۔

"قبولِ اسلام میں جب تاخیر اور نبوتِ رسولؐ میں شک کا اظہار ہوا تو حضرت عباس نے ابو سفیان سے کہا وائے ہو تجھ پر جلد کلمۂ شہادتِ حق پڑھو۔ ورنہ خدا کی قسم ابھی تیری گردن ماری جاتی ہے۔ حضرت عباس کا بیان ہے کہ پس اس نے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ (تاریخ طبری صـ ۱۶۳۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ اب ابو سفیان کو اسلام کی فوج دکھاؤ۔ چنانچہ حضرت عباس نے دس ہزار فوج مسلمانوں کی دکھائی جس کو دیکھ کر ابو سفیان دنگ رہ گیا۔ اور کہنے لگا تیرے بھتیجے کی اتنی بڑی بادشاہت ہو گئی ہے۔ حضرت عباس نے کہا کہ بادشاہت نہیں بلکہ نبوت ہو گئی ہے۔ یہ حال دیکھ کر ابو سفیان مکہ گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے منادی کرا دی کہ جو شخص کعبہ میں پناہ لے گا یا ابو سفیان کے گھر میں بیٹھے گا یا اپنا دروازہ بند رکھے گا یا اگر بغیر ہتھیار کے آئے گا تو اس کو امان دی جائے گی۔ اس وقت کفارِ مکہ کے پاس اس بات کا وقت نہیں تھا کہ وہ کچھ کر سکیں۔ سوائے ہتھیار ڈالنے کے۔ چنانچہ آپؐ بغیر کسی مزاحمت کے مکہ میں داخل ہو گئے۔ اور مکہ فتح کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناقہ قصویٰ پر سوار ہو کر مکہ معظمہ میں آہستہ آہستہ داخل ہوئے کیونکہ سینکڑوں تماشائی جمع تھے۔ کوہ حجون پر حضرت زبیر نے اسلام کا جھنڈا گاڑ رکھا تھا۔ آپؐ وہیں تشریف لے گئے۔ آپؐ کے لئے خیمہ نصب کیا گیا۔ آپؐ نے نیچے میدان میں دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت خالد اور ان کا دستہ تلواریں چلا رہا ہے آپؐ نے ان کو منع فرمایا اور معاملہ رفع دفع کر دیا۔ آپؐ کے

بعد آپؐ ناقہ پر سوار ہو کر نیچے تشریف لائے اور دروازہ مکہ معظمہ کے قریب پہنچے اس وقت آپؐ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور وہ وقت یاد آگیا جب آپؐ بے سروسامانی سے نکالے گئے۔ پھر آپ نے خداوندکریم کا شکر ادا کیا کہ آج فتح عطا کی۔ پھر آپؐ وہاں سے سیدھے کعبہ کے قریب تشریف فرما ہوئے اور قریش سے پوچھا بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا آپؐ کریم ابن کریم ہیں۔ جاؤ تم سب کو معاف کر دیا۔ پھر سات مرتبہ طواف کر کے کعبہ میں داخل ہوئے اور کعبہ کی دیواروں پر جتنی تصویریں بنی تھیں اور جو بُت تھے ان کو مٹایا اور توڑ نے کا حکم دیا جو بُت نیچے تھے ان کو خود مٹایا اور جو اونچے تھے ان کو توڑنے کے لئے حضرت علی کو اپنے دوشِ مبارک پر سوار کیا اور حضرت علی نے خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کر دیا۔ یہ فتح عظیم بیس رمضان ۸ھ ہجری کو منزل پر پہنچی۔ حضرت علی کا دوشِ مبارک رسول اللہؐ پر قدم رکھ کر بتوں کو توڑنے کا ذکر تاریخ خمیس۔ تاریخ حبیب السیر اور روضتہ الاحباب وغیرہ میں بھی ہے۔

حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے رسولؐ اللہ کی معیت خانۂ خدا تک کی۔ حضرت پیغمبرؐ خدا میرے شانوں پر سوار ہوئے اور اسی حالت میں مَیں نے پنجوں کے بل اونچا ہونے کی کوشش کی تو محسوس ہوا کہ میں آپؐ کو اٹھانے میں کمزوری محسوس کر رہا ہوں تو حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو بیٹھنے کا حکم دیا۔ جیسے ہی میں بیٹھا آپؐ نے حکم دیا اب تم میرے کاندھوں پر سوار ہو جاؤ۔ میں نے ایسا کیا تب وہ مجھ کو لے کر کھڑے ہو گئے۔ میں نے اقرار کیا کہ مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ میں عرش کے کونے چھو رہا ہوں۔"

۱۔ (خصائص نسائی ص۲۲) ۲۔ (انتخاب از کنز العمال ص۵۵) ۳۔ (ریاض النضرہ جلد دوم ص۲۰۰)
۴۔ (ازالۃ الخفاء مقصد جلد دوم ص۲۰۲)۔

"حضرت علی فرماتے ہیں کہ بیت اللہ میں پہنچ کر پیغمبرؐ خدا نے مجھے اپنے کاندھوں پر بلند کیا اور بتوں کو توڑ توڑ کر مجھے نیچے گرا رہا تھا آگے کی روایت وہی ہے۔ جو میں پہلے لکھ چکی ہوں۔

(مسند احمد بن حنبل جلد اول ص۱۵۱)

علامہ کلینی نے بسند صحیح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب آنحضرتؐ کعبہ میں داخل ہوئے حجر اسمٰعیل میں تین سو ساٹھ بُت رکھے ہوئے تھے۔ حضرت رسولِ خدا جس بُت کے پاس جا پہنچتے اپنے عصا سے اس کی آنکھ یا شکم پر مارتے اور فرماتے:۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝

(پ۱۵ آیت ۸۱ سورہ بنی اسرائیل)

"حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ اور باطل مٹنے والا ہی ہے۔"

اسی وقت وہ بُت منہ کے بل گر پڑتا اور اہلِ مکہ دل ہی دل میں کہتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سے بڑھ کر ہم نے کوئی ساحر نہیں دیکھا۔ (حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۶۹۹ علامہ مجلسی)۔

اتنے میں ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ حضرت بلال نے اذان دی اور مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اقتدا میں نماز ادا کی۔ آج رسولؐ خدا پورے طور پر فاتح اور حکمران تھے۔ لیکن اس کے باوجود کوئی غرور و تکبّر نہیں تھا اور نہ احساسِ برتری تھا۔ بلکہ وہی انکساری اور عاجزی آج بھی کارفرما تھی۔ نماز کے بعد آپؐ کوہِ صفا پر تشریف لے گئے اور مرد و عورت دونوں سے الگ الگ بیعت لی۔ آپؐ نے سب کو پہچان کر بھی سب کو معاف کر دیا۔ مثلاً ہندہ اپنا چہرہ چھپا کر بیعت کرنے آئی مگر آپؐ نے اس کو پہچان لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا پہچاننا تھا کہ اس پر خوف اور لرزہ طاری ہو گیا لیکن آپؐ نے اس کو معاف کر دیا۔ آپ نے شاہانہ رعب و دبدبہ اختیار نہیں کیا بلکہ لوگوں کو ایسی تعظیم اور اطاعت سے بھی منع فرمایا جس سے غلامی اور محکومی کا اظہار ہوتا ہو۔ ایک شخص آپؐ کے پاس ڈرتا ہوا آیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا! تم ڈرتے کیوں ہو۔ میں ایک قریش عورت کا فرزند ہوں۔ اور دھوپ کا سوکھا ہوا گوشت کھاتا ہوں۔ بادشاہ اور سلطان نہیں ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا برتاؤ ہر ایک کے ساتھ یکساں تھا۔ چاہے وہ امیر ہو یا غریب۔ بڑے بڑے سرکش اور مغرور سردار جنہوں نے آپ کو تنگ کر کے مکہ سے نکالا تھا اور طرح طرح کی اذیتیں دی تھیں مگر آپؐ نے سب کو معاف کر دیا اور وہ اب سر جھکائے آنحضرتؐ کے سامنے کھڑے تھے۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو قریش کی گردنوں کا مالک بنا دیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپؐ نے عفو و درگذر سے کام لیا۔ سوائے چند لوگوں کے۔ آپؐ نے کسی کو سزا نہیں دی۔ فتح مکہ مسلمانوں کی سب سے بڑی فتح تھی اور مسلمانوں کی کامیابی کی معراج تھی۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک خطبہ دیا جو صرف اہلِ مکہ کے لئے ہی نہیں تھا بلکہ تمام عالم کے لئے تھا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ :-

"ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس نے اپنا وعدہ سچا کیا اس نے اپنے بندے کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا۔ ہاں تمام مفاخر تمام انتقامات، خونہائے قدیم، تمام خون بہا سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف حرمِ کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں۔

اے قوم قریش! اب تمہارا جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا۔ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنے ہیں۔

پھر اس کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا اور یہ آیت پڑھی۔

ترجمہ :- "خدا کہتا ہے کہ لوگو! میں نے تم کو مرد عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے

اور خاندان بنائے کہ آپس میں ایک دوسرے سے پہچان لئے جاؤ۔ لیکن خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔"

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ لوگو! تم جانتے ہو میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟ سب نے کہا آپؐ شریف بھائی ہیں اور کریم برادر زادہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ میں نے تم سب کو معاف کیا۔ اور آزاد کیا۔ اسی بنار پر مکہ کے وہ تمام افراد جو فتح مکہ کے بعد یا اسی دن مسلمان ہوئے "طلقار" کے نام سے پکارے جانے لگے۔

حجۃ الوداع (۲۵ ذیقعدہ سنہ۱۰ھ)

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ① وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِیْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ② فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ③ (سورہ النصر سورہ نمبر ۱۱۲)

ترجمہ۔

"جب خدا کی مدد آگئی اور فتح ہو چکا اور تو نے دیکھ لیا کہ لوگ خدا کے دین میں فوج کی فوج داخل ہو رہے ہیں تو خدا کے حمد کی تسبیح پڑھ اور استغفار کر۔ خدا توبہ قبول کرنے والا ہے۔" (سورہ النصر)

اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد آپؐ کو معلوم ہو گیا کہ اب رحلت کا وقت قریب ہے۔ چنانچہ آپؐ نے جو حج اب تک نہیں کیا تھا اس کے انجام دینے کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ تمام عرب میں اعلان کروا دیا کہ تمام مسلمان حج میں شریک ہوں۔ اس علان کا ہونا تھا کہ مسلمان چاروں طرف سے اُمنڈ آئے اور اس طرح آپؐ نے تقریباً ایک لاکھ چودہ ہزار یا ایک لاکھ چونتیس ہزار مسلمانوں کے ساتھ حج کیا۔

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ بہر حال ذیقعدہ میں اعلان ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ حج کے ارادہ سے مکہ تشریف لے جا رہے ہیں۔ یہ خبر دفعتہً پھیل گئی اور شرف ہمرکابی کے لئے تمام عرب اُمنڈ آیا۔ (سنیچر کے دن) ذیقعدہ کی ۲۶ تاریخ کو آپؐ نے غسل فرمایا۔ اور چادر اور تہبند باندھی۔ نماز ظہر کے بعد مدینہ منورہ سے باہر نکلے۔ اور تمام ازواج مطہرات کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ مدینہ چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ ایک مقام ہے جو مدینہ منورہ کی میقات ہے۔ یہاں پہنچ کر شب بھر اقامت فرمائی اور دوسرے دن دوبارہ غسل فرمایا۔ حضرت عائشہ نے اپنے ہاتھ سے آپؐ کے جسم مبارک پر عطر ملا۔ اس کے بعد آپؐ نے

دو رکعت نماز ادا کی پھر قصوی پر سوار ہو کر احرام باندھا اور بلند آواز سے یہ الفاظ کہے۔

لبیک اللّٰھم لبیک اللّٰھم لبیک لا شریک لک لبیک۔

ترجمہ۔

"اے خدا ہم تیرے سامنے حاضر ہیں۔ اے خدا تیرا کوئی شریک نہیں، ہم حاضر ہیں"

انّ الحمد والنعمۃ لک والملک لک لا شریک لک۔

ترجمہ۔

"بیشک سب تعریف اور تمام نعمتیں تیری ہی ہیں اور سلطنت میں کوئی تیرا شریک نہیں"

حضرت جابر جو اس حدیث کے راوی ہیں ان کا بیان ہے کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے دائیں بائیں جہاں تک نظر کام کرتی تھی آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب لبیک فرماتے تھے تو ہر طرف سے اسی صدائے غلغلہ انگیز کی آواز بازگشت آتی تھی اور تمام دشت وجبل گونج اٹھتے تھے۔

(سیرۃ النبیؐ جلد دوم ص ۱۵۱-۱۵۲ علامہ شبلی نعمانی)

حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار ذی الحجہ کو بروز اتوار مکہ معظمہ میں تشریف فرما ہوئے حضرت علی بھی اس حج میں شرکت کے لئے یمن سے اپنے رسالے کے ساتھ مکہ تشریف لائے۔

"تاریخ ابن ہشام میں ہے کہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو نجران (یمن) کی طرف بھیجا تھا۔ جب وہ وہاں سے لوٹ کر آئے تو احرام باندھے حضرتؐ سے مکہ میں ملاقات کی اور جناب فاطمۃ الزہرا کو دیکھا کہ وہ احرام سے نکلنے کی تیاری کر رہی ہیں۔ حضرت علی نے کہا اے رسول اللہ کی بیٹی تم نے کیوں احرام کھول دیا۔ جناب سیدہ نے کہا کہ ہم کو رسول اللہ نے عمرہ کے احرام کے کھولنے کا حکم دیا ہے اس لئے ہم نے احرام کھول دیا ہے۔ حضرت علی رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ سفر کی حالت بیان کی۔ جب سفر کی حالت رسولؐ اللہ کے پاس عرض کر چکے تو جناب رسولؐ خدا نے فرمایا جاؤ طواف کر کے اپنے دوستوں کی طرح تم بھی احرام کھول ڈالو۔ حضرت علی نے عرض کیا ہم نے احرام باندھنے کے وقت اس طرح نیت کی تھی کہ اے پروردگار جس طرح تیرا نبی تیرا بندہ اور تیرا رسول احرام کھولے گا اسی طرح میں اپنا احرام کھولوں گا۔ رسولؐ خدا نے پوچھا تمہارے پاس قربانی کی کوئی چیز ہے کہا نہیں۔ پس رسولؐ اللہ نے علی کو اپنی قربانی میں شریک کیا اور حضرت علی مرتضیٰ بھی بدستور سابق رسولؐ اللہ کے ساتھ احرام باندھے رہے یہاں تک کہ رسولؐ خدا نے حج سے فارغ ہو کر علیؑ کی طرف سے بھی قربانی دی۔

(تاریخ ابن ہشام کی عربی عبارت کا ترجمہ۔ تاریخ اخلاق محمدؐ)

۴ ذی الحجہ کو آنحضرتؐ نے کعبہ کا طواف کیا اور اس کے بعد آپؐ نے صفا و مروہ کے درمیان چکر لگائے۔
۸ ذی الحجہ کو آپؐ مکہ معظمہ سے منیٰ تشریف لائے اور رات کو یہیں قیام فرمایا۔ دوسرے دن عرفات تشریف لے گئے۔ اس دوران آپؐ ہر موقع پر مناسک حج بیان فرماتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ۔
"حج کے مسائل سیکھ لو۔ میں نہیں جانتا کہ شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے"
پھر آپؐ نے نماز ظہر ادا کی اور اس کے بعد اپنے ناقہ قصویٰ پر سوار ہوئے۔ اور میدانِ عرفات میں وہ تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا جو تا قیامت اپنی مثال آپ رہے گا۔
آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔
"ہاں آج جاہلیت کی تمام رسوم اور قاعدے میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں"
"عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور حضرت آدم علیہ السلام کا وجود خاکی ہے۔ مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ تمہارے غلام تمہارے غلام ہیں۔ جو خود کھاؤ ان کو بھی کھلاؤ۔ جو خود پہنو ان کو بھی پہناؤ۔"
"جاہلیت کے تمام خون (انتقام خون) باطل کر دیئے گئے۔ اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون ربیعہ بن الحرث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں"
"جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیئے گئے۔ اور میں سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں"
"عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو۔ تمہارا حق عورتوں پر ہے اور عورتوں کا حق تم پر ہے۔ آج سے تمہارے خون اور اموال ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہوئے جس طرح آج کے دن کی حرمت اور روز لقائے خدا کے وقت تک حرام رہے گی"
"حج کے مسائل سیکھ لو میں نہیں جانتا شاید کہ اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے"
"ہاں! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا۔ اور تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا"
"اپنے رب کی عبادت کرو پانچ وقت کی نمازیں پڑھو ایک ماہ کے روزے رکھو۔ اور میرے احکام کی اطاعت کرو۔ خدا کی جنت میں داخل ہو جاؤ"
خطبہ کے اختتام پر آپ نے تمام مسلمانوں کو الوداع کہا۔ اور اس کے بعد قربانی گاہ کی طرف تشریف لائے اور قربانی کی۔ کچھ آپؐ نے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کئے۔ اور باقی حضرت علیؓ کے سپرد کر دیئے۔ قربانی کے بعد

آپؐ نے معمر بن عبداللہ کو بلوایا اور سر کے بال منڈوائے اس کے بعد ۱۲۔ذی الحجہ تک آپؐ نے مستقل قیام منیٰ میں فرمایا۔ اور اس کے بعد آپؐ مکہ معظمہ کا آخری طواف کرنے کے بعد مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔

غدیر خم ۱۰ھ ـ

۱۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلا اور آخری حج کیا۔ آپؐ جب حج کر کے فارغ ہوئے تو ۱۳ ذی الحجہ یا ۱۴ ذی الحجہ کو مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے اور ۱۸ ذی الحجہ کو "خم" کے مقام پر پہنچے۔ یہ جحفہ سے تین میل پر ہے۔ یہاں ایک تالاب ہے۔ عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں اس لئے اس مقام کا نام عام روایات میں غدیر خم آیا ہے۔ یہ مقام بالکل بے آب وگیاہ ہے۔ مگر حکمِ خداوندی کے مطابق آپؐ نے یہاں قیام کیا اور اس کو صاف ستھرا کرنے کا حکم دیا۔ لوگ حیران تھے کہ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچانک ایسے بے سایہ جگہ پر رُکنے کا کیوں حکم دیا ہے جب کہ یہاں تپتی ہوئی دھوپ تھی۔ لیکن حکمِ رسولؐ اللہ کو کون ٹال سکتا ہے۔ لوگ وہاں اُتر گئے۔ اور جگہ کو صاف کرنے لگے۔ حکمِ رسولؐ ہوا کہ جو آگے نکل گئے ہیں ان کو بھی روک لیا جائے چنانچہ جو آگے نکل گئے تھے وہ بھی واپس آگئے اور جو پیچھے رہ گئے تھے ان کا انتظار کیا گیا۔ مقام خم میں رُکنے کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لئے دیا کہ وحی الٰہی نازل ہوئی کہ (اس وحی کے نازل ہونے سے پہلے بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام سورہ حجر کی آخری آیتیں لے کر آئے تھے کہ۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾

(پ۱۴ سورہ الحجر سورہ نمبر ۱۵ آیت ۹۵-۹۳)

ترجمہ ـ "پس جو حکم تجھے دیا جاتا ہے وہ کھول کھول کر سُنا دو اور مشرکین سے مُنہ پھیر لو یقیناً ہنسی کرنے والوں کے لئے ہم تم کو کفایت کریں گے۔"

اس حکم کو سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عجلت کے ساتھ کوچ کیا اور تیزی سے روانہ ہوئے کہ آپ جلد سے جلد مدینہ منورہ پہنچ جائیں لیکن حضرت جبرائیل پھر آیت بلغ لے کر نازل ہوئے)

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾

(پ۶ سورہ المائدہ آیت ۶۷ سورہ نمبر ۱۵)

ترجمہ ـ "اے رسول! جو کچھ آپؐ کی طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا اسے پہنچا دو۔ اگر تم نے

نہ کیا پس تو نے اس کی رسالت کو نہ پہنچایا اور اللہ تعالیٰ تمہیں لوگوں (کے شر) سے بچائے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کافروں کی رہبری نہیں کرتا"

یہ اتنی بڑی اور سخت تنبیہ تھی کہ اس کے بعد رسولؐ اللہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتے تھے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ جب یہ حکم نازل ہوا کہ جو کچھ اترا ہے سب پہنچا دو تو حضورؐ نے فرمایا۔ میں اکیلا ہوں اور یہ سب مل کر مجھ پر چڑھ دوڑتے ہیں۔ میں کس طرح کروں۔ تو دوسرا جملہ اترا کہ اگر تم نے نہ کیا تو تو نے رسالت کا کام بھی نہیں کیا۔ پھر فرمایا تجھے لوگوں سے بچالینا میرا ذمہ ہے۔ تیرا حافظ و ناصر میں ہوں۔ بے کھٹکے رہ۔ کوئی تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۱۲۰)

چنانچہ اس حکم کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں اتر کر زمین کو جھاڑ کر صاف کرایا اور پالان شتر کا منبر بنوایا۔ منبر بنوانے کا حکم آپؐ نے اس لئے دیا تھا کہ تمام مجمع رسولؐ اللہ کو اچھی طرح دیکھ لے۔ اور رسولؐ اللہ خود تمام مجمع کو اچھی طرح دیکھ لیں۔ اس خطبے کا بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔ حضرت بلال نے رسولؐ خدا کے حکم سے حی علی خیر العمل کہہ کر لوگوں کو جمع کیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی اور پھر اس منبر پر حضرت علی کو ساتھ لے کر تشریف لے گئے۔ اور خطبہ فرمایا کہ۔

"حمد و ثنا کے بعد کہ اے لوگو! میں ایک بشر ہوں۔ کیا عجب کہ خدا کا قاصد (ملک الموت) میرے پاس آئے اور مجھے قبول کرنا پڑے۔ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب جس میں نور اور ہدایت ہے۔ پس کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑو۔ اور اسے تمسک کرو۔ اور دوسرے میرے اہل بیت جن کے بارے میں میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں، خدا کو یاد دلاتا ہوں، خدا کو یاد دلاتا ہوں"

پھر حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ۔

"جس کا میں مولا ہوں اس کا علی بھی مولا ہے۔ خداوند تعالیٰ عزیز رکھ اُسے جو اسکو عزیز رکھے اور دشمن رکھ اسے جو اس کا دشمن ہو"

مندرجہ بالا حدیث بیس سے زیادہ صحابیوں سے مختلف طریقوں سے بیان کی گئی ہیں۔

نسائی۔ مسند امام حنبل۔ ترمذی۔ طبرانی۔ طبری۔ مستدرک حاکم وغیرہ نے اس حدیث کو اہتمام اور تفصیل سے لکھا ہے۔

جب آنحضرتؐ خطبہ ارشاد فرما چکے اور منبر سے تشریف لائے تو صحابۂ کرام نے حضرت علی کو مبارکباد دی۔ حضرت عمر کی زبان سے تہنیت کے یہ الفاظ نکلے۔

"مبارک ہو مبارک آپ کو یا علی! آج سے آپ میرے بھی مولا ہو گئے۔ اور ہر مومن و مومنہ کے بھی

مولا ہو گئے۔"

مسند احمد۔ تاریخ حبیب السیر۔ مدارج النبوۃ۔ کنز العمال۔ ریاض نضرہ۔ مسند ابو داؤد طیالسی وغیرہ میں یہ روایت ہے۔

البتہ مولا کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض نے مولا کے معنی مولا ہی لئے ہیں۔ اور بعض نے مولا کے معنی محبوب کے لئے ہیں۔ اور وہ یوں رقمطراز ہیں کہ۔

"احادیث میں خاص یہ تصریح نہیں کہ ان الفاظ کے کہنے کی ضرورت کیا پیش آئی۔ بخاری میں ہے کہ اس زمانہ میں حضرت علی یمن بھیجے گئے تھے۔ جہاں سے واپس آکر وہ حج میں شامل ہوئے تھے۔ یمن میں انہوں نے اپنے اختیار سے ایک ایسا واقعہ کیا تھا جس کو ان کے بعض ہمراہیوں نے پسند نہیں کیا ان میں سے ایک صاحب نے آکر رسول اللہ سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا "علی کو اس سے زیادہ کا حق تھا" عجب نہیں کہ اس قسم کے شکوک کو دفع کرنے کے لئے اس موقع پر آپ نے یہ الفاظ فرمائے ہوں"

(علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی جلد دوم ص۱۶۸)

بعض مورخین نے بڑے خوبصورت انداز میں علی کی خلافت و ولایت کو مسترد کیا ہے۔ اگر بقول ان کے ہم مولا کے معنی محبوب کے لیں اور یہ بھی مان لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت علی کی منقبت بتانا چاہتے تھے تو پھر ایک نقطہ ذہن میں ضرور آتا ہے کہ اس حکم کے بعد کہ اگر تم نے یہ حکم نہیں پہنچایا تو گویا کار رسالت انجام نہیں دیا۔ (اگر فرض کریں مولا کے معنی محبوب کے ہیں) تو گویا مسلمانوں کو یہ ایک طرح کی تنبیہ ہے کہ علیؑ کو محبوب ضرور رکھو۔ اور یاد رکھو کہ اسلام و ایمان کی تکمیل یا یوں کہئے کہ مکمل ایمان اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک ارشادِ رسولؐ اللہ کے مطابق حضرت علیؑ کو بھی محبوب اسی طرح نہ سمجھیں جیسے اللہ اور اس کے رسولؐ کو سمجھتے ہیں۔ دین کی تکمیل محبتِ علیؑ کے بعد مکمل ہوتی ہے۔ محبتِ الہٰی کا فلسفہ بڑا طولانی ہے اور اس فلسفہ محبت میں بہت سے نکات آجاتے ہیں۔

لیکن سوال یہ ہوتا ہے کہ اس کے لئے اتنے اہتمام و انتظام کی کیا ضرورت ہے کہ ایک لاکھ چونتیس ہزار یا چالیس ہزار کے مجمع کو ایک جگہ جمع کیا جائے اور پھر اس شک کو دور کیا جائے جب کہ تمام لوگوں کو اس واقعہ کا علم بھی نہیں۔ پھر دوسری بات یہ کہ صرف حضرت علی کو محبوب بتانے کے لئے مجمع کا جمع کرنا بھی خلاف عقل و فہم معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ بارہا آپؐ حضرت علی کے لئے یہ کلمات کہہ چکے تھے اور یہ بات واضح ہے کہ آج یہ پیغام حکم الہٰی کے مطابق دیا جا رہا تھا۔ کیونکہ اس پیغام کے لئے خداوند تعالیٰ کی سخت تنبیہ آئی تھی کہ اے رسولؐ اگر یہ پیغام نہیں پہنچایا تو گویا کارِ رسالت ہی ادا نہیں کیا۔ یعنی رسالت کی ادائیگی اس وقت ہوگی اور دین

اسی وقت مکمل ہوگا جب یہ پیغام لوگوں تک آپؐ پہنچا دیجئے گا۔ چنانچہ اس پیغام الٰہی کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مولا کے معنی محبوب نہیں ہیں بلکہ مولا کے معنی صرف مولا ہیں۔ اور یہ ولایتِ علیؑ کی دلیل ہیں۔ چنانچہ اس پیغام کے بعد لوگ متفرق بھی نہیں ہونے پائے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ (یہ آیت ولایت علیؑ کی واضح دلیل ہے)

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط

(پ۶۔ سورہ المائدہ آیت ۳ سورہ نمبر ۵)

ترجمہ ۔

"میں نے آج کے دن تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر دیا۔ اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔ اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔"

علامہ عینی شارح بخاری تحریر فرماتے ہیں کہ۔

آیہ بلّغ کے معنی یہ ہیں کہ اے رسول پہنچا دو اس حکم کو جو تمہارے پروردگار نے نازل فرمایا ہے۔ یہ آیت نازل ہوئی تو پیغمبرِ خدا نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ "جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ بھی مولا ہے"

عمدۃ القادری فی شرح بخاری۔ ابو اسحاق ثعلبی نے تفسیرِ کبیر میں علامہ حمولینی شافعی نے فرائد السمطین میں اس آیت کے متعلق اسی طرح لکھا ہے۔

پھر تاریخ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ بارہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؑ کے فضائل بیان کر چکے تھے۔ مثلاً جنگِ احد، جنگِ خندق کے موقع پر جنگ، خیبر میں جنگ تبوک میں اور دوسرے موقعوں پر یہ بتا چکے تھے کہ میں علیؑ کو دوست رکھتا ہوں اور محبت رکھتا ہوں۔ اس لئے جو علیؑ کو دوست رکھے گا وہ میرا دوست ہوگا۔ اور جو علی کو دشمن رکھے گا وہ میرا دشمن ہوگا۔ اور حد تو یہاں تک ہے کہ آپؐ نے واضح الفاظ میں یہ بتا دیا کہ مومن اور منافق کی پہچان حضرت علیؑ ہیں۔ کیونکہ صحاح ستہ کی مستند کتابوں میں مختلف روائیوں سے یہ روایت ہے کہ آپؐ سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ! "آپؐ کے بعد ہم کیسے پہچانیں گے کہ منافق کون ہے اور مومن کون؟ آپؐ نے فرمایا بغضِ علیؑ سے۔"

واقعہ غدیر خم کو نسائی اس طرح لکھتے ہیں کہ زید بن ارقم سے روایت ہے کہ جب رسول اللہؐ حجۃ الوداع سے بقصد مدینہ واپس ہوئے تو غدیر خم پر قیام کیا جو مکہ و مدینہ کے درمیان واقع ہے اس روز ذی الحجہ کی تیرھویں تاریخ تھی۔ رسولِ خداؐ نے خطاب فرمایا: "اے لوگو! خدا مجھ سے پوچھے گا اور تم سے بھی پوچھا جائے گا کہ آیا میں نے تم کو خدا کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ تمام لوگوں نے عرض کی ہاں! ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا ہے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں ہے۔ اور آپؐ خدا کے رسولؐ برحق ہیں۔ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ میں

بھی ایسی ہی گواہی دیتا ہوں جو تم نے گواہی دی ہے۔ پھر فرمایا اے لوگو! میں تم میں اپنے پیچھے دو چیزیں چھوڑتا ہوں اگر تم نے ان دونوں کو مضبوط پکڑ لیا تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ وہ خدا کی کتاب اور میرے اہل بیت ہیں۔ خدائے مہربان خبر دینے والے نے مجھے خبر دی ہے کہ جب تک وہ دونوں حوضِ کوثر پر وارد نہ ہوں گے ہرگز ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوں گے۔ میرے حوض کی وسعت اتنی ہے جتنی بصرہ سے صنعاء (یمن) تک اس کے جام (پیالے) ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں۔ بہ تحقیق کہ خدائے قدوس تم سے پوچھنے والا ہے کہ تم نے میرے بعد خدا کی کتاب اور میرے اہلِ بیت کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔"

اسلامی تاریخ میں غدیرِ خم کا واقعہ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اور یہ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت و ولایت کا واضح ثبوت ہے۔ اور اسی لئے کوئی شخص آپ کی خلافت و ولایت سے انکار نہیں کر سکتا۔

ضعفان بن عمر سے روایت ہے کہ اس نے مسجد کوفہ میں حضرت علیؑ کو خطبہ ارشاد کرتے سُنا ہے کہ آپؑ نے کہا کہ جو رسول اللہؐ کے ساتھ رہے ہیں اور جنہوں نے اپنے کانوں سے سُنا ہے جو کچھ بھی پیغمبرِ خداؐ نے ارشاد کیا ہے کھڑے ہو جائیں۔"

ضعفان بیان کرتے ہیں کہ تیرہ آدمی کے قریب کھڑے ہو گئے اور انہوں نے شہادت دی۔ "ہم نے غدیرِ خم میں پیغمبرِ خداؐ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میں جس کا مولا ہوں علی بھی اس کا مولیٰ ہے۔"

(مسند امام حنبل جلد ۱ صفحہ ۸۸-۸۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خم میں قیام ہی اس لئے کیا تھا کہ تمام لوگوں کو یعنی مسلمانوں کو اللہ کے حکم کی اطلاع ہو جائے اور ساتھ ہی یہ ارشاد بھی فرمایا کہ جو یہاں نہیں ہیں ان تک یہ پیغام پہنچا دیا جائے۔ اگر مقام خم میں قیام نہیں فرماتے تو تمام مسلمانوں کو اس بات کی اطلاع نہیں ہو پاتی اور مسلمانوں میں تفریق ہو جاتی۔ اسی لئے تاریخ اس دن کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ اور نہ حضرت علیؑ کی خدمت اور ان کی اہمیت کو ختم کر سکتی ہے۔ نبیؐ بغیر مرضیِ الٰہی کے کچھ نہیں کر سکتے۔ اور نہ کچھ کہہ سکتے ہیں۔ جیسا کہ کلام مجید سے واضح ثبوت ہے۔

وما ینطق عن الھوی

"اور وہ اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بولتے۔"

پھر اس واقعہ کا ثبوت فوری طور پر مل گیا تھا۔ انسان العیون، نور الابصار، ارجح المطالب اور تفسیر ثعلبی میں ہے کہ اس موقع پر ایک شخص حارث بن نعمان فہری کو شک ہو گیا اور اس نے گمان کیا کہ آنحضرتؐ نے اپنی نفسانی خواہش کے مطابق اور علیؑ کی محبت کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔ چنانچہ اس نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرے حکم سے کیا ہے تو مجھ پر آسمان سے پتھر گرے۔ چنانچہ پتھر اس کے سر پر گرا اور نیچے

نکل گیا اور وہ ہلاک ہوگیا۔ اس بارے میں اسی وقت آیت نازل ہوئی کہ سال سائل بعذاب واقع للکافرین لیس لہ دافع۔ سورہ نمبر ۷۰ المعارج آیت ۱-۲
(ایک سوال کرنے والے نے ایسے عذاب کا سوال کیا جو کافروں پر آتا ہے۔ اور اس کا کوئی دفعہ کرنے والا نہیں ہوتا۔)
واقعہ غدیر خم کے متعلق احادیث (۱) صحیح مسلم جلد دوم صفحہ ۲۸۰ (۲) جامع ترمذی صفحہ ۴۶۷ اور ۴۹۹ (۳) جامع صغیر صفحہ ۵۹-۱۵۴ (۴) مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۴۰، صفحہ ۱۱، صفحہ ۳۷۱، صفحہ ۵۳۳ (۵) مشکوٰۃ شریف جلد ۸ صفحہ ۱۳۰، صفحہ ۱۳۲، صفحہ ۱۲۳، صفحہ ۱۳۰، صفحہ ۱۳۳ (۶) انتخاب از کنز العمال صفحہ ۹۵ (۷) مسند امام حنبل جلد ۱-۲-۳ صفحہ ۲۴۷-۲۵۳ جلد ۳ صفحہ ۴ صفحہ ۱۴، صفحہ ۱۷، صفحہ ۵۹ جلد ۴ صفحہ ۳۶۷ صفحہ ۳۷۱ صفحہ ۲۸ صفحہ ۲۹ صفحہ ۱۱۸ صفحہ ۱۵۲ صفحہ ۳۶۸ صفحہ ۳۷۰ صفحہ ۳۷۲۔ کنز الحقائق صفحہ ۱۳ میں بھی ہیں۔

مباہلہ ۱۰ھ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگی فتوحات کے بعد اور خاص کر مکہ کی فتح کے بعد تبلیغ کا حلقہ اور بڑھا دیا تھا اور دور دراز ملکوں تک لوگوں کو خطوط کے ذریعہ دعوت اسلام دینے لگے تھے۔ چنانچہ نجران جو مکہ معظمہ سے یمن کی جانب سات منزل پر ایک وسیع ضلع تھا اور وہاں پر عیسائیت کا خاص مرکز تھا۔ وہاں پر عیسائیوں کے بڑے بڑے پادری رہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں پر حضرت مغیرہ بن شعبہ کو جو صلح حدیبیہ ۶ھ سے پہلے اسلام لاچکے تھے دعوت اسلام کے لئے بھیجا لیکن آپ دعوت اسلام دینے میں ناکام رہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ کے واپس آجانے پر آپؐ نے دعوت اسلام کا خط بھیجا۔ اس خط میں دعوت اسلام کے ساتھ یہ بھی تحریر کیا کہ اگر اسلام نہیں لاتے ہو تو اسلام کی سیاسی اطاعت قبول کرو۔ اور جزیہ ادا کرو۔ اس دعوت اسلام کے آتے ہی نجران کے عیسائیوں نے (مدینہ منورہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک وفد مناظرے کے لئے بھیجا اس کی تعداد مورخین نے ستر بتائی ہے۔ اس واقعہ کو ابن خلدون نے اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ۔

"سنہ ۱۰ھ میں نصارائے نجران کا وفد آیا جس میں ستر سوار اور ان کا سردار عاقب عبدالمسیح (کندہ سے) اور ان کا اسقف ابو حارثہ (بکر بن وائل) اور سید الایہم تھا۔ ان لوگوں نے مسجد نبوی میں داخل ہو کر دینی امور میں بحث و مباحثہ شروع کیا اسی اثناء میں سورہ آل عمران کی شروع کی آیات اور آیہ مباہلہ نازل ہوئیں۔ نصرانیان نجران نے مباہلہ کرنے سے گریز کیا۔ آنحضرتؐ نے ان کی درخواست کے مطابق اُن سے صلح کرلی۔"

یہ لوگ مسجد نبویؐ میں آکر ٹھہرے اور آپؐ سے مذہبی گفتگو کی اور خاص طور سے حضرت عیسٰی علیہ السلام پر بہت بحث رہی۔ ان لوگوں کا کہنا تھا کہ عیسٰی علیہ السلام ابن اللہ ہیں اور ہمارے رسول اللہؐ ان کو حقائق سے آگاہ کرتے ہوئے بتا رہے تھے کہ یہ عقیدہ غلط ہے۔ کیونکہ اللہ کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے۔ اور اگر تم حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ان کا بیٹا کہتے ہو تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کو تو خداوند تعالیٰ

بنایا تھا ان کا تو کوئی باپ نہیں اس لئے پہلے حضرت آدم کو ابن اللہ ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن وہ بھی ابن اللہ نہیں کہلاتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طرح طرح سے سمجھایا لیکن وہ کسی طرح سمجھتے ہی نہیں تھے۔ آخر کار حکم ہوا کہ اے رسولؐ یہ لوگ جان بوجھ کر انکار کر رہے ہیں۔ اور اپنی بات سے باز نہیں آ رہے ہیں۔ تم ان لوگوں سے کہو کہ تم مباہلہ کر لو۔ اور یہ آیت نازل ہوئی۔

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾

(پارہ تلک الرسل ۳ ۔ سورہ آل عمران آیت ۶۱ سورہ نمبر ۳)

ترجمہ :۔

" جو شخص جان بوجھ کر تم سے جھگڑا کرتا ہے اس سے کہدو اے رسولؐ کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو۔ ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو۔ ہم اپنے نفسوں کو بلائیں تم اپنے نفسوں کو۔ پھر مباہلہ کریں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو "

(سورہ آل عمران آیت ۶۱)

شاہ عبدالحق محدث دہلوی اس واقعہ کو اس طرح رقم کرتے ہیں کہ

" نصرانیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ آپؐ جناب عیسٰی بن مریم کے متعلق کیا فرماتے ہیں ؟ پیغمبرؐ خدا نے فرمایا کہ میں آج اس کا جواب تمہیں نہیں دوں گا۔ تم اسی شہر میں ٹھہرو میرا جواب تمہیں معلوم ہو جائے گا پیغمبرؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی کے منتظر تھے۔ دوسرے دن یہ آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ خدا کے نزدیک تو جیسے عیسٰیؑ کی حالت وہی آدمؑ کی حالت کہ اُن کا مٹی کا پتلا بنا کر کہا کہ ہو جاؤ اور وہ ہو گیا۔ اس کے بعد بھی اے رسولؐ تم سے کوئی عیسٰیؑ کے بارے میں حجت کرے تو کہو کہ اچھا (میدان میں) آؤ ہم اپنے بیٹوں کو لائیں تم اپنے بیٹوں کو۔ ہم اپنی عورتوں کو لائیں تم اپنی عورتوں کو۔ ہم اپنے نفسوں کو لائیں تم اپنے نفسوں کو۔ اس کے بعد ہم سب مل کر خدا کی بارگاہ میں جھوٹوں پر لعنت کریں۔ پیغمبرؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو بلایا اور ان کو آیات پڑھ کر سنائیں مگر ان لوگوں نے تسلیم نہیں کیا۔ پیغمبرؐ خدا نے فرمایا کہ آؤ مباہلہ کریں (ایک دوسرے کے لئے بددعا کریں) نصرانیوں نے تھوڑی مہلت مانگی۔ دوسرے دن وہ آئے تو آپؐ مباہلہ کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ حضرت امام حسینؑ کو آپ نے گود میں لیا۔ حضرت امام حسنؑ کی انگلی پکڑ لی۔ جناب فاطمۃ الزہراؑ کو اپنے عقب میں رکھا اور ان کے پیچھے حضرت علیؑ کو رکھا۔ اور ان حضرات سے کہا کہ مباہلہ کریں۔ نصرانی سراسیمہ

اور خوفزدہ ہو گئے۔ ابو الحارث جو ان لوگوں میں سب سے زیادہ عقلمند تھا کہنے لگا کہ خدا کے لئے ان سے مباہلہ نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ (مدارج النبوۃ۔ محدث شاہ عبدالحق دہلوی)

چنانچہ ۲۴ ذی الحجہ کو مباہلہ کی تاریخ مقرر ہوئی۔ مباہلہ کی بڑی شان و شوکت سے تیاریاں ہوئیں۔ ہر شخص یہ سوچ رہا تھا کہ کس کو رسول اللہ ساتھ لے کر جاتے ہیں۔ مباہلہ کی تاریخ آئی سب کی نگاہیں لگی ہوئی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شان سے گھر سے باہر تشریف فرما ہوئے اپنے فرزندوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہم السلام کو اور اپنی بیٹی جناب فاطمۃ الزہرا کو اور اپنے داماد حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کو لئے ہوئے۔ آپ ان ہستیوں کے ساتھ میدان کی جانب روانہ ہوئے۔ یہ وہ ہستیاں تھیں جن کے متعلق خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا کہ، بچوں میں حضرت امام حسن و حضرت امام حسین علیہم السلام تھے، عورتوں میں جناب سیدہ اور نفسوں میں حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام تھے۔ یہ پنجتن پاک جیسے ہی مباہلہ کے میدان میں پہنچے تمام لوگوں کو لرزہ طاری ہو گیا اور عاقب نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ کون ہستیاں ہیں کہ جن کے چہرے سے عیاں ہے کہ اگر یہ پہاڑ کو بھی ہٹنے کا حکم دیں تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ اس کے ساتھیوں نے کہا کہ یہ رسول اللہ کا گھرانہ ہے اور آپ خود تشریف فرما ہیں۔ یہ سننا تھا کہ اس نے کہا خدا کی قسم ان سے مباہلہ کرنا جائز نہیں چنانچہ مباہلہ سے باز آئے اور صلح کر لی۔ اور ساتھ ہی نجران کے عیسائیوں نے خراج دینے کا وعدہ بھی کر لیا۔ اور جزیہ قبول کر کے مملکت اسلام کی رعایا بن گئے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ان کو امن سے رکھنے کا وعدہ فرمایا۔

صحیح مسلم۔ صحیح ترمذی خصائص نسائی اور مسند احمد بن حنبل میں باسناد روایت ہے کہ۔

سعد ابن ابی وقاص سے روایت ہے کہ جب (یہ آیت کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہو جھگڑا کرنے والوں سے کہ آؤ بلائیں ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹوں کو اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں کو اپنی جان اور تمہاری جانوں کو پھر دعا کریں اللہ سے، پس لعنت بھیجیں جھوٹوں پر) نازل ہوئی تو جناب رسول خدا نے حضرت علی و جناب فاطمہ اور حضرت امام حسن و حضرت امام حسین کو بلایا اور فرمایا اے پروردگار یہ میرے اہل بیت ہیں۔"

اس مباہلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ان ہستیوں کو چنا۔ حالانکہ اور لوگوں کو بھی منتخب کیا جا سکتا تھا کیونکہ آیت مجیدہ میں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔ اس لئے کہ مباہلہ میں دراصل ایسی ہستیوں کا ہونا ضروری تھا کہ جو خدا اور رسول کو محبوب رکھتی ہوں اور اللہ و رسول ان کو محبوب رکھتا ہو پھر ان ہستیوں کا پاکیزہ ہونا بھی شرط تھا وہ ہستیاں ایسی ہوں جنہوں نے کبھی خدا کے علاوہ کسی کو سجدہ نہ کیا ہو اور نہ اللہ میں کسی کو شریک ٹھہرایا ہو نہ جھوٹ بولا ہو اور نہ کوئی گناہ

کیا ہو۔ یہ تمام خوبیاں سوائے اہل بیتِ رسولؐ اللہ کے کہاں ہو سکتی تھیں۔ اسی لئے آنحضرتؐ نے ان ہستیوں کو منتخب کیا تھا۔ پھر ان تمام باتوں کے علاوہ خداوند تعالیٰ کو یہ بھی بتانا مقصود تھا کہ دُنیا والے آگاہ ہو جائیں کہ آل رسولؐ اللہ کا مرتبہ کتنا بلند ہے۔ اور کتنی بڑی فضیلت ہے۔ اس لئے وہ ان ہستیوں کا احترام کریں۔ کیونکہ خدا و رسولؐ ان کو عزیز رکھتا ہے اور اگر یہ حکم دیں تو پہاڑ بھی ان کے حکم سے ہٹ سکتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ان کے مرتبہ کو سمجھیں اور ہدایتِ رسول اللہ پر عمل کریں۔

معراج۔

معراج کا واقعہ ہجرت سے پہلے ۲۷ رجب کا ہے۔ معراج کا واقعہ ہونے کی تاریخ میں محدثین و مورخین میں اختلاف ہے۔ علامہ مجلسی اپنی کتاب حیات القلوب میں لکھتے ہیں کہ۔

" اس بات پر اتفاق ہے کہ معراج ہجرت سے پہلے واقع ہوئی اور ہجرت کے بعد کا احتمال ہے اور قبل ہجرت کے بارے میں بعض کا قول ہے کہ سترہویں یا اکیسویں ماہ رمضان المبارک شب شنبہ ہجرت سے چھ مہینے پہلے واقع ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ بعثت کے دو سال بعد ماہ ربیع الاول میں واقع ہوئی۔ پھر ہجرت کے دو سال بعد۔ بعضوں کا قول ہے کہ ماہ رجب کی ستائیسویں کو واقع ہوئی "

(حیات القلوب جلد دوم ص ۲۳۴ - ۲۳۵ علامہ مجلسی)

لیکن ہمارے نزدیک معتبر تاریخ ۲۷ رجب ہے۔ آپؐ حضرت علیؑ کی بہن اُم ہانی کے یہاں تشریف فرما تھے اور نماز پڑھ کر جیسے ہی فارغ ہوئے اور سونے کے ارادے سے بستر مبارک پر تشریف لے جا رہے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ کو وہاں سے لے کر حرم کعبہ میں آئے اور پھر ایک براق (بہشتی جانور) پر سوار کر کے مسجد اقصیٰ لے گئے۔ آپؐ نے وہاں دو رکعت نماز ادا کی۔ خداوند کریم نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایک شب میں مکہ معظمہ سے مسجد اقصیٰ کی جانب اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ اور عرش اعلیٰ تک سیر کرائی۔ سدرۃ المنتہیٰ پر آ کر حضرت جبرائیلؑ امین کے پر رک گئے اور یہ وہ مقام تھا جہاں آپؐ تنہا آگے بڑھے اور اللہ اور اس کے حبیبؐ کے درمیان راز و نیاز کی گفتگو ہوئی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سموات کے عجائبات دکھائے اور پوشیدہ اسرار اور بے انتہا معارف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر القا کئے اور آپؐ نے انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کی اور اپنی امامت میں نماز پڑھائی۔ اسی سفر میں بہشت اور دوزخ کی بھی سیر کی اور پھر آن کی آن میں اپنے گھر تشریف لے آئے۔

معراج کا واقعہ آپؐ کی فضیلت کو بہت بلند کرتا ہے اور یہی چیز آپؐ کو تمام انبیاء علیہم السلام سے امتیاز

بخشتی ہے۔ قرآن مجید میں اس فضیلت کا ذکر ہے۔ ایک جگہ ارشادِ ربانی ہے کہ۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ① (پارہ ۱۵ سبحٰن الذی سورہ بنی اسرائیل سورہ نمبر ۱۷ آیت ۱)

ترجمہ۔

"وہ پاک ہے (ذات) اس (خدا) کی جس نے سیر کرائی اپنے بندے (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو رات کے ایک حصّے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک جس کا ماحول (اردگرد) ہم نے مبارک بنایا تاکہ اس (بندے) کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں یقیناً وہ بہت سننے والا بڑا دیکھنے والا ہے۔"

(پ ۱۵ آیت ۱ سورہ بنی اسرائیل)

علماء کی اصطلاح میں مکہ سے بیت المقدس کے سفر کو اسراء اور وہاں سے آگے کی سیر کو معراج کہتے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو آنحضرتؐ نے لوگوں سے شب کا ماجرا بیان کیا۔ کفار نے اور بعض مسلمانوں نے اس کو باور نہیں کیا۔ اسی لئے قرآن شریف نے آپؐ سے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے آپؐ کو معراج کی سیر لوگوں کی آزمائش کے لئے کرائی ہے۔ جس طرح مورخین کے نزدیک معراج کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ اسی طرح محدثین و مورخین کے درمیان اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ آپؐ نے معراج جسمانی کی تھی یا روحانی۔ یہ بات بہت اہم ہے کیونکہ تھوڑے سے ردوبدل سے بات کی نوعیت ہی بدل جاتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپؐ نے معراج روحانی کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بحالتِ خواب میں سیر کی اور جب خواب سے بیدار ہوئے تو وہ حالت ختم ہو گئی اس لئے یہ امر قابلِ فضیلت نہیں ہو سکتا کیونکہ خواب میں تو انسان بہت سے عجائباتِ قدرت دیکھ سکتا ہے۔ لیکن خواب دیکھنے والے کی حیثیت سے خواب میں فرق ضرور ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک نبیؑ کا خواب اہمیت کا حامل ہے اور اس کا ذکر کلام پاک تک میں ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب۔ آپؑ نے خواب میں دیکھا کہ اپنے فرزند کو ذبح کر رہے ہیں۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ بیدار ہو کر آپؑ نے اس کی تعمیل کی۔ اس کا مفصل ذکر کلام پاک میں موجود ہے۔ یہ بات ثابت ہے کہ پیغمبرؑ و نبیؑ کا خواب بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اسی لئے ان خوابوں کے بارے میں قرآن مجید میں ذکر ہے لیکن ان خوابوں کے برعکس ہمارے رسول رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خواب کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ معراج کا ذکر خواب کے طور پر قرآن مجید میں نہیں ہے۔ پھر ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو معراج صرف روحانی نہیں ہوئی تھی بلکہ روحانی و جسمانی دونوں حاصل ہوئی تھی۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ۔

"یعنی پاک ہے وہ خدا جس نے اپنے بندہ کو ایک رات میں مسجد الحرام سے مسجد اقصٰے تک کی سیر کرائی۔۔ جس کو ہم نے برکت دی ہے تاکہ ہم اس کو اپنی عظمت و جلال کی نشانیاں دکھائیں بے شک وہ ہر چیز کو سنتا اور جانتا ہے۔" (سورہ بنی اسرائیل)

اس آیت میں لفظ عبد (بندہ) ہے۔ یعنی راتوں رات اپنے بندے کو لے گیا۔ اور عبد کا اطلاق جسم اور روح دونوں پر ہوتا ہے۔ نہ صرف روح پر ہوتا ہے نہ صرف جسم پر۔ ان تمام باتوں سے معلوم یہ ہوا کہ آپؐ نے بحالتِ بیداری معراج کی۔ اور آپؐ نے اپنی آنکھوں سے تمام اسرار و عجائبات کو دیکھا اور اسی لئے آپؐ کو فضیلت حاصل ہے۔ اگر روحانی معراج حاصل ہوتی تو پھر آپؐ کا کوئی کمال ظاہر نہیں ہوتا۔ بلکہ کمال تو اسی وقت ہوگا جب جسد جائے۔ اور ہمارے رسول اللہ روح و جسم دونوں کے ساتھ گئے۔

پھر یہ بات بھی سب کو اچھی طرح معلوم ہے کہ رسولؐ اللہ ختمی مرتبت ہیں اور آخری نبی کے معنی یہ ہیں کہ آپؐ آخری دُنیا تک کیلئے ہدایت لے کر آئے ہیں اور رہنما ہیں۔ چنانچہ جب ہم یہ بات تسلیم کر لیتے ہیں کہ آپ آخری نبی ہیں اور قیامت تک لوگوں کے لئے ہدایت و رہنما ہیں تو پھر یہ بات ہمیں معلوم ہے کہ ہر زمانے میں جب پیغمبرِ خدا آئے تو ان کو اس زمانے کی مناسبت سے ہی معجزے عطا ہوئے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ جادوگری کا زمانہ تھا۔ چنانچہ آپؑ کو اس زمانے کے حساب سے معجزہ عطا ہوا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے زمانے کے حساب سے معجزے عطا ہوئے۔ اسی طرح ہمارے رسولؐ اللہ کو بھی ان کے زمانے کے حساب سے معجزے عطا ہوئے ہیں۔ کیونکہ آپؐ کا زمانہ قیامت تک کے لئے ہے اور یہ دَور سائنس کا دَور ہے۔ انسان کہاں سے کہاں جا رہا ہے۔ خدا کو یہ ثابت کرنا تھا کہ میری طاقت سے بڑھ کر کوئی طاقت نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے آخری رسولؐ کو یہ معجزہ عطا کیا کہ موجودہ دور کے لوگ اپنی گردنوں کو غرور و تکبر سے بلند نہ کر سکیں۔

ایک اختلاف مفسرین میں یہ بھی ہے بہت سے مفسرین کہتے ہیں کہ مسجد اقصٰی سے مراد بیت المقدس ہے لیکن یہ خیال ان لوگوں کا غلط ہے کیونکہ یہ کوئی کمالات خداوندی نہیں ہے اس لئے کہ یہ سفر لوگ کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ معلوم یہ ہوا کہ یہ کوئی خاص مقام ہے۔ مسجد اقصٰی کے معنی سجدہ کرنے کی آخری جگہ کے ہیں۔ اور یہ شرف بیت المقدس کو حاصل نہیں بہت سی معتبر حدیثوں سے یہ بات واضح ہے کہ یہ بیت المعمور ہے جو چوتھے آسمان پر ہے اور بلند ہے۔

حیات القلوب جلد دوم میں ہے کہ علی بن ابراہیم نے بسند معتبر روایت کی ہے کہ "حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ایک شخص سے پوچھا کہ لوگ اس آیت کی تفسیر کیا بیان کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ مسجد الحرام سے بیت المقدس تک جانا۔ حضرت نے فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ اس مسجد زمین سے بیت المعمور آسمان کی جانب حضرتؐ تشریف لے گئے۔ جو کعبہ کے بالمقابل ہے۔ اور کعبہ سے اس جگہ تک تمام فاصلہ و فضا محترم ہے۔"

بیت المقدس میں تمام انبیاء علیہم السلام کی ارواح جمع تھیں۔ چنانچہ جب رسول اللہ وہاں تشریف فرما
ہوئے تو سب نے آپؐ کے پیچھے نماز ادا کی۔ اس کے بعد آپؐ سدرۃ المنتہیٰ گئے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے اوپر
حضرت جبرائیل علیہ السلام جیسے فرشتے بھی پرواز نہیں کر سکتے۔ وہاں پر رسول اللہ تشریف لے گئے اور آپؐ نے
خداوند تعالیٰ سے کلام کیا اور وہ باتیں پردے میں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ سعادت حاصل ہے
کہ آپؐ نے متعدد دفعہ معراج کی ہے۔

عقد جناب سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا۔

جناب فاطمۃ الزہراؑ کی ولادت باسعادت ۲۰ جمادی الآخر ۵ھ ۶۱۵ء میں ہوئی۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام
سے روایت ہے کہ جناب فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کی ولادت یوم جمعہ ۲۰ جمادی الآخر بعد بعثت ۵ سال اور ہجرت
سے آٹھ سال آٹھ مہینے اور بائیس ۲۲ دن قبل ہے۔ یعنی ۵ھ ۶۱۵ء میں۔ حاکم نے مستدرک میں اور ابن عبدالبر نے
الاستیعاب میں لکھا ہے کہ جناب فاطمہؑ بعثت سے ایک سال بعد پیدا ہوئیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی عمر ۴۱ سال تھی۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کی تحقیق کے مطابق جناب فاطمہ سنہ ۶۰۶ء میں مکہ میں پیدا ہوئیں۔

آپؑ کے القاب البتولؑ، الحصانؑ، الحرۃؑ، السیدہؑ، العذراؑ، الطاہرہؑ، الزہراؑ، المرضیہؑ ہیں۔

ابن بابویہ نے بسند معتبر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ خدا کے ہاں جناب فاطمہ
کے نو نام ہیں۔ فاطمہؑ، صدیقہؑ، مبارکہؑ، طاہرہؑ، ذکیہؑ، راضیہؑ، مرضیہؑ، محدثہؑ، زہرہؑ۔

(علامہ محمد باقر مجلسی جلاء العیون جلد اول ص ۱۴۲)

آپ کی کنیت امّ الحسنؑ، امّ الحسینؑ، ام الائمہؑ، ام السبطینؑ اور ام ابیہا ہیں۔

ابن شہر آشوب نے روایت کی ہے کہ آپؑ کی کنیت جناب سیدہؑ، ام الحسنؑ، ام الحسینؑ، ام الائمہؑ
اور ام ابیہا تھیں اور آپ کا نام فاطمہؑ، بتولؑ، محدثہؑ، عذراؑ، حصانؑ، حرۃؑ، سیدہؑ، زہراؑ اور
حوراؑ، مبارکہؑ، طاہرہؑ، ذکیہؑ، راضیہؑ، مرضیہؑ، مریم الکبریٰؑ اور صدیقۃ الکبریٰؑ ہیں۔

(علامہ محمد باقر مجلسی جلاء العیون جلد اول ص ۱۴۵)

رسول اللہ کی جگر پارہ جناب فاطمۃ الزہراؑ صورت و سیرت میں یکتا تھیں اور رسالت مآب صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم آپؑ کو بہت چاہتے تھے۔ جب آپؑ اس قابل ہوئیں تو بڑے بڑے اکابر قریش اور بنی ہاشم
کی طرف سے رشتے آنے لگے۔ ہر شخص اس بات کا خواہش مند تھا کہ یہ سعادت اس کو حاصل ہو۔ حضرت عمر اور
حضرت ابوبکر اس بات کے خواہش مند تھے لیکن حضرت رسول اللہ سب کا پیغام سن کر خاموش ہو جاتے اور

بھی جواب دیتے کہ سیدہ کا اختیار تو اللہ تعالیٰ کو ہے۔

مشکوٰۃ شریف اور نسائی میں بریدہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے حضرت فاطمہؑ کے لئے اپنا پیام بھیجا۔ حضرت رسولؐ اللہ نے اس پیام کے جواب میں فرمایا فاطمہ ابھی چھوٹی ہے۔ پھر حضرت علیؑ نے اپنا پیام بھیجا اور حضرت رسولؐ اللہ نے (جناب) فاطمہؑ سے (حضرت) علیؑ کا نکاح کر دیا۔ (مشکوٰۃ شریف جلد دوم ص ۱۰۰۹)

ایک دن بعض بزرگ صحابہ (بعض روایت کے مطابق حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت سعد بن معاذ) جمع ہو کر حضرت علی کے پاس گئے۔ حضرت علی اس وقت باغ میں آبپاشی کر رہے تھے۔ آداب و سلام کے بعد صحابہ کرام نے فرمایا کہ اے (حضرت) علی جمیع قریش نے (جناب) فاطمہ کی خواستگاری کی مگر حضرت رسولؐ خدا نے ان کو جواب نہیں دیا اور آپؐ خاموش رہتے ہیں اس لئے ہماری رائے یہ ہے کہ آپؑ بھی اپنا پیام دے دیجئے۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ مجھے شرم آتی ہے۔ صحابہ نے عرض کی اس میں شرم کی کوئی بات نہیں۔ آنحضرتؐ آپ کو بہت عزیز رکھتے ہیں۔ حضرت علی یہ سُن کر خاموش ہو گئے۔ کام سے جب فارغ ہوئے تو گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام سلمہ کے گھر تشریف فرما تھے۔ حضرت علی نے دروازے پر دستک دی۔ حضرت ام سلمہ نے دروازہ کھولا حضرت علی اندر داخل ہوئے اور ادب سے سلام کر کے ایک طرف بیٹھ گئے۔ شرم سے نگاہیں نیچی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہو (حضرت) علی کیا کہنا چاہتے ہو۔

حضرت علی نے دبی ہوئی آواز میں کہا آپؐ نے مجھے بچپن سے پالا ہے اور ہر سعادت سے فیض یاب کیا ہے۔ ہر نعمت میں نے آپ سے پائی ہے۔ اس لئے اب گھر بسنے کی نعمت سے بھی آپ مجھے نواز دیجئے۔ یہ سُن کر حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک فرطِ مسرت سے چمک اٹھا اور مسکرا کر فرمایا کہ اے علیؑ تمہارے آنے سے پہلے ہی (حضرت) جبرائیل امین (علیہ السلام) تشریف لائے تھے اور مجھے یہ مژدہ سنا گئے ہیں کہ تمہارا عقد (جناب) فاطمہ کے ساتھ عرش پر اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے۔ اس لئے میں اب اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کر دوں گا۔

حضرت ابن عباس اور حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ ہم حضرت رسولؐ خدا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں علی ابن ابی طالب تشریف لائے جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ یا علیؑ کیسے آئے ہو؟ حضرت علی نے شرم سے گردن جھکا کر کہا کہ یوں ہی سلام کرنے حاضر ہوا ہوں۔ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ یہ (حضرت) جبرائیل امین آئے ہیں۔ اور انہوں نے مجھے خبر دی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے (جناب) فاطمہؑ (حضرت) علی کا نکاح عرش اعظم پر کیا اور چالیس ہزار فرشتوں نے گواہی کی۔ اور شجر طوبیٰ کی طرف خدا نے وحی کی کہ وہ دُرّ و یاقوت نچھاور کرے اس نے بے شمار دُرّ و یاقوت نثار کئے۔ پس ان کی طرف حورانِ جنت دوڑیں اور دُرّ و یاقوت اپنے طباقوں میں جمع کر دیئے۔

(اعیان الشیعہ۔ الجزء الثانی سیرۃ الزہراؑ ص ۴۴)

حضرت انس ابن مالک ہی سے (کشف الغمہ میں مناقب خوارزمی سے نقل کیا ہے) منقول ہے کہ میں جناب رسولؐ خدا کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں آثار وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک پر عیاں ہوئے جب افاقہ ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ (حضرت) جبرائیل علیہ السلام یہ وحی لے کر خدا کی جانب سے تشریف لائے تھے اور مجھے خدا کا یہ حکم پہنچایا کہ میں (جناب) فاطمہ کا نکاح علیؑ سے کردوں۔ پھر آپؐ نے حکم دیا کہ چھ مہاجرین اور چھ انصار کو بلا لو۔ چنانچہ میں بلا لایا تو آپؐ نے جناب فاطمہؑ کا نکاح حضرت علیؑ سے کر دیا۔

(یہ روایت جناب امام علی رضا علیہ السلام سے بھی منقول ہے)۔ (اعیان الشیعہ ص۲۴۸)

پھر حضرت علی سے فرمایا کہ تمہارے پاس کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک اونٹ ایک تلوار اور ایک زرہ ہے۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ تلوار تو مرد مجاہد کی نشانی ہے اور حفاظت کے لئے ضروری ہے اور اونٹ محنت مزدوری کے لئے اور سفر کے لئے ضروری ہے۔ اب ایک زرہ رہ جاتی ہے جو تم جیسے بہادر اور جواں مرد کے لئے ضروری نہیں۔ تم اس کو بیچ کر شادی کا سامان لے آؤ میں ابھی مسجد میں آتا ہوں

علامہ طبری اور ابن خلدون کا بیان ہے کہ حضرت عثمان نے فوراً اس زرہ کو ۴۸۰ درہم میں خرید لیا اور پھر زرہ بھی حضرت علی کو واپس کر دی۔ بعض راویوں کے مطابق چار سو درہم میں بکی تھی۔

حضرت علی کے جانے کے بعد آپؐ نے جناب سیدہؑ کو بلایا اور کہا کہ (حضرت) علی کو تم خوب جانتی ہو اور ان کے اوصاف بھی تم سے پوشیدہ نہیں۔ آج وہ تمہارے لئے رشتہ مانگنے آئے تھے۔ شرع کی رو سے تمہاری رضامندی معلوم کرنا ضروری ہے۔ اس لئے اگر تم پسند کرو تو تمہاری شادی (حضرت) علیؑ کے ساتھ کر دی جائے۔ جناب سیدہؑ نے جب یہ سنا تو شرم سے گردن جھکا لی۔ مگر حضرت ام سلمہ فرماتی تھیں کہ آپ (جناب سیدہؑ) کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا تھا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ الفاظ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے اللہ اکبر سکوتہا اقرارہا (فاطمہ کی خاموشی ہی اقرار ہے)۔

عقد کی تاریخ میں مورخین میں اختلاف ہے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ ہجرت کے بائیس ماہ بعد نکاح ہوا۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ ہجرت کے پانچویں مہینے نکاح ہوا اور جنگ بدر کے بعد رخصتی ہوئی۔ جنگ بدر ہجرت کے انیس مہینے بعد ہوئی تھی۔ یعنی ذی الحجہ کی چوبیس تاریخ کو رخصتی ہوئی۔ اس وقت بعض روایات کے مطابق جناب سیدہؑ کی عمر (۱۷) سال تھی اور حضرت علیؑ کی (۲۴) سال تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور حضرت انس سے فرمایا کہ مدینہ میں (جناب) فاطمہؑ کے نکاح کا اعلان کر دو کہ خداوند تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ (جناب) فاطمہ کا نکاح (حضرت) علی سے کر دیا جائے۔ اس لئے تمام لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں۔ اتنے میں حضرت علیؑ زرہ بیچ کر آئے اور تمام رقم حضرت رسولِ خدا

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کردی۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح اور خطبہ پڑھا۔ جو مختصراً یہ ہے کہ اے علیؑ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہاری شادی (جناب) فاطمہ سے کردوں پس میں نے چارسو مثقال چاندی پر تمہارا نکاح فاطمہؑ سے کردیا۔ حضرت علی نے جواب میں کہا یارسولؐ اللہ مجھے قبول ہے۔

جناب فاطمۃ الزہراؑ کے مہر کے بارے میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ ۵۰۰ درہم تھا۔ بعض کے نزدیک ۴۸۰ درہم تھا۔ حافظ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں ۴۸۰ درہم ہی لکھا ہے۔ حضرت علیؑ نے یہ رقم جناب رسولِ خدا کی خدمت میں پیش کردی۔ آنحضرتؐ نے اس میں سے ایک مٹھی سکے اٹھا کر حضرت بلال کے سپرد کئے۔ اور فرمایا کہ بازار جاؤ اور (جناب) فاطمہ کے لئے خوشبو خرید لاؤ۔ پھر دو مٹھیاں بھر کر حضرت ابوبکر کو دے دیں اور حکم دیا کہ بازار سے کپڑا اور دوسرا سامان لے آؤ۔ حضرت ابوبکر کے ہمراہ حضرت عمار یاسر اور چند صحابہ کرام کو کر دیا تاکہ دیکھ بھال کے سامان آجائے۔ پھر جناب ام ایمن کو بلایا اور ایک مٹھی درہم دے کر کہا کہ رخصتی کی دوسری چیزوں کا انتظام کرلو۔ پھر جو رقم باقی بچی وہ جناب ام سلمہ کے سپرد کردی اور کہا کہ اس کو حفاظت سے رکھو یہ وقتاً فوقتاً ضروریات کی چیزوں کے کام آئے گی۔

جناب سیدہ کے نکاح کو ایک مہینہ اور بعض روایات کے مطابق ۲۹ دن گذر گئے لیکن حضرت علیؑ کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ وہ رخصتی کے لئے درخواست کریں اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کا ذکر کرتے تھے۔ ایک دن حضرت علیؑ کے بھائیوں نے کہا اور بعض روایات کے مطابق حضرت عقیل (بھائی) نے کہا کہ آپ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رخصتی کی درخواست کیجیے۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ مجھے شرم آتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ چنانچہ آپ دونوں جناب ام ایمن کے پاس آئے اور ان سے تذکرہ کیا۔ وہ جناب ام سلمہ کے پاس گئیں اور ان کو حضرت علیؑ کی خواہش سے آگاہ کیا۔ چنانچہ جناب ام سلمہ اور ازواج مطہرات کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائیں اور عرض کی کہ یارسولؐ اللہ ہمارے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ ہم سب اس کام کے لئے جمع ہوئے ہیں کہ اگر آج جناب خدیجۃ الکبریٰ زندہ ہوتیں تو جناب فاطمہ کی عروسی سے کس قدر خوش ہوتیں۔ رسولؐ اللہ کی آنکھیں جناب خدیجہ کا سن کر پُرنم ہوگئیں۔ اور ارشاد فرمایا کہ (جناب) خدیجہ کا مثل کون ہوسکتا ہے۔ جناب ام سلمہ نے فرمایا آپؐ درست فرماتے ہیں۔ آج ہم سب اسی لئے حاضر ہوئے ہیں کہ (جناب) خدیجہ کی یادگار کو دلہن بنا کر رخصت کردیں (حضرت) علی کی درخواست کرنے کی ہمت نہیں پڑتی ہے کیونکہ وہ بہت شرمیلے ہیں۔ حضرت رسولؐ خدا نے جب یہ سنا تو کہا کہ جاؤ (جناب) ام ایمن (حضرت) علی کو بلا لاؤ۔ حضرت علی آئے اور سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ حضرت رسولؐ خدا نے خود ارشاد فرمایا۔ تمہاری خواہش معلوم ہوئی انشاءاللہ آج کل میں رخصتی کا انتظام ہوجائے گا۔ حضرت علیؑ

خوشی خوشی واپس آئے اور شادی کی تیاریاں کرنے لگے۔ حضرت رسولِ خدا نے ازواج کو رخصتی کے سامان کی تیاریاں کرنے کا حکم دیا اور چوبیس (۲۴) ذی الحجہ کو رخصتی قرار دی۔

رسول اللہ نے حضرت علیؑ سے ارشاد فرمایا کہ گوشت اور روٹی کا انتظام میں کرتا ہوں اور تم روغن اور خرمے مہیا کرو۔ چنانچہ سب چیزیں جمع کی گئیں۔ اور کھانے کا انتظام ہو گیا تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے علیؑ تم جاکر اپنے دوست واحباب کو بلا لاؤ۔ چنانچہ حضرت علی مسجد میں آئے تو مسجد بھری ہوئی تھی آپؑ کو شرم محسوس ہوئی کہ کسی ایک سے کہیں اور دوسرے کسی سے نہیں کہیں۔ چنانچہ ایک بلندی پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا کہ آپ دعوت ولیمہ میں شرکت فرمائیں۔ تمام لوگ کھڑے ہوئے اور گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت علی جلدی سے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ یا رسولؐ اللہ میں نے تمام لوگوں کو دعوت دے دی ہے۔ اس لئے کہ مجھے مسجد میں شرم آئی کہ میں ایک کو دعوت دُوں اور دوسرے کو نہ دوں چنانچہ اب بہت زیادہ لوگ آرہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کوئی بات نہیں۔ اللہ برکت دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سب نے پیٹ بھر کر کھالیا اور پھر بھی بچ گیا۔ جو بعد میں تقسیم کیا گیا۔ ایک خوان بھر کر ازواجِ مطہرات میں بھیجا گیا اور ایک خوان بھر کر حضرت علی اور جناب فاطمہ کے ہمراہ کیا گیا۔

کھانا کھانے کے بعد رخصتی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ اور جناب فاطمہ کو اشہب نامی اونٹ پر سوار کیا گیا۔ ساربان حضرت سلمان فارسی بنے۔ تمام مہاجر و انصار اور بنی ہاشم کی عورتیں حمد و نعت کی نظمیں پڑھتی ہوئی ساتھ چلیں۔ اس شان سے رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لختِ جگر کی رخصتی ہوئی۔ آگے آگے رسولؐ خدا کی ازواجِ مطہرات رجز خواں تھیں اور پیچھے پیچھے رسولؐ خدا خود اونٹ کو ہنکار رہے تھے۔ اس تقریب میں انسان تو انسان ملائکہ بھی شریک تھے۔ آسمان و زمین پر مسرت ہی مسرت چھائی ہوئی تھی۔ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی میں کائنات کا ذرہ ذرہ شریک تھا۔ تمام فضا میں اللہ اکبر کا نعرہ بلند تھا۔ حضرت علی نے بھی اپنا گھر سجا رکھا تھا اور ضروریات کی تمام چیزیں جمع کر رکھی تھیں۔

جناب سیدہ کی شادی اس سادگی سے ہوئی لیکن جو وقار اور عظمت عیاں تھی وہ بنی نوع انسان کے دل پر گہرا اثر کر گئی ہے۔ جناب سیدہ کا جہیز بھی مسلمانوں کے لئے ہدایت ہے اور سادگی کا عملی نمونہ ہے۔ آپ کا جہیز یہ تھا:۔

۱۔ ایک معمولی قمیص جس کی قیمت سات درہم تھی۔

۲۔ سیاہ کمبل۔

۳۔ مقنع۔

(۴) ایک چکی (۵) کھجور کا بنا ہوا بستر (۶) ایک مشک (۷) دو آب خورے مٹی کے۔
(۸) زمین پر بچھانے کے لئے چمڑے کا ایک فرش (۹) ایک لوٹا (۱۰) ایک لگن تھا۔
رسولؐ خدا نے اس شان سے بیٹی کو رخصت فرمایا کہ اے پروردگار تو ان پر رحم کر جن کے بہترین برتن مٹی کے ہیں۔
جناب سیدہؑ کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں اولاد نرینہ میں حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام و حضرت محسن علیہ السلام تھے۔ اولاد اناث میں حضرت زینبؑ اور جناب ام کلثوم تھیں۔ آپ کی دونوں بیٹیوں کا نکاح حضرت علیؑ کے بھتیجوں سے ہوا تھا۔ جناب زینبؑ کا نکاح جناب عبداللہ ابن جعفر طیار سے اور جناب ام کلثوم کا نکاح محمد ابن جعفر طیار سے ہوا۔
علامہ بیہقی۔ دارقطنی اور ابن حجر مکی نے لکھا ہے کہ۔
"حضرت علیؑ نے اپنی صاحبزادیوں کو پہلے ہی سے اپنے بھتیجوں کے لئے علیحدہ کر کے منسوب کر رکھا تھا حضرت عمر نے حضرت علیؑ سے ملاقات کی اور کہا اے ابوالحسن! اپنی لڑکی جناب کلثوم بنت فاطمہ بنت رسول اللہ کا نکاح مجھ سے کر دو۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ میں نے اپنی لڑکیوں کو اپنے بھتیجوں کے لئے مجبوس کر رکھا ہے۔"
امام ابن ماجہ اور امام داؤد نے بھی یہی رائے دی ہے۔
جناب سیدہ کی دونوں صاحبزادیاں واقعہ کربلا میں شریک ہوئیں۔

ازواج مطہرات

۱ ۔ جناب خدیجہ بنت خویلد۔
۲ ۔ جناب سودہ بنت زمعہ۔
۳ ۔ جناب ام سلمہ بنت ابی امیہ جن کا نام ہند تھا۔
۴ ۔ جناب عائشہ بنت حضرت ابوبکر جن کی کنیت ام عبداللہ تھی۔
۵ ۔ جناب حفصہ بنت حضرت عمر۔
۶ ۔ جناب زینب بنت خزیمہ الحارث جن کو ام المساکین کہتے تھے۔
۷ ۔ جناب زینب بنت جحش۔
۸ ۔ جناب رملہ بنت ابوسفیان جن کی کنیت ام حبیبہ تھی۔
۹ ۔ جناب میمونہ بنت حارث۔

۱۰۔ جناب زینب بنت عمیس۔

۱۱۔ جناب جویریہ بنت حارث۔

۱۲۔ جناب صفیہ بنت حی ابن اخطب۔

۱۳۔ جناب سلمٰی بنت حکیم۔ آپ نے اپنا نفس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہبہ کر دیا تھا۔

اور دو خاص کنیزیں تھیں جن کے لئے اسی طرح راتیں معین تھیں۔ جس طرح دوسری ازواج مطہرات کے درمیان راتیں تقسیم تھیں۔

۱۔ جناب ماریہ قبطیہ

۲۔ جناب ریحانہ خندفیہ

حصۂ سوم

عربی گرامر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"عربی گرامر جاننے کے لئے ضروری ہدایات"

۱- حرکت (جُنبش)۔

الفاظ پر زبر َ زیر ِ پیش ُ کو کہتے ہیں۔ انھیں اعراب بھی کہتے ہیں۔
(یہ یاد رکھیئے کہ زبر َ کو فتحہ کہتے ہیں۔ زیر ِ کو کسرہ کہتے ہیں۔ پیش ُ کو ضمہ کہتے ہیں)۔
اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی یاد رکھیئے کہ زبر زیر پیش کے ساتھ جزم یا تشدید بھی لگایا جاتا ہے۔
جزم کا نشان یہ ہے۔ ْ
تشدید کا نشان یہ ہے۔ ّ
ایک بات اور یاد رکھیئے کہ دو زبر ً دو زیر ٍ اور دو پیش ٌ کو تنوین کہتے ہیں)۔

۲- زمانہ۔

تین طرح کا ہوتا ہے۔ ماضی (گذرا ہوا) حال (موجود) مستقبل (آنے والا)۔

۳- فعل۔

کام کو فعل کہتے ہیں۔

۴- فعل ماضی

وہ فعل ہے جو یہ بتائے کہ یہ کام گذرے ہوئے زمانے میں ہوا ہے۔ جیسے ضَرَبَ (مارا اس ایک مرد نے گذرے ہوئے زمانے میں) فعل ماضی کے آخر حرف پر زبر َ ہوتا ہے۔

۵- فعل مضارع۔

وہ فعل ہے جو یہ بتائے کہ یہ کام اسی وقت ہوتا ہے یا آئندہ زمانے میں ہوگا جیسے یَضْرِبُ (وہ ایک مرد اسی وقت مارتا ہے یا آئندہ زمانے میں مارے گا) فعل مضارع کے آخر حرف پر پیش ُ ہوتا ہے۔

۶ - امر۔

اس فعل کو کہتے ہیں جس میں کسی کام کا حکم دیا جائے جیسے اِضْرِبْ (تو مار)۔

۷ - نہی۔

اُس فعل کو کہتے ہیں جس میں کسی کام سے روکا جائے جیسے لَا تَضْرِبْ (تو مت مار)۔

۸ - واحد (مُفرد)

وہ اسم ہے جو ایک چیز کو ظاہر کرے جیسے قَلَمٌ۔ رَجُلٌ۔ مُؤْمِنٌ وغیرہ۔

۹ - تثنیہ - (مُثنّیٰ)

وہ اسم ہے جو دو چیزوں کو ظاہر کرے جیسے قَلَمَانِ۔ مَسْجِدَانِ۔ کِتَابَانِ۔

۱۰ - جمع۔

وہ اسم جو دو سے زیادہ چیزوں کو ظاہر کرے۔ جیسے اَقْلَامٌ۔ رِجَالٌ۔ مُسْلِمُوْنَ مُسْلِمَاتٌ۔

۱۱ - مذکر۔

نر کو کہتے ہیں۔

۱۲ - مؤنث۔

مادہ کو کہتے ہیں۔

۱۳ - غائب۔

وہ ہے جو موجود نہ ہو۔

۱۴ - حاضر۔

وہ ہے جس سے بات کی جائے۔

۱۵ - متکلم۔

بات کرنے والے کو کہتے ہیں۔

کلمہ اور اس کی اقسام

عربی زبان میں مفرد (واحد) اور بامعنیٰ لفظ کو کلمہ کہا جاتا ہے اور دو یا دو سے زیادہ کلموں کے ملنے سے مرکب بنتا ہے۔ (مفرد کلمہ کی) کلمہ تین قسم کا ہوتا ہے۔ اسم - فعل اور حرف۔

۱- اسم -

اسم وہ کلمہ ہے جو کسی دوسرے کلمہ کی مدد کے بغیر تنہا اپنا معنی بتائے اور تینوں زمانوں (ماضی، حال، مستقبل) میں سے کوئی زمانہ اس سے ظاہر نہ ہوتا ہو۔ جیسے مَلِكٌ (بادشاہ) فَرَسٌ (گھوڑا) خَالِدٌ (نام کسی شخص کا) مَسْجِدٌ (مسجد) وغیرہ۔

اسم کی اقسام -

اسم کی دو قسمیں ہیں۔ نکرہ ۔ معرفہ۔

۱- اسم نکرہ -

وہ اسم ہے جو عام چیزوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے وَلَدٌ (لڑکا) رَجُلٌ (آدمی) وغیرہ۔ کیونکہ اس اسم سے کوئی خاص لڑکا یا آدمی ذہن میں نہیں آتا۔ اور اس کا اطلاق ہر لڑکے پر ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ظَالِمٌ (ظالم آدمی) بھی اسم نکرہ ہے۔ کیونکہ اس سے بھی کسی خاص ظالم آدمی کی طرف اشارہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر ظالم آدمی مراد لیا جا سکتا ہے۔

۲- اسم معرفہ -

وہ اسم ہے جو کسی خاص آدمی، شہر یا چیز کے لئے استعمال کیا جائے۔ مثلاً خَالِدٌ (ایک خاص آدمی کا نام) مِصْرُ (ایک خاص ملک کا نام) اَلْوَلَدُ (ایک خاص لڑکا)

۲- فعل -

وہ کلمہ ہے جو بغیر کسی دوسرے کلمہ کی مدد کے تنہا اپنا معنی بتائے اور تینوں زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس سے ظاہر ہو اور اس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا ظاہر ہو۔ (مطلب یہ ہے کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ کسی نے کیا کیا کسی پر کیا گزری یا کیا ہوا) جیسے کَتَبَ (اس نے لکھا) يَذْهَبُ (وہ جاتا ہے یا جائے گا) تَضْرِبُ (تو مارتا ہے) اِضْرِبْ (تو مار) وغیرہ وغیرہ۔

۳- حرف -

وہ کلمہ ہے جس کے معنی اسم یا فعل سے ملے بغیر نہ سمجھے جا سکیں۔ جیسے فِيْ (میں)، مِنْ (سے) عَلٰى (پر) اِلٰى (تک) وغیرہ۔

"اسم اشارہ"

اسم اشارہ وہ کلمہ ہے جس سے کسی خاص آدمی یا چیز کی طرف اشارہ کیا جائے۔

جس کی طرف اشارہ کیا جائے اسے مشارٌ الیہ کہتے ہیں۔

اسم اشارہ کی دو قسمیں ہیں،

۱۔ اشارہ قریب۔

جب مشارٌ الیہ قریب ہو (یعنی جس کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے وہ قریب ہو) جیسے

هٰذَا الرَّجُلُ (یہ آدمی)

۲۔ اشارہ بعید۔

جب مشارٌ الیہ دُور ہو (یعنی جس کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے وہ دور ہو۔) جیسے

ذَالِكَ الْكِتَابُ (وہ کتاب)

یہ یاد رکھیئے کہ اسم اشارہ پہلے آتا ہے اور مشارٌ الیہ بعد میں آتا ہے۔

اسمائے اشارہ "قریب"

جنس	واحد	تثنیہ	جمع
مذکر	هٰذَا یہ ایک	هٰذَانِ (حالت رفعی) یہ دو هٰذَيْنِ (حالت نصبی وجری) یہ دو	هٰؤُلَاءِ یہ سب
مؤنث	هٰذِهٖ یہ ایک	هَاتَانِ (حالت رفعی) یہ دو هَاتَيْنِ (حالت نصبی وجری) یہ دو	هٰؤُلَاءِ یہ سب

"اسمائے اشارہ بعید"

جنس	واحد	تثنیہ	جمع
مذکر	ذَالِكَ وہ ایک	ذَانِكَ (حالت رفعی) وہ دو ذَیْنِكَ (حالت نصبی وجری) وہ دو	اُولٰئِكَ وہ سب
مونث	تِلْكَ وہ ایک	تَانِكَ (حالت رفعی) وہ دو تَیْنِكَ (حالت نصبی وجری) وہ دو	اُولٰئِكَ وہ سب

"کلماتِ استفہام"

مَنْ	کون	اَیْنَ	کہاں
مَاذَا	کیا	هَلْ	کیا
لِمَ	کیوں	اَیُّ	کون سا
کَیْفَ	کیسے۔ کس طرح	اَیَّانَ	کب
اَیْشَ	کیا	أَ	کیا
مَتیٰ	کب	اَنّٰی	کیوں کر
		کَمْ	کتنا۔ کتنی

ضمیر

ضمیر وہ اسم ہے جو غائب، مخاطب یا متکلم پر دلالت کرے۔ (مطلب یہ ہے کہ اسم ظاہر کی جگہ لایا جائے مثلاً کسی کا نام لینے کی بجائے ہم یہ کہیں کہ ھُوَ (وہ) یا اَنْتَ (تو) یا اپنے نام کو لینے کی بجائے کہیں اَنَا (مَیں) وغیرہ وغیرہ)

ضمیر کی دو قسمیں ہیں

(۱) ضَمِیرِ مُنْفَصِل - ۲ ضمیر مُتَّصِل -

۱۔ ضَمِیرِ مُنْفَصِل -

وہ اسم ضمیر ہے جو الگ بولا جاتا ہے اور کسی لفظ کا جزو نہیں ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ ضمیر منفصل ایک مستقل کلمہ ہوتا ہے اور علیحدہ سے اپنا وجود رکھتا ہے۔ جیسے ھُوَ۔ اَنْتَ وغیرہ۔ یعنی یہ اسم کے ساتھ لگایا جاتا ہے۔ مثلاً ھُوَ اَسْلَمُ کَیْنُنْ وغیرہ۔

ضمیر مُنْفَصِل دو قسم کی ہوتی ہے۔

۱۔ مَرْفُوْع مُنْفَصِل ۲۔ مَنْصُوب مُنْفَصِل -

ضَمَائِر مَرْفُوْعَہ مُنْفَصِلَہ

یعنی فاعل کی وہ ضمیر جو فعل سے جُدا ہیں چودہ ہیں۔

جنس	مذکر غائب	مونث غائب	مذکر حاضر	مونث حاضر	متکلم
واحد	ھُوَ وہ ایک مرد	ھِیَ وہ ایک عورت	اَنْتَ تو ایک مرد	اَنْتِ تو ایک عورت	اَنَا میں
تثنیہ	ھُمَا وہ دو مرد	ھُمَا وہ دو عورتیں	اَنْتُمَا تم دو مرد	اَنْتُمَا تم دو عورتیں	نَحْنُ ہم
جمع	ھُمْ وہ سب مرد	ھُنَّ وہ سب عورتیں	اَنْتُمْ تم سب مرد	اَنْتُنَّ تم سب عورتیں	״

ضَمَائِرُ مَنْصُوْبَۃٌ مُنْفَصِلَۃٌ

یعنی مفعول کی وہ ضمیر جو فعل سے جُدا ہو چوّدہ ہیں۔

جنس	مذکر غائب	مونث غائب	مذکر حاضر	مونث حاضر	متکلّم
واحد	اِیَّاہُ	اِیَّاھَا	اِیَّاکَ	اِیَّاکِ	اِیَّایَ
تثنیہ	اِیَّاھُمَا	اِیَّاھُمَا	اِیَّاکُمَا	اِیَّاکُمَا	اِیَّانَا
جمع	اِیَّاھُمْ	اِیَّاھُنَّ	اِیَّاکُمْ	اِیَّاکُنَّ	؍؍

۲۔ ضمیر مُتّصل۔

ضمیر مُتّصل مستقل کلمہ نہیں ہوتا اور نہ علیحدہ وجود رکھتا ہے بلکہ اسم وغیرہ کے ساتھ مِل کر آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی لفظ کے ساتھ مِلا ہوا ہوتا ہے الگ استعمال نہیں ہوتا جیسے۔ غُلَامُہٗ (اس کا غلام) کِتَابُکَ (تیری کتاب) وغیرہ وغیرہ۔

ضمیر متصلہ تین قسم کی ہوتی ہے۔

(۱) ضمیر مَنْصُوْبَۃٌ مُتَّصِلَۃٌ (۲) ضَمِیْر مَجْرُوْرَۃٌ مُتَّصِلَۃٌ۔

(۳) ضَمِیْر مَرْفُوْعَۃٌ مُتَّصِلَۃٌ

۱۔ ضمیر مَنْصُوْبَۃٌ مُتَّصِلَۃٌ

جنس	مذکر غائب	مونث غائب	مذکر حاضر	مونث حاضر	متکلم
واحد	ہٗ اس ایک مرد	ھَا اس ایک عورت	کَ تجھ ایک مرد	کِ تجھ ایک عورت	ی مجھ
تثنیہ	ھُمَا اس دو مرد	ھُمَا اس دو عورتوں	کُمَا تجھ دو مرد	کُمَا تجھ دو عورت	نا ھم
جمع	ھُمْ ان سب مرد	ھُنَّ ان سب عورتوں	کُمْ تم سب مرد	کُنَّ تم سب عورتیں	؍؍

مندرجہ بالا ضمیریں فعل کے ساتھ لگ کر آتی ہیں اور مفعول ہوتی ہیں جیسے ضَرَبَہٗ۔ اس کی پوری گردان اس طرح آئے گی۔

جنس	مذکر غائب	مونث غائب	مذکر حاضر	مونث حاضر	متکلم
واحد	ضَرَبَہٗ اس ایک مرد نے مارا	ضَرَبَہَا اس ایک عورت نے مارا	ضَرَبَکَ تجھ ایک مرد نے مارا	ضَرَبَکِ تجھ ایک عورت نے مارا	ضَرَبَنِی میں نے مارا
تثنیہ	ضَرَبَہُمَا ان دو مردوں نے مارا	ضَرَبَہُمَا ان دو عورتوں نے مارا	ضَرَبَکُمَا تم دو مردوں نے مارا	ضَرَبَکُمَا تم دو عورتوں نے مارا	ضَرَبَنَا ہم نے مارا
جمع	ضَرَبَہُمْ ان سب مردوں نے مارا	ضَرَبَہُنَّ ان سب عورتوں نے مارا	ضَرَبَکُمْ تم سب مردوں نے مارا	ضَرَبَکُنَّ تم سب عورتوں نے مارا	"

۲۔ ضمائر مجرورہ متصلہ

بحرف جار (یعنی وہ ضمیر جو حرفِ جر سے ملے)

جنس	مذکر غائب	مونث غائب	مذکر حاضر	مونث حاضر	متکلم
واحد	لَہٗ اس ایک مرد کے واسطے	لَہَا اس ایک عورت کے واسطے	لَکَ تجھ ایک مرد کے واسطے	لَکِ تجھ ایک عورت کے واسطے	لِی میرے واسطے
تثنیہ	لَہُمَا ان دو مردوں کے واسطے	لَہُمَا ان دو عورتوں کے واسطے	لَکُمَا تم دو مردوں کے واسطے	لَکُمَا تم دو عورتوں کے واسطے	لَنَا ہمارے واسطے
جمع	لَہُمْ ان سب مردوں کے واسطے	لَہُنَّ ان سب عورتوں کے واسطے	لَکُمْ تم سب مردوں کے واسطے	لَکُنَّ تم سب عورتوں کے واسطے	"

حروفِ جر

تعریف ۔

حروف جارہ وہ ہیں جو اسم پر داخل ہو کر اسے جرّ (زیر) دیتے ہیں ۔ ایسے اسم کو مجرور کہتے ہیں ۔

حرف جر سترہ ہیں ۔

۱ ۔ باءٌ ۲ ۔ تاءٌ ۳ ۔ کافٌ ۔ ۴ ۔ راءٌ ۵ ۔ واوٌ ۶ ۔ مُنْذُ ۔
۷ ۔ مُذْ ۔ ۸ ۔ خَلاَ ۔ ۹ ۔ رُبَّ ۔ ۱۰ ۔ حاشا ۔ ۱۱ ۔ مِنْ ۔ ۱۲ ۔ عدا
۱۳ ۔ فِیْ ۔ ۱۴ ۔ عَنْ ۔ ۱۵ ۔ علٰی ۔ ۱۶ ۔ حتّٰی ۔ ۱۷ ۔ اِلٰی ۔

۳ ۔ ضَمَائِرِ مَرْفُوعَۃ مُتَّصِلَۃ

(یعنی فاعل کی وہ ضمیر جو فعل سے ملی ہو)

جنس	مذکر غائب	مونث غائب	مذکر حاضر	مونث حاضر	متکلم
واحد	ضَرَبَ اس ایک مرد نے مارا	ضَرَبَتْ اس ایک عورت نے مارا	ضَرَبْتَ تو ایک مرد نے مارا	ضَرَبْتِ تو ایک عورت نے مارا	ضَرَبْتُ میں نے مارا
تثنیہ	ضَرَبَا ان دو مردوں نے مارا	ضَرَبَتَا ان دو عورتوں نے مارا	ضَرَبْتُمَا تم دو مردوں نے مارا	ضَرَبْتُمَا تم دو عورتوں نے مارا	ضَرَبْنَا ہم نے مارا
جمع	ضَرَبُوْا ان سب مردوں نے مارا	ضَرَبْنَ ان سب عورتوں نے مارا	ضَرَبْتُمْ تم سب مردوں نے مارا	ضَرَبْتُنَّ تم سب عورتوں نے مارا	"

ضَمَائِرِ مَرْفُوعَۃ مُتَّصِلَۃ میں گیارہ ضمیریں ہیں

یعنی ان الفاظوں کا استعمال ہوتا ہے جو درج ذیل ہیں : ۔

ا ۔ و ۔ ن ۔ تَ ۔ تِ ۔ تُ ۔ تُمَا ۔ تُنَّ ۔ نَا ۔ یَ ۔ ان کے علاوہ ی ہے جو مضارع اور امر کے لئے مخصوص ہے۔

ضمیر مجرور باضافت

جنس	مذکر غائب	مونث غائب	مذکر حاضر	مؤنث حاضر	متکلّم
واحد	دَارُہٗ اس ایک مرد کا گھر	دَارُھَا اس ایک عورت کا گھر	دَارُكَ تجھ ایک مرد کا گھر	دَارُكِ تجھ ایک عورت کا گھر	دَارِیْ میرا گھر
تثنیہ	دَارُھُمَا ان دو مردوں کا گھر	دَارُھُمَا ان دو عورتوں کا گھر	دَارُکُمَا تم دو مردوں کا گھر	دَارُکُمَا تم دو عورتوں کا گھر	دَارُنَا ہمارا گھر
جمع	دَارُھُمْ ان سب مردوں کا گھر	دَارُھُنَّ ان سب عورتوں کا گھر	دَارُکُمْ تم سب مردوں کا گھر	دَارُکُنَّ تم سب عورتوں کا گھر	″

ضمیر مجرور باضافت یہ ہیں ۔

ہٗ ۔ ھُمَا ۔ ھُمْ ۔ ھَا ۔ ھُمَا ۔ ھُنَّ ۔ كَ ۔ كُمَا ۔ كُمْ ۔ كِ ۔ كُمَا ۔ كُنَّ ۔ یْ ۔ نَا ۔

تذکیر و تانیث

اسم باعتبار جنس دو قسم کا ہوتا ہے۔

مُذَکَّرٌ ۔ مُؤَنَّثٌ

مُذکّر و مُؤنّث بنانے کا طریقہ ۔

مؤنث بنانے کے لئے عموماً اسم مذکر کے آخر میں "ۃ" بڑھادی جاتی ہے جیسے۔
اِبْنٌ سے اِبْنَۃٌ ۔ صَغِیْرٌ سے صَغِیْرَۃٌ ۔ صَادِقٌ سے صَادِقَۃٌ ۔

وَحْدَت وَجَمْع

عربی زبان میں تعداد ظاہر کرنے کے لئے اسم تین قسم کا آتا ہے۔

۱۔ واحد ۲۔ تثنیہ ۳۔ جمع۔

۱۔ واحد۔

واحد (مفرد) وہ ہے جو ایک چیز کو ظاہر کرے جیسے وَلَدٌ (ایک لڑکا) رَجُلٌ (ایک مرد) اِمْرَأَةٌ (ایک عورت) فَرَسٌ (ایک گھوڑا)

۲۔ تثنیہ۔

تثنیہ وہ ہے جو دو چیزوں کو ظاہر کرے۔ جیسے رَجُلَانِ۔ (دو مرد) رَجُلَیْنِ (دو مرد)۔ اِمْرَاتَانِ (دو عورتیں) اِمْرَاتَیْنِ (دو عورتیں)

تثنیہ بنانے کا طریقہ ۔

تثنیہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ واحد اسم کو جب حالتِ رفعی میں بنائیں تو اسم کے آخر میں ـَ (زبر) لگاتے ہوئے "ان" (الف نون) کا اضافہ کرتے ہیں اور ن پر ـِ لگاتے ہیں۔

جیسے رَجُلٌ کو تثنیہ بنایا (حالت رفعی میں) تو وہ ہو گیا رَجُلَانِ۔ اِمْرَاةٌ کو بنایا تو وہ ہو گیا اِمْرَاتَانِ۔ اسی طرح جب حالت نصبی اور جری میں بنائیں گے تو زبر ـَ لگاتے ہوئے یْنِ (ی ن کا اضافہ جزم اور زیر کا اضافہ کریں گے۔

جیسے رَجُلٌ کو تثنیہ بنایا (حالت نصبی و جری میں) تو وہ ہو گیا۔ رَجُلَیْنِ۔ اِمْرَاةٌ سے اِمْرَاتَیْنِ۔

۳۔ جمع۔

جمع کی دو قسمیں ہیں :- ۱۔ جمع سالم ۲۔ جمع مکسر۔

۱۔ جمع سالم۔

جمع سالم وہ جمع ہے جس میں واحد کا صیغہ سلامت رہے اور آخر میں کچھ اضافہ اس طرح کر دیا جائے کہ واحد کی صورت قائم رہے۔

جیسے عَالِمٌ سے عَالِمُوْنَ۔

جمع سالم مذکر بنانے کا طریقہ۔

اس کے بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر واحد مذکر ہو تو اس کے آخر میں پیش ـُ لگاتے ہوئے وْنَ (و پر جزم ۠ اور ن پر زبر ـَ) کا اضافہ کیا جاتا ہے، حالت رفعی میں۔ جیسے:۔ عَالِمٌ سے عَالِمُوْنَ

ظَالِمٌ سے ظَالِمُوْنَ

اور اگر جمع بنانا ہو حالت جری یا نصبی میں تو زیر ـِ لگاتے ہوئے یْنَ (ی پر جزم اور ن پر زبر لگاتے ہیں) کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ جیسے:۔

عَالِمٌ سے عَالِمِیْنَ

ظَالِمٌ سے ظَالِمِیْنَ

جمع سالم مؤنث بنانے کا طریقہ۔

اگر واحد مونث ہو تو جمع بناتے وقت اس کے آخر میں زبر ـَ لگاتے ہوئے اتٌ (الف کے ساتھ ت پر دو پیش لگاتے ہیں) کا اضافہ کرتے ہوئے حالت رفعی میں جیسے۔

ظَالِمَةٌ سے ظَالِمَاتٌ

عَالِمَةٌ سے عَالِمَاتٌ

اسی طرح اگر جمع مؤنث جری و نصبی بناتے ہیں تو اس کے آخر میں زبر ـَ لگاتے ہوئے اتٍ (الف کے ساتھ ت پر دو زیر ـٍ لگاتے ہیں) کا اضافہ کرتے ہیں جیسے۔

ظَالِمَةٌ سے ظَالِمَاتٍ

عَالِمَةٌ سے عَالِمَاتٍ

۲- جمع مکسّر۔

جمع مکسّر وہ جمع ہے جس میں واحد کا صیغہ سلامت نہ رہے اور اس کے حرفوں کی ترتیب بیچ میں سے ٹوٹ جائے یا اضافہ ہو جائے۔

اس کے بنانے کا کوئی خاص طریقہ نہیں ہے اس کے بہت سے اوزان ہیں، جن کے مطابق یہ آتی ہے، بسا اوقات واحد کے درمیان میں یا آخر میں کچھ تبدیلی یا زیادتی کرنے سے جمع مکسر بن جاتا ہے۔ جیسے:۔ رَجُلٌ کو جمع بنایا۔ رِجَالٌ۔

اس میں حروف کی ترتیب بیچ سے ٹوٹ گئی اور حروف کے بیچ میں اضافہ ہوا اسی طرح

اور مثال دیکھئے۔

کَلْبٌ سے کِلَابٌ

عَالِمٌ سے عُلَمَاءُ

تِلْمِیْذٌ سے تَلَامِذَةٌ

مَدِیْنَةٌ سے مُدُنٌ

بعض اوقات واحد کے حروف میں کوئی اضافہ یا تبدیلی کے بغیر محض حرکات کے تغیر و تبدل سے جمع مکسر بن جاتی ہے۔ جیسے۔

خَشَبٌ سے خُشُبٌ

اَسَدٌ سے اُسُدٌ

سَقْفٌ سے سُقُفٌ

بعض اوقات کسی حرف کو حذف کرنے سے بن جاتا ہے۔ جیسے:۔

رَسُوْلٌ سے رُسُلٌ وغیرہ وغیرہ۔

فعل ماضی

ہر فقرے میں کم سے کم ایک فعل ضرور ہوتا ہے۔ فعل کے بغیر کوئی جملہ نہیں بن سکتا۔ چھوٹے چھوٹے جملے صرف ان دو لفظوں کے ملانے سے بن جاتے ہیں۔

۱- اسم۔

یعنی وہ لفظ جو اس شخص یا جگہ یا چیز کے بارے میں کچھ بتائے۔

جس اسم کے بارے میں فعل کچھ بتاتا ہے اس اسم کو عام طور پر اس فعل کا فاعل کہتے ہیں۔

جیسے:۔ ۱- چور بھاگا۔ بھاگا فعل ہے۔ اور

چور اس کا فاعل ہے۔

۲- شیر دہاڑتا ہے۔ دہاڑتا ہے فعل ہے

اور شیر فاعل ہے۔

کبھی تین کلموں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک فعل اور دو اسم (جن میں سے ایک اس فعل کا فاعل کہلاتا ہے۔ اور دوسرا اس فعل کا مفعول کہلاتا ہے۔ جیسے ۔ فاطمہ اخبار پڑھ رہی ہے۔

فعل کی اقسام

فعل کی دو قسمیں ہیں۔ ماضی اور مضارع۔

۱۔ ماضی۔
وہ فعل ہے جس سے کسی کام کا گذرے ہوئے زمانہ میں ہونا یا ہو چکنا معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ مضارع۔
وہ فعل ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کام ابھی تک ختم نہیں ہوا۔ ہو رہا ہے۔ یا آئندہ جا کر ہوگا۔

بعض کے نزدیک فعل کی تیسری قسم امر ہے۔

ماضی معروف ۔ ماضی معروف (سہ حرفی) کے صیغہ واحد مذکر غائب کے پہلے اور تیسرے حرف پر ہمیشہ زبر ہوتی ہے لیکن درمیان میں حرف پر تینوں حرکات (زبر، زیر، پیش) میں سے کوئی ایک حرکت آتی ہے جیسے۔ كَتَبَ (اس نے لکھا) شَرِبَ (اس نے پیا) حَسُنَ (وہ خوبصورت ہوا)

مطلب یہ ہے کہ ماضی معروف کی پہچان یہ ہے کہ پہلے حرف اور تیسرے حرف پر زبر ہوگا۔

ماضی معروف بنانے کا طریقہ ۔

ہدایت نمبر ۱۔ غائب کا صیغہ بنانے کا طریقہ

ماضی معروف بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ صیغہ واحد مذکر غائب کے پہلے اور تیسرے حرف پر زبر لگائیے۔ جیسے ضَرَبَ۔

اور مذکر غائب تثنیہ بنانے میں پہلے اور تیسرے حرف پر زبر کے ساتھ (الف) 'ا' کا اضافہ کیجئے جیسے ۔ ضَرَبَ سے ضَرَبَا۔ اور مذکر غائب جمع بنانے میں پہلے حرف پر زبر لگائیے اور تیسرے حرف پر پیش ـُ دیجئے اور آخر میں 'وا' (واؤ اور الف) کا اضافہ کیجئے۔ جیسے ضَرَبَ سے ضَرَبُوا۔

واحد مؤنث غائب بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ فعل کو مونث میں تبدیل کیجئے (آپ کو یاد ہوگا کہ مؤنث بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ آخر میں 'ت' لگا دیتے ہیں۔) پھر پہلے اور تیسرے حرف پر زبر لگائیے اور آخر میں 'ت' کا اضافہ سکون (جزم ـْ) کے ساتھ کیجئے۔ جیسے ضَرَبَ مذکر غائب واحد ہے اس کا واحد مؤنث غائب اس طرح بنے گا ضَرَبَتْ۔

تثنیہ مؤنث غائب بناتے وقت (الف) 'ا' کا آخر میں اضافہ کیا جائے گا اور 'ت' پر زبر آئے گی۔ جیسے ضَرَبَتْ سے بنا ضَرَبَتَا۔

جمع مؤنث غائب بنانے میں پہلے حرف پر زبر آئے گا۔ اور واحد مؤنث غائب میں جو 'ت' کا اضافہ کیا تھا اس کو ختم، حذف کردیں گے۔ اور 'ت' کی جگہ 'ن' (نون) لگا دیں گے اور 'ن' پر زبر لگائیں گے۔ اور 'ب' پر جزم (ْ) دیں گے۔ جیسے ضَرَبَتْ سے ضَرَبْنَ۔

ہدایت نمبر۲۔ حاضر کے صیغہ بنانے کا طریقہ۔

واحد مذکر حاضر بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ سہ حرفی میں 'ت' کا اضافہ کریں گے اور پہلے حرف پر زبرَ لگائیں گے اور تیسرے حرف پر ْ جزم (سکون) لگائیں گے اور آخر حرف 'ت' پر زبرَ لگائیں گے جیسے ضَرَبْتَ۔

تثنیہ مذکر حاضر بنانے میں 'ت' پر پیش لگائیں گے۔ 'م' اور الف کا اضافہ کریں گے زبرَ لگاتے ہوئے جیسے ضَرَبْتُمَا۔

جمع مذکر حاضر بنانے میں آخر لفظ 'الف' کو حذف (ختم) کردیں گے اور 'م' پر جزم ْ (سکون) لگائیں گے۔ جیسے ضَرَبْتُمْ۔

واحد مؤنث حاضر بنانے میں پوری حالت وہی رہے گی۔ جو مذکر حاضر میں تھی۔ صرف فرق یہ ہوگا کہ 'ت' پر زبرَ کی جگہ زیرِ آجائے گا جیسے ضَرَبْتِ۔

تثنیہ مؤنث حاضر میں وہی تبدیلی آئے گی جو تثنیہ مذکر حاضر میں تھی۔ جیسے ضَرَبْتُمَا۔

جمع مؤنث حاضر بناتے وقت 'م' اور 'الف' کو حذف (ختم) کردیا جائے گا اور اس کی جگہ تُنَّ کا ('ت' پر پیش اور 'ن' پر تشدید اور زبر کے ساتھ اضافہ کیا جائے گا) جیسے ضَرَبْتُنَّ۔

واحد مذکر و مؤنث متکلم بنانے میں 'ت' پر پیش آجائے گا جیسے ضَرَبْتُ اور تثنیہ و جمع مذکر و مؤنث متکلم بنانے میں 'ت' کو حذف (ختم) کرکے 'ن' 'ن' پر زبر کے ساتھ اور الف کا اضافہ کیا جائے گا۔ جیسے ضَرَبْنَا۔

گردان ماضی معروف مطلق

جنس	مذکر غائب	مونث غائب	مذکر حاضر	مونث حاضر	متکلم
واحد	ضَرَبَ اس ایک آدمی نے مارا	ضَرَبَتْ اس ایک عورت نے مارا	ضَرَبْتَ تو ایک مرد نے مارا	ضَرَبْتِ تو ایک عورت نے مارا	ضَرَبْتُ میں نے مارا
تثنیہ	ضَرَبَا ان دو آدمیوں نے مارا	ضَرَبَتَا ان دو عورتوں نے مارا	ضَرَبْتُمَا تم دو آدمیوں نے مارا	ضَرَبْتُمَا تم دو عورتوں نے مارا	ضَرَبْنَا ہم نے مارا
جمع	ضَرَبُوْا ان سب آدمیوں نے مارا	ضَرَبْنَ ان سب عورتوں نے مارا	ضَرَبْتُمْ تم سب آدمیوں نے مارا	ضَرَبْتُنَّ تم سب عورتوں نے مارا	

سوال۔ ذَهَبَ (وہ ایک مرد گیا) سے فعل ماضی معروف کی گردان با معنی لکھیے اور اعراب لگائیے۔

ماضی معروف

جنس	مذکر غائب	مونث غائب	مذکر حاضر	مونث حاضر	متکلم
واحد	ذَهَبَ وہ ایک مرد گیا	ذَهَبَتْ وہ ایک عورت گئی	ذَهَبْتَ تو ایک مرد گیا	ذَهَبْتِ تو ایک عورت گئی	ذَهَبْتُ میں گیا یا میں گئی
تثنیہ	ذَهَبَا وہ دو مرد گئے	ذَهَبَتَا وہ دو عورتیں گئیں	ذَهَبْتُمَا تم دو مرد گئے	ذَهَبْتُمَا تم دو عورتیں گئیں	ذَهَبْنَا ہم گئے
جمع	ذَهَبُوْا وہ سب مرد گئے	ذَهَبْنَ وہ سب عورتیں گئیں	ذَهَبْتُمْ تم سب مرد گئے	ذَهَبْتُنَّ	

سوال۔ سَمِعَ یَسْمَعُ سے فعل ماضی معروف کی گردان لکھیے اور اعراب بھی لگایئے۔

ماضی مطلق قریب

جس فعل سے ظاہر ہو کہ کام کو زیادہ دیر نہیں ہوئی اس فعل کو ماضی قریب کہتے ہیں۔ اس کے بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ ماضی معروف کی گردان میں فعل سے پہلے قد لگا دیتے ہیں۔ جیسے۔
قَدْ ضَرَبَ۔ قَدْ ضَرَبَا۔ قَدْ ضَرَبُوْا اسی طرح پوری گردان بنتی جائے گی۔

ماضی مطلق بعید

جس فعل سے یہ ظاہر ہو کہ اس کو کئے ہوئے کافی دیر ہو چکی ہے اسے ماضی بعید کہتے ہیں۔
بعید بنانے کے لئے کَانَ کی پوری گردان لگا دیتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ماضی مطلق پر کان کا لفظ لگانے سے ماضی بعید کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔

کَانَ کی گردان

متکلم	مونث حاضر	مذکر حاضر	مؤنث غائب	مذکر غائب	جنس
کُنْتُ	کُنْتِ	کُنْتَ	کَانَتْ	کَانَ	واحد
کُنَّا	کُنْتُمَا	کُنْتُمَا	کَانَتَا	کَانَا	تثنیہ
	کُنْتُنَّ	کُنْتُمْ	کُنَّ	کَانُوْا	جمع

مطلب یہ ہے کہ صیغہ کے حساب سے گردان کا استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے۔
کَانَ فَعَلَ۔ کَانَا فَعَلَا۔ کَانُوْا فَعَلُوْا وغیرہ یا
کَانَ کَتَبَ۔ کَانَا کَتَبَا۔ کَانُوْا کَتَبُوْا۔
اسی طرح پوری گردان بنے گی۔

ماضی معروف کے اوزان۔

ماضی معروف کے تین اوزان ہیں۔ فَعَلَ۔ فَعِلَ۔ فَعُلَ۔

یاد رکھیے گردان ہمیشہ انھیں اوزان میں بنے گی۔

ماضی منفی

جس فعل میں کسی کام کا نہ ہونا پایا جائے اسے فعل منفی کہتے ہیں۔ ماضی منفی بنانا ہو تو ماضی مثبت سے پہلے مَا (نہیں) لاتے ہیں جیسے مَا ضَرَبَ (اس نے نہیں مارا) مَا شَرِبَ (اس نے نہیں پیا)۔

سوال ۔ فَعَلَ ۔ فَعِلَ ۔ فَعُلَ سے فعل ماضی منفی اور ماضی قریب وبعید کی گردان بنائیے۔

سوال ۔ خَرَجَ (وہ نکلا) دَخَلَ (وہ داخل ہوا) شَرِبَ (اس نے پیا) اَکَلَ (اس نے کھایا)۔ کَتَبَ (اس نے لکھا) قَرَأَ (اس نے پڑھا) نَصَرَ (اس نے مدد کی) فَتَحَ (اس نے کھولا) سے فعل ماضی معروف کی گردان بامعنی بنائیے اور اعراب لگائیے۔

ماضی مجہول

ماضی مجہول کا وزن فُعِلَ ہے۔ جیسے کَتَبَ سے کُتِبَ ۔ سَمِعَ سے سُمِعَ ۔ حَسُنَ سے حُسِنَ وغیرہ۔

ماضی مجہول بنانے کا طریقہ ۔

ماضی معروف کے صیغہ واحد مذکر غائب کے پہلے حرف پر پیش لگا دیجئے۔ اور آخری حرف کو اس کی حالت پر چھوڑ دیجئے اور آخر سے پہلے والے حرف پر ـِ دے دیجئے۔ باقی تمام طریقہ وہی ہے گردان بنانے کا جو ماضی معروف کا ہے۔

ماضی مجہول کی گردان (ضَرَبَ سے)

جنس	مذکر غائب	مؤنث غائب	مذکر حاضر	مؤنث حاضر	متکلم
واحد	ضُرِبَ وہ ایک مرد مارا گیا	ضُرِبَتْ وہ ایک عورت ماری گئی	ضُرِبْتَ تو ایک مرد مارا گیا	ضُرِبْتِ تو ایک عورت ماری گئی	ضُرِبْتُ میں مارا گیا
تثنیہ	ضُرِبَا وہ دو مرد مارے گئے	ضُرِبَتَا وہ دو عورتیں ماری گئیں	ضُرِبْتُمَا تم دو مرد مارے گئے	ضُرِبْتُمَا تم دو عورتیں ماری گئیں	ضُرِبْنَا ہم دو یا سب مرد یا عورتیں مارے گئے۔
جمع	ضُرِبُوْا وہ سب مرد مارے گئے	ضُرِبْنَ وہ سب عورتیں	ضُرِبْتُمْ تم سب مرد مارے گئے	ضُرِبْتُنَّ تم سب عورتیں ماری گئیں	

ماضی مجہول کی گردانیں

		فَعَلَ (وزن)	فَعِلَ (وزن)	فَعُلَ (وزن)
غائب	واحد مذکر	فُتِحَ وہ کھولا گیا	شُرِبَ وہ پیا گیا	کُرِمَ وہ بزرگ کیا گیا
	تثنیہ مذکر	فُتِحَا	شُرِبَا	کُرِمَا
	جمع مذکر	فُتِحُوْا	شُرِبُوْا	کُرِمُوْا
غائب	واحد مؤنث	فُتِحَتْ	شُرِبَتْ	کُرِمَتْ
	تثنیہ مؤنث	فُتِحَتَا	شُرِبَتَا	کُرِمَتَا
	جمع مؤنث	فُتِحْنَ	شُرِبْنَ	کُرِمْنَ
حاضر	واحد مذکر	فُتِحْتَ	شُرِبْتَ	کُرِمْتَ
	تثنیہ مذکر	فُتِحْتُمَا	شُرِبْتُمَا	کُرِمْتُمَا
	جمع مذکر	فُتِحْتُمْ	شُرِبْتُمْ	کُرِمْتُمْ
حاضر	واحد مؤنث	فُتِحْتِ	شُرِبْتِ	کُرِمْتِ
	تثنیہ مؤنث	فُتِحْتُمَا	شُرِبْتُمَا	کُرِمْتُمَا
	جمع مؤنث	فُتِحْتُنَّ	شُرِبْتُنَّ	کُرِمْتُنَّ
متکلم	واحد مذکر و مؤنث	فُتِحْتُ	شُرِبْتُ	کُرِمْتُ
	تثنیہ و جمع مذکر و مؤنث	فُتِحْنَا	شُرِبْنَا	کُرِمْنَا

ماضی سے مَا لگا دینے سے نفی کے معنی آجاتے ہیں۔

فعل مضارع

فعل مضارع وہ فعل ہے جس سے کسی کام کا زمانۂ حال یا زمانۂ مستقبل میں ہونا ظاہر ہو (یعنی اس میں دونوں زمانے آتے ہیں) جیسے یَکْتُبُ زَیْدٌ (زید لکھتا ہے یا لکھے گا) یَعْلَمُ (وہ

جانتا ہے یا جانے گا، یَسْمَعُ (وہ سنتا ہے یا سُنے گا)

فعل مضارع بنانے کا طریقہ۔

فعل مضارع معروف فعل ماضی معروف سے بنتا ہے یہ یاد رکھیئے کہ مضارع کی چار علامتیں ہیں ی۔ ت۔ ا۔ ن (الف (ا)، تا (ت) یا (ے) نون (ن))۔ ان الفاظ کا مجموعہ یہ بنتا ہے اَتَین۔ ان چار حرفوں کو مضارع کی علامت کہتے ہیں۔ یعنی مضارع بناتے وقت الفاظ کے شروع میں ان چار علامتوں میں کسی ایک کو استعمال کرتے ہیں۔

مذکر غائب بنانے کا طریقہ۔

واحد، تثنیہ و جمع مذکر غائب بنانے میں الفاظ کے پہلے 'ی' کا استعمال کیا جاتا ہے (یعنی ماضی معروف کے الفاظ میں ی لگاتے ہیں جیسے ماضی معروف ضَرَبَ ہے تو اس میں الفاظ سے پہلے ی لگائیں گے تو یہ ہو جائے گا یَضْرِبُ) ایک خاص بات اور یاد رکھیئے کہ حرف کے اضافے کے ساتھ ساتھ کچھ حرکات (زبر۔ زیر۔ پیش) کا تبدیل ہونا بھی ضروری ہے۔ مثلاً آپ کے پاس لفظ ہے فَعَلَ تو پہلے (ماضی معروف) اس میں آپ یَ کا اضافہ زبر کے ساتھ کر دیجئے پھر ماضی کے فَ، کلمہ کو ساکن (جزم ۡ) کر دیجئے۔ اور ع پر حسب موقع زبر۔ زیر۔ پیش کر دیجئے۔ اور (لام) 'ل' کلمہ پر پیش لگا دیجئے جیسے فَعَلَ (ف۔ع۔ل) سے بنا یَفْعَلُ۔ مَنَعَ سے یَمْنَعُ۔

تثنیہ مذکر غائب بنانے میں الفاظ کے آخر لفظ پہ پیش کی جگہ زبر آجائے گا اور الفاظ کے آخر میں 'الف'، اور 'ن' (ا۔ن) کا اضافہ زیر کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ جیسے یَفْعَلُ سے یَفْعَلَانِ۔

اسی طرح جمع مذکر غائب بنانے میں الفاظ کے آخر لفظ 'ل' (لام) پر پیش ُ رہے گا اور الفاظ کے آخر میں وْنَ (واؤ پر جزم کے ساتھ اور نون پر زبر کے ساتھ) کا اضافہ کر دیا جائے گا۔

مؤنث غائب بنانے کا طریقہ۔

واحد مؤنث غائب اور تثنیہ مؤنث غائب میں الفاظ کے پہلے 'ت' کا اضافہ کیا جاتا ہے جیسے۔ فَعَلَ سے تَفْعَلُ (واحد)

تَفْعَلُ سے تَفْعَلَانِ (تثنیہ)

باقی تمام حرکات اور تبدیلیاں اسی طرح ہوتی ہیں جیسے مذکر غائب میں ہوتی ہیں۔
جمع مؤنث غائب میں الفاظ کے پہلے 'ی' کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ اور آخر لفظ (لام) 'ل' پر جزم ٘ لگاتے ہیں اور نون کا اضافہ زبر کے ساتھ کرتے ہیں جیسے ۔ تَفْعَلُ سے يَفْعَلْنَ۔

مذکر حاضر بنانے کا طریقہ۔

واحد تثنیہ، جمع مذکر حاضر بنانے وقت پہلے الفاظ میں 'ت' کا اضافہ زبر َ کے ساتھ کرتے ہیں۔
باقی تبدیلیاں اسی طریقہ سے ہوتی ہیں جیسے مذکر غائب میں ہوتی ہیں۔

مؤنث حاضر بنانے کا طریقہ۔

واحد مؤنث حاضر میں بھی پہلے "ت" لگاتے ہیں اور آخری لفظ 'ل' پر زیر لگاتے ہیں اور آخر میں ینَ (ی کا اضافہ جزم کے ساتھ اور ن کا اضافہ زبر کے ساتھ کرتے ہیں) کا اضافہ کرتے ہیں۔
تثنیہ و جمع میں عام تبدیلیاں اسی طریقے سے ہوں گی جیسے مؤنث غائب میں ہوتی ہیں۔

مذکر و مؤنث متکلم بنانے کا طریقہ۔

واحد مذکر و مؤنث متکلم بنانے میں الفاظ کو پہلے الف (ا) کا اضافہ زبر کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ 'ف' پر جزم ٘ لگاتے ہیں۔ اور آخر لفظ پر پیش لگاتے ہیں جیسے فَعَلَ سے اَفْعَلُ۔
تثنیہ و جمع مذکر و مؤنث متکلم بنانے میں الفاظ کے پہلے 'ن' کا اضافہ زبر کے ساتھ کیا جاتا ہے اور 'ف' پر جزم ٘ لگاتے ہیں اور 'ل' پر پیش آتا ہے جیسے فَعَلَ سے نَفْعَلُ۔

گردان مضارع معروف (مَنَعَ سے)

جنس	مذکر غائب	مؤنث غائب	مذکر حاضر	مؤنث حاضر	متکلم
واحد	يَمْنَعُ وہ ایک آدمی روکتا ہے یا روکے گا	تَمْنَعُ وہ ایک عورت روکتی ہے یا روکے گی	تَمْنَعُ تو ایک روکتا ہے یا روکے گا	تَمْنَعِيْنَ تو ایک عورت روکتی ہے یا روکے گی	اَمْنَعُ میں روکتا یا روکتی ہوں یا روکوں گی یا روکوں گا

گردان مضارع معروف (مَنَعَ سے)

جنس	مذکر غائب	مؤنث غائب	مذکر حاضر	مؤنث حاضر	متکلم
تثنیہ	تَمْنَعَانِ وہ دو آدمی روکتے ہیں یا روکیں گے	تَمْنَعَانِ وہ دو عورتیں روکتی ہیں یا روکیں گی	تَمْنَعَانِ تم دو آدمی روکتے ہو یا روکو گے	تَمْنَعَانِ تم دو عورتیں روکتی ہو یا روکو گی	نَمْنَعُ ہم روکتے ہیں یا روکتی ہیں یا روکیں گے یا روکیں گی
جمع	یَمْنَعُوْنَ وہ سب آدمی روکتے ہیں یا روکیں گے	یَمْنَعْنَ وہ سب عورتیں روکتی ہیں یا روکیں گی	تَمْنَعُوْنَ تم سب آدمی روکتے ہو یا روکو گے	تَمْنَعْنَ تم سب عورتیں روکتی ہو یا روکو گی	

مضارع منفی —

فعل مضارع مثبت سے منفی بنانے کے لئے عام طور پر مضارع سے پہلے لا (نہیں) لگا دیا جاتا ہے جیسے لا یَمْنَعُ ۔ لا یَمْنَعَانِ ۔ لا یَمْنَعُوْنَ وغیرہ وغیرہ۔

گردان مضارع معروف (ضَرَبَ یَضْرِبُ سے)

جنس	مذکر غائب	مؤنث غائب	مذکر حاضر	مؤنث حاضر	متکلم
واحد	یَضْرِبُ وہ مارتا ہے یا مارے گا	تَضْرِبُ وہ ایک عورت مارتی ہے یا مارے گی	تَضْرِبُ تو ایک مرد مارتا ہے یا مارے گا	تَضْرِبِیْنَ تو ایک عورت مارتی ہے یا مارے گی	اَضْرِبُ میں مارتا ہوں یا ماروں گا
تثنیہ	یَضْرِبَانِ مارتے ہیں یا ماریں گے وہ دو آدمی	تَضْرِبَانِ وہ دو عورتیں مارتی ہیں یا ماریں گی	تَضْرِبَانِ تم دو مرد مارتے ہو یا مارو گے	تَضْرِبَانِ تم دو عورتیں مارتی ہو یا مارو گی	نَضْرِبُ ہم مارتے ہیں یا ماریں گے
جمع	یَضْرِبُوْنَ وہ سب مرد مارتے ہیں یا ماریں گے	یَضْرِبْنَ وہ سب عورتیں مارتی ہیں یا ماریں گی	تَضْرِبُوْنَ تم سب مارتے ہو یا مارو گے	تَضْرِبْنَ تم سب مارتے ہو یا مارو گے	

سوال - یَضرِبُ - یَسْمَعُ - یَعْلَمُ - یَکْتُبُ سے مضارع معروف کی پوری گردان لکھئے اور اعراب لگائیے نیز مضارع منفی کی بھی گردان بنائیے۔

امر حاضر

جس فعل میں مخاطب کو کسی بات کا حکم دیا گیا ہو یا اس سے کوئی مطالبہ کیا گیا ہو اسے فعل امر کہتے ہیں جیسے اِضْرِبْ (تو مار)۔

اِس کی دو قسمیں ہیں۔ امر حاضر - امر غائب۔

۱- فعل امر حاضر۔

یعنی جس کو حکم دیا جارہا ہے وہ سامنے ہے۔

۲- فعل امر غائب۔

اس سے مراد یہ ہے کہ جس کو حکم دیا جارہا ہے وہ سامنے نہیں ہے بلکہ غائب ہے اور بعض اوقات غائب کو بھی حکم دیا جاتا ہے

امر بنانے کا طریقہ۔

امر حاضر مضارع سے بنتا ہے۔ اس کے بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مضارع کی علامت "ی" کو حذف (ختم) کردیں گے اور آخری حرف کو ساکن (جزم ْ) کردیں گے۔ پھر یہ دیکھیں گے کہ "ی" حذف (ختم) کرنے کے بعد جو حرف آتا ہے اس پر جزم ْ ہے یا متحرک۔ اگر متحرک ہو تو ویسے ہی رہنے دیں گے۔ وہی فعل امر کا صیغہ ہوگا۔ جیسے وَعَدَ کا مضارع ہوگا یَعِدُ۔ علامت مضارع کو حذف کرنے کے بعد اور آخری کلمہ پر جزم ْ دینے کے بعد اب یَعِدُ سے ہوجائے گا عِدْ۔ یہی فعل امر حاضر ہے۔ اسی طرح یَجِدُ سے جِدْ۔ یَصِلُ سے صِلْ ہوگا۔

اسی طرح اگر علامت مضارع کے بعد کا حرف ساکن (جزم ْ) ہو تو علامت مضارع حذف کرنے کے بعد اس کی جگہ "الف" کو پیش یا زیر کے ساتھ لگادیں گے اور آخری حرف کو ساکن (جزم) کردیں گے جیسے یَفْتَحُ سے اُفْتَحْ۔ یَضْرِبُ سے اِضْرِبْ۔ تَسْمَعُ سے اِسْمَعْ۔

یہ حالت واحد مذکر امر حاضر میں ہوگی۔ جو مذکورہ بیان کی گئی ہیں۔

تثنیہ مذکر امر حاضر بنانے میں حرف کی ابتدا میں اسی طرح تبدیلی رہے گی جیسے واحد مذکر امر حاضر میں ہوئی تھی لیکن آخر میں "الف" کا اضافہ کردیا جائے گا۔ اور آخری حرف سے پہلے (جس حرف کا

اضافہ کیا گیا ہے یعنی الف) والے حرف پر زبر لگایا جائے گا جیسے اُکْتُبْ سے اُکْتُبَا۔
جمع مذکر امر حاضر میں ابتدائی الفاظوں کی ترتیب وہی ہے البتہ آخر میں "وْا" (واؤ پر جزم کے ساتھ اور الف کا اضافہ کیا جائے گا۔) کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ جیسے اُکْتُبْ سے اُکْتُبُوْا۔
واحد مؤنث حاضر میں حروف کی ترتیب اسی طرح رہے گی جیسے واحد مذکر امر حاضر میں تھی لیکن آخر میں "یْ" (چھوٹی ی) کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ جزم ْ کے ساتھ اور اضافہ شدہ "ی" سے پہلے والے حرف پر زیر دیا جائے گا۔ جیسے اُکْتُبِیْ۔ تثنیہ مؤنث امر حاضر بالکل اسی طرح رہے گا۔ جیسے تثنیہ مذکر امر حاضر تھا۔
جمع مؤنث امر حاضر میں پوری حالت وہی رہے گی جو واحد مذکر امر حاضر میں الفاظ کی تھی۔ حرف آخر میں "نَ" (ن پر زبر) کے ساتھ اضافہ کر دیا جائے گا۔ جیسے اُکْتُبْنَ۔

گردان امر حاضر

فعل (مذکر)	صیغہ	معنی	فعل (مؤنث)	صیغہ	معنی
اُکْتُبْ	واحد مذکر حاضر	تو ایک آدمی لکھ	اُکْتُبِیْ	واحد مؤنث حاضر	تو ایک عورت لکھ
اُکْتُبَا	تثنیہ مذکر حاضر	تم دو آدمی لکھو	اُکْتُبَا	تثنیہ مؤنث حاضر	تم دو عورتیں لکھو
اُکْتُبُوْا	جمع مذکر حاضر	تم سب آدمی لکھو	اُکْتُبْنَ	جمع مؤنث حاضر	تم سب عورتیں لکھو

ضروری ہدایات ۔ (یَفْعَلُ سے امر بنانے کے لئے)

ایک بات یاد رکھیئے کہ اگر علامت مضارع کے بعد کا حرف (کلمہ ف) ساکن ہو (یعنی جزم) تو علامت مضارع حذف کرنے کے بعد اس کی جگہ "الف" لگا دیں گے اور پھر دیکھیں گے کہ عین کلمہ مضموم ہو (یعنی عین پر پیش ہو) تو الف پر پیش دیں گے۔ جیسے یَنْصُرُ سے اُنْصُرْ۔ یَکْتُبُ سے اُکْتُبْ۔
اسی طرح اگر عین کلمہ مفتوح (زبر) یا مکسور (زیر) ہو تو الف کے نیچے زیر دیں گے۔ جیسے یَفْتَحُ سے اِفْتَحْ۔ یَضْرِبُ سے اِضْرِبْ (ایک بات اور یاد رکھئے آخر سے پہلے والے حرف زبر۔ زیر۔ پیش میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ جیسے یَفْتَحُ سے اِفْتَحْ۔

فعل امر غائب

فعل امر غائب بنانے کا طریقہ ۔

یاد رکھئے فعل امر غائب بنانے میں مضارع کا صیغہ واحد غائب کر کے اس سے پہلے لام زیر کے ساتھ (لِ) لگا دیجئے اور آخری حرف پر جزم لگا دیجئے۔ جیسے یَکْتُبُ سے لِیَکْتُبْ یا یَکْتُبُ سے لِیَکْتُبْ۔
اس کی پوری گردان یوں آئے گی۔

فعل امر غائب

	واحد مذکر غائب	ترجمہ	واحد مونث غائب	ترجمہ
واحد	لِیَکْتُبْ	اس ایک آدمی کو لکھنا چاہیئے	لِتَکْتُبْ	اس ایک عورت کو لکھنا چاہیئے
تثنیہ	لِیَکْتُبَا	ان دو آدمیوں کو لکھنا چاہیئے	لِتَکْتُبَا	ان دو عورتوں کو لکھنا چاہیئے
جمع	لِیَکْتُبُوْا	ان سب آدمیوں کو لکھنا چاہیئے	لِیَکْتُبْنَ	ان سب عورتوں کو لکھنا چاہیئے

واحد متکلم / جمع متکلم	لِاَکْتُبْ / لِنَکْتُبْ	مجھے لکھنا چاہیئے / ہمیں لکھنا چاہیئے

سوال۔ مندرجہ ذیل میں سے امر بنایئے اور پورے اعراب کے ساتھ حاضر معروف کی گردان لکھیئے۔ تَسْمَعُ۔ تَخْرُجُ۔

نہی حاضر

فعل نہی وہ فعل ہے جس میں کسی کام کے نہ کرنے کا حکم دیا جائے۔ یعنی کسی کام کے کرنے سے منع کیا جائے۔

فعل نہی بنانے کا طریقہ۔

نہی حاضر کے بنانے کا طریقہ یہ ہے مضارع سے پہلے لَا (نہ۔مت) لگا دیجئے اور آخری حرف پر جزم دے دیجئے۔ جیسے یَضْرِبُ سے لَا یَضْرِبْ۔ (وہ ایک آدمی نہ مارے یا تَضْرِبُ سے لَا تَضْرِبْ۔

ایک بات اور یاد رکھیئے کہ فعل نہی حاضر مضارع معروف مخاطب سے بنایا جاتا ہے۔

گردان فعل نہی

	مذکر غائب	مونث غائب	مذکر حاضر	مونث حاضر	متکلم
واحد	لَا یَضْرِبْ وہ ایک آدمی نہ مارے	لَا تَضْرِبْ وہ ایک عورت نہ مارے	لَا تَضْرِبْ تو ایک مار	لَا تَضْرِبِیْ تو ایک عورت نہ مار	لَا اَضْرِبْ میں نہ ماروں
تثنیہ	لَا یَضْرِبَا وہ دو آدمی نہ ماریں	لَا تَضْرِبَا وہ دو عورتیں نہ ماریں	لَا تَضْرِبَا تم دو مرد نہ مارو	لَا تَضْرِبَا تم دو عورتیں نہ مارو	لَا نَضْرِبْ ہم نہ ماریں
جمع	لَا یَضْرِبُوْا وہ سب آدمی نہ ماریں	لَا یَضْرِبْنَ وہ سب عورتیں نہ ماریں	لَا تَضْرِبُوْا تم سب مرد نہ مارو	لَا تَضْرِبْنَ تم سب عورتیں نہ مارو	

سوال - مندرجہ ذیل افعال سے امر بنایئے اور امر حاضر معروف کی پوری گردان مع اعراب لکھیے۔
یَنْصُرُ - یَفْتَحُ - یَسْمَعُ۔

فعل یَنْصُرُ سے امر معروف کی گردان

	مذکر حاضر	معنی	مونث حاضر	معنی
واحد	اُنْصُرْ	تو ایک مرد مدد کر	اُنْصُرِیْ	تو ایک عورت مدد کر
تثنیہ	اُنْصُرَا	تم دو مرد مدد کرو	اُنْصُرَا	تم دو عورتیں مدد کرو
جمع	اُنْصُرُوْا	تم سب مرد مدد کرو	اُنْصُرْنَ	تم سب عورتیں مدد کرو

طَبِيْبُ الْمَلِكِ (بادشاہ کا حکیم)
غُلَامُ الْمَلِكِ (بادشاہ کا غلام)
اِبْنُ زَيْدٍ (زید کا بیٹا)
اَخُوْ سَعْدٍ (سعد کا بھائی)
مَاءُ الْبَحْرِ (سمندر کا پانی)
مُعَلِّمُوا الْمَدْرَسَةِ (مدرسہ کے معلم)

۲- مُرکّب توصیفی -

مُرکّب توصیفی وہ مرکّب ہے جس میں ایک اسم دوسرے اسم کی جو اس سے پہلے ہو صفت، مذمت یا خوبی بیان کرے جیسے اَلْمَلِكُ الْعَادِلُ (منصف بادشاہ)۔

اس جملہ میں لفظ اَلْعَادِلُ لفظ اَلْمَلِكُ کی صفت بیان کر رہا ہے۔

جس اسم کی صفت بیان کی جائے اسے موصوف کہتے ہیں اور صفت بیان کرنے والے اسم کو صفت کہا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا مثال میں اَلْمَلِكُ موصوف ہے اور اَلْعَادِلُ صفت ہے۔

عربی میں اردو انگریزی کے برعکس موصوف پہلے آتا ہے اور صفت بعد میں آتی ہے۔

جیسے :- اَلْوَلَدُ الْعَاقِلُ — (عقلمند لڑکا)
رَجُلٌ عَالِمٌ — (ایک عالم آدمی)
رَجُلٌ صَالِحٌ — (ایک نیک آدمی)
اَلْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ — (نیک عورت)
اَلْوَلَدُ الصَّادِقُ — (سچا لڑکا)
رَجُلٌ عَادِلٌ — (انصاف کرنے والا مرد)
سَيْفٌ قَاطِعٌ — (کاٹنے والی تلوار)
مُسْلِمٌ صَالِحٌ — (نیک مسلمان)
سَاعَةٌ جَمِيْلَةٌ — (خوبصورت گھڑی)
بِنْتَانِ صَالِحَتَانِ — (دو نیک بیٹیاں)

ایک بات یاد رکھئے کہ اگر صفت مؤنث ہو تو موصوف بھی مونث ہونا چاہیئے۔ یا یوں کہئے کہ موصوف کے مطابق صفت کا استعمال کرنا چاہیئے۔ مذکر کے ساتھ مذکر اور مؤنث کے ساتھ مونث۔

اسی طرح وحدت (واحد) تثنیہ و جمع میں بھی صفت اپنے موصوف کے مطابق ہوتی ہے جیسے۔
رَجُلٌ عَالِمٌ - رَجُلَانِ عَالِمَانِ - اِمْرَاۃٌ عَالِمَۃٌ اِمْرَاتَانِ عَالِمَتَانِ۔
لیکن ایک بات یاد رکھئے کہ اگر موصوف اسم غیر عاقل کی جمع ہو خواہ مذکر ہو یا مؤنث تو صفت عموماً واحد مؤنث ہی آتی ہے۔ جیسے۔

اَشْجَارٌ طَوِیْلَۃٌ
حَیَوَانَاتٌ کَبِیْرَۃٌ
بَرَاھِیْنُ قَاطِعَۃٌ

۳۔ مرکّب اشاری۔

جس مرکّب ناقص میں کوئی اسم اشارہ پایا جائے اسے مرکب اشاری کہتے ہیں۔
جیسے ذٰلِکَ اَلْکِتَابُ (وہ کتاب)۔
وہ اسم جس کے ذریعہ کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جائے اسم اشارہ کہلاتا ہے۔ جیساکہ مذکورہ بالا مثال میں ذٰلِکَ (وہ) اسم اشارہ ہے۔
جس چیز کی طرف اشارہ کیا جائے اسے مشارٌ الیہ کہتے ہیں۔ مذکورہ بالا مثال میں الکِتَابُ مشارٌ الیہ ہے۔
اسمائے اشارہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ قسم ہے جن سے نزدیک کی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ انھیں اسمائے اشارہ قریب کہتے ہیں جیسے ھٰذَا اور جن سے دُور کی طرف اشارہ کیا جائے وہ اسمائے بعید کہلاتے ہیں۔ جیسے ذٰلِکَ۔

(اسمائے اشارہ قریب و بعید پچھلے باب میں گذر چکی ہے)

۴۔ مرکّب جاری۔

جس مرکب میں کوئی حرفِ جر کسی اسم سے متصل ہو اسے مرکب جاری کہتے ہیں۔ جیسے۔
عَلَی السَّقْفِ (چھت پر) اس مثال میں عَلٰی حرف جرّ ہے اس لئے اس مرکب کا نام مرکب جاری ہے۔

حروف جار سترہ ہیں

۱۔ بار۔ (سے۔ ساتھ) قسم کے لئے بھی آتا ہے۔
۲۔ تارُ۔ قسم کے لئے آتا ہے۔ (اور اللہ کی قسم کے لئے مخصوص ہے۔)
۳۔ کَافُ۔ (مانند) ۔۴۔ لَامُ (لئے۔ برائے)۔ ۵۔ واوٌ (اور)
۶۔ مُنْذُ (سے)۔ ۷۔ خَلَا (سوائے)۔ ۸۔ رُبَّ (بہت سے)۔ ۹۔ حَاشَا (سوائے)

۱۰- مِنْ (سے) - ۱۱- عَدَا (سوائے) - ۱۲- فِیْ (میں) - ۱۳- عَنْ (سے) - ۱۴- اِلیٰ (تک)
۱۵- حَتّٰی (تک) - ۱۶- عَلیٰ (اوپر) - ۱۷- مُذْ (سے)

افعال عاملہ

افعال ناقصہ۔

یہ تعداد میں تیرہ ہیں جو حسب ذیل ہیں:-
کَانَ - صَارَ - اَصْبَحَ - اَمْسیٰ - اَضْحیٰ - ظَلَّ - بَاتَ - مَازَالَ - مَافَتِئَ - مَاانْفَکَّ -
مَابَرِحَ - لَیْسَ - مَادَامَ -

افعال ناقصہ کا عمل۔

جب افعال ناقصہ کسی اسم پر داخل ہوتے ہیں تو اپنے اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتے ہیں۔
(فعل ناقص کے فاعل کو اس کا اسم اور صفت کو اس کی خبر کہا جاتا ہے) جیسے کَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا۔
(اللہ سب سے زیادہ سننے والا ہے)۔
مذکورہ بالا مثال میں کَانَ افعالِ ناقصہ میں سے ہے اور لفظ اللہ اس کا اسم اور سَمِیْعًا خبر ہے۔

ضروری ہدایات -

۱- کَانَ - (تھا)

اپنے اسم کا زمانہ ماضی میں کسی صفت سے متصف ہونا ظاہر کرتا ہے جیسے کَانَ خَالِدٌ عَابِدًا (خالد عبادت گذار تھا) مطلب یہ تھا کہ ماضی میں تھا لیکن اب نہیں ہے لیکن یہ یاد رکھئے اللہ تعالیٰ کے لئے ایسا نہیں ہے۔

۲- صَارَ (ہوگیا)

صار کا استعمال جب کیا جاتا ہے جب اس کی حالت میں تبدیلی ہو۔ مطلب یہ کہ ایک حالت سے دوسری حالت میں جائے۔ جیسے۔

صَارَ الْمَلِکُ فَقِیْرًا — (بادشاہ فقیر ہوگیا)

۳- اَصْبَحَ — (صبح کے وقت ہوا - یا فقط ہوا)

۴- اَمْسیٰ — (شام کے وقت ہوا - یا فقط ہوا)

۵- اَضْحٰی - (چاشت کے وقت ہوا - یا محض ہوا)
۶- ظَلَّ - (دن کے وقت ہوا یا صرف ہوا)
۷- بَاتَ - (رات کے وقت ہوا یا فقط ہوا)
ان الفاظوں کا استعمال اس حالت میں کیا جاتا ہے جب ان میں سے کوئی وقت بتانا ہو۔ جیسے اَمْسٰی زَیْدٌ مَرِیْضًا (زید شام کے وقت بیمار ہو گیا) وغیرہ وغیرہ۔
۸- مَافَتِیَ -۹- مَادَامَ -۱۰- مَاانْفَكَّ - ۱۱- مَابَرِحَ -۱۲- مَازَالَ -
ان تمام کلموں کے معنی ہیں۔ ہمیشہ رہا۔
جیسے مَادَامَ الْغَنِیُّ مَسْرُوْرًا - (دولت مند ہمیشہ خوش رہا)
مَازَالَ الْمَلِكُ عَادِلًا — (بادشاہ ہمیشہ انصاف پسند رہا)
۱۳- لَیْسَ (نہیں)
یہ نفی کے لئے آتا ہے۔ جیسے۔
لَیْسَ خَالِدٌ صَالِحًا (زید نیک نہیں ہے)

حروف مشبّہ بالفعل

حروف مشبّہ بالفعل چھ ہیں۔ ان حروف میں فعل کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اس لئے ان کو مشبّہ بالفعل کہتے ہیں (مطلب یہ ہے کہ حروف مشبّہ بالفعل ان حروف کو کہتے ہیں جو فعل سے مناسبت رکھتے ہوں۔

حروف مشبّہ بالفعل کا عمل —
ان کا عمل یہ ہے کہ یہ اسم (مُبتدا) کو نصب اور خبر کو رفع دیتے ہیں۔ یہ حروف ابتدائے جملہ میں داخل ہوتے ہیں سوائے اَنَّ کے جو وسط جملے میں آتا ہے اور "کہ" کا معنی دیتا ہے۔ اسی طرح لٰکِنَّ دوسرے جملے کے شروع میں اور پہلے جملے کے بعد آتا ہے
جیسے سَمِعْتُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (میں نے سُنا اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔
خَالِدٌ صَالِحٌ لٰکِنَّ حَامِدًا فَاسِقٌ (خالد نیک ہے لیکن حامد فاسق ہے)
حروف مشبّہ بالفعل مندرجہ ذیل ہیں۔
۱- اِنَّ - ۲- اَنَّ - ۳- کَاَنَّ - ۴- لَیْتَ - ۵- لٰکِنَّ - ۶- لَعَلَّ -

۲- اِنَّ - اَنَّ -

یہ تاکید کے لئے آتے ہیں۔ جیسے۔

اِنَّ زَیْدًا قَائِمٌ۔ (بے شک زید کھڑا ہے)

سَمِعْتُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (میں نے سُنا کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے)

۳- کَاَنَّ -

تشبیہ کے لئے آتا ہے۔ جیسے۔

کَاَنَّ زَیْدًا اَسَدٌ (گویا کہ زید شیر ہے۔ یعنی شیر کی مانند ہے)

۴- لَیْتَ -

کسی ایسی چیز کی آرزو کے لئے آتا ہے جسے پانا مشکل ہو۔ جیسے۔

لَیْتَ الشَّبَابَ عَائِدٌ (کاش کہ جوانی لوٹ کر آنے والی ہوتی)

۵- لٰکِنَّ -

یہ ازالہ وہم کے لئے آتا ہے۔ یعنی پہلی بات سے پیدا شدہ وہم کو دُور کرنے کے لئے آتا ہے۔

جیسے۔ خَالِدٌ صَالِحٌ لٰکِنَّ حَامِدًا فَاسِقٌ (خالد نیک ہے لیکن حامد فاسق ہے)

۶- لَعَلَّ —

اُمید کے لئے آتا ہے۔ یعنی کسی مرغوب چیز کی امید اور توقع کے اظہار کے لئے

آتا ہے۔ جیسے۔ لَعَلَّ زَیْدًا صَالِحٌ (شاید زید نیک ہو)۔

سوال - حروف مشبہ بالفعل بتائیے۔ ان کا عمل لکھئے اور مثالیں دیجئے۔